اردو کا کلاسیکی ادب

سید احمد خاں

کا

سفر نامۂ پنجاب

از

مولوی سید اقبال علی

مرتبہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

مجلس ترقیٔ ادب ۔ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکاں بفضلِ خلاقِ زمین و زماں

۱۳۰

اردو کا کلاسیکی ادب

سید احمد خاں

کا

سفرنامۂ پنجاب

مرتبہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

سید احمد خاں کا سفرنامۂ پنجاب

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : اکتوبر ۱۹۷۳ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : مطبع قوسین (شرکت محدود) ، تھارنٹن روڈ ،
لاہور

مہتمم : ریاض احمد چودھری

سرورق وغیرہ : مطبع عالیہ ، ۱۲۰ میکلوڈ روڈ ، لاہور

قیمت : ۱۲ روپے

فہرستِ مضامین

روانگی علی گڑھ سے - - - - - - - - - ۵

حالات مقامِ لودھیانہ - - - - - - - - ۵

لودھیانہ میں پہنچنا اور ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا حال ۶

نواب غنی محمد خان بہادر کا ذکر - - - ۶

لیکچر جو لودھیانے میں دیا گیا - - - - ۱۲

خان بہادر منشی قادر بخش خان صاحب کی گفتگو - - ۲۸

سید صاحب کا جواب - - - - - - - ۲۹

اشعار حافظ صدر الدین صاحب - - - - - ۳۱

تحریری تقریر محمد معین الدین صاحب - - - - - ۳۱

سید صاحب کی تقریر اس کے جواب میں - - - - ۳۵

ایڈریس از جانب مجلس مفیدِ عام، لودھیانہ - - - ۳۷

سید صاحب کا جواب اس ایڈریس کا - - - - - ۴۱

اشعار ڈاکٹر عثمان خان صاحب - - - - - ۴۲

تقریر مولوی مرزا فتح محمد صاحب - - - - - ۴۲
تقریر سید صاحب کی اُس کے جواب میں - - - - ۴۷
خان بہادر منشی قادر بخش خاں صاحب کا ذکر - - ۴۹
حالات مقام جالندھر مرتبۂ اول - - - - - ۵۰
جالندھر میں پہنچنا اور ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا حال ۵۱
ایڈریس انجمن اسلامیہ ، جالندھر - - - - ۵۵
ایڈریس از جانب طلبائے گورنمنٹ اسکول ، جالندھر - ۶۲
تقریر سید صاحب بجواب ایڈریسوں کے جو ناتمام رہ گئی - ۶۳
تقریر مذکور کا ناتمام رہنا اور لیکچر کا ملتوی ہو جانا - ۶۵
ایک حصہ اُس لیکچر کا جو سید صاحب نے بمقام جالندھر دینا تجویز کیا تھا - - - - - - ۶۸
مولوی شیخ مراد علی صاحب کا ذکر - - - - ۷۵
حالات مقام امرتسر مرتبۂ اول - - - - ۷۷
امرتسر میں پہنچنا اور ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا حال ۷۹
مسلمانوں کی طرف سے بہ افسری خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب سید صاحب کے لیے ٹاؤن ہال میں ایوننگ پارٹی کا ہونا - - - - - - - ۸۰
مدرسۃ المسلمین امرتسر میں سید صاحب کا انعام تقسیم کرنے کو تشریف لے جانا - - - - - ۸۳

خواجہ یوسف شاہ صاحب کی ابتدائی تقریر مدرسے میں - ۸۵
انعام تقسیم کرنے کے بعد سید صاحب کی تقریر - - ۸۷
مدرسین مدرسہ کی ایڈریس - - - - - ۹۱
سید صاحب کا جواب - - - - - - ۹۳
امرتسر کے سرکاری باغ کی سیر - - - - ۹۵
تھیٹر کا ذکر اور سید صاحب کے اس کی نسبت دل سوز لطیفے ۹۶
ایڈریس انجمن اسلامیہ ، امرتسر - - - - ۱۰۲
سید صاحب کا جواب - - - - - - ۱۰۵

حالاتِ مقام گورداس پور - - - - - ۱۱۱

بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچنے کے حالات اور تقریر سید صاحب ۱۱۱
گورداس پور میں پہنچنا اور ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا حال ۱۱۳
ایڈریس جوگورداس پور کے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر دی گئی ۱۱۵
سید صاحب کا جواب - - - - - - ۱۱۸
سید صاحب کا ضلع اسکول ، گورداس پور میں لیکچر دینے
کو جانا اور اسکول کے ہال کی آرایش کا ذکر - - ۱۲۰
نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب کی ابتدائی تقریر - ۱۲۱
سید صاحب کا لیکچر اسکول گورداس پور میں - - ۱۲۱
نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب کی تقریر اس کے
شکریے میں - - - - - - - - ۱۳۳

سید صاحب کا اسکول کے بورڈنگ ہاؤس کو دیکھنا - ۱۳۵
سید صاحب کا سکھوں کے گوردوارے میں جانا اور
جھولنا محل کا دیکھنا - - - - - - - ۱۳۶
ڈنر اور ایوننگ پارٹی نجم الہند سردار محمد حیات خاں کی
طرف سے - - - - - - - - - ۱۳۷
ایڈریس از جانب خاتونانِ پنجاب - - - - - ۱۳۹
سید صاحب کا عجیب جواب خاتونانِ پنجاب کی ایڈریس کا ۱۴۱

حالات مقامِ امرتسر مرتبۂ دوم - - - - - ۱۵۲

سید صاحب کا لیکچر ٹاؤن ہال امرتسر میں - - - ۱۵۳
امرتسر کے زنانہ مشن اسکول کا ذکر - - - - ۱۷۵
مسٹر سی - جی - راجرس سے ملاقات اور ''تنکہ'' کا ذکر - ۱۷۹
مسٹر عبداللہ ایتھم اور راجہ گلاب سنگھ بہادر کا ذکر - ۱۸۰
خان بہادر خان محمد شاہ خاں ، خواجہ یوسف شاہ ، حاجی
غلام حسن ، شیخ غلام حسن صاحبان کا ذکر - - ۱۸۰
خان بہادر آغا کلب عابد خاں صاحب کا ذکر - - - ۱۸۱

حالات مقامِ لاہور - - - - - - - - - ۱۸۳

لاہور میں پہنچنا اور ریلوے اسٹیشن پر استقبال ہونے کا حال ۱۸۳
منشی محرّم علی صاحب چشتی کا ذکر اور ضمیمہ اخبار
''رفیقِ ہند'' میں سید صاحب کا خیر مقدم مع تصویر

کے مشتہر ہونا - - - - - - - - ۱۸۶
لوگوں کے مجمع اور سواری کے جلوس کا ذکر - - ۱۸۹
ہندو سبھا ، لاہور کے ممبروں کا ملاقات کو آنا اور چند
امر میں گفتگو کرنا - - - - - - - ۱۹۳
مولوی فیض الحسن صاحب کا ذکر اور انھوں نے جو
مخالفانہ مضمون سید صاحب کی نسبت عربی اخبار
''شفاء الصدور'' میں لکھا اس کی نقل - - - ۲۰۷
مسٹر پارکر صاحب رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کا سید
صاحب کے لیے سینٹ ہال میں ایوننگ پارٹی کا دینا - ۲۱۰
مولوی محمد حسین صاحب آزاد کا اس پارٹی میں اپنے
اشعار پڑھنا - - - - - - - - ۲۱۱
مرزا عبدالغنی صاحب ارشد کے اشعار سید صاحب کے
ولکم میں - - - - - - - - ۲۱۲
گورنمنٹ کالج میں ایڈریسوں کے پیش ہونے کا جلسہ - ۲۱۷
انڈین ایسوسی ایشن لاہور کی ایڈریس - - - - ۲۱۹
مذکورہ ایڈریس کا ترجمہ - - - - - - ۲۲۷
سید صاحب کا جواب - - - - - - - ۲۲۲
مذکورہ جواب کا ترجمہ - - - - - - - ۲۳۱
اس جواب پر ''ٹریبیون'' اخبار کا ریمارک - - - ۲۲۶
مذکورہ ریمارک کا ترجمہ - - - - - - - ۲۳۵

ایڈریس انجمن اسلامیہ، لاہور - - - - - - - ۲۳۸
سید صاحب کا جواب - - - - - - - - ۲۴۵
ایڈریس انجمن اسلامیہ، گجرات - - - - - ۲۵۱
سید صاحب کا جواب - - - - - - - - ۲۵۴

حالات متعلق لیکچر اسلام - - - - - ۲۵۸

اسلام پر لیکچر دینے کی درخواست - - - - - ۲۵۹
سید صاحب کا لیکچر اسلام پر - - - - - - ۲۶۱
اخبار ''انجمن پنجاب'' کا ریمارک لیکچر اسلام پر - - ۲۹۷
سید صاحب سے مخالفت کا ذکر - - - - - - ۲۹۹
''پنجابی اخبار'' کا پہلا آرٹیکل اس مخالفت کے مخالف - ۳۰۱
''پنجابی اخبار'' کا دوسرا آرٹیکل اس مخالفت کے مخالف - ۳۰۵
قصیدۂ مدحیہ و تاریخ تشریف آوری سید صاحب بمقام
لاہور مصنفہ منشی حامد علی صاحب چشتی - - - ۳۲۴
گروپ احباب جو لاہور میں بنوایا گیا: خان بہادر محمد
برکت علی خاں صاحب، حاجی غلام حسن صاحب
و شیخ غلام حسن صاحب، خواجہ یوسف شاہ
صاحب، مولوی مرزا فتح محمد بیگ صاحب، مولوی
سید ممتاز علی صاحب کا ذکر جو اس گروپ میں
شامل تھے - - - - - - - - - ۳۲۹

سردار دیال سنگھ بہادر کا ذکر - - - - - ۳۳۳
نواب عبدالمجید خاں صاحب و نواب غلام محبوب سبحانی
صاحب کا ذکر - - - - - - - ۳۳۴
خان بہادر ڈاکٹر رحیم خاں صاحب و رائے بہادر ڈاکٹر
برج لال گھوس صاحب کا ذکر - - - - - ۳۳۴
ڈیوڈ راس صاحب اور ان کی میم صاحبہ کا ذکر - - ۳۳۵
صاحبانِ اخبارات پنجاب کا ذکر - - - - - ۳۳۶
سید صاحب اور ان کے رفقاء کی نسبت ''رفیقِ ہند''
کا ریمارک - - - - - - - - ۳۳۷
ذکر شہر لاہور اور ذکر ایک گرجے کا جو تعمیر ہو رہا ہے ۳۳۹
حال روانگی از لاہور - - - . - - - - ۳۴۳

حالات مقام جالندھر مرتبۂ دوم - - - - - ۳۴۳

ذکر جالندھر میں پہنچنے کا - - - - - - ۳۴۳
سید صاحب کا لیکچر مقام جالندھر کوٹھی سردار بکرماں سنگھ
بہادر میں - - - - - - - - ۳۴۵
ایڈریس از جانب نوجوانانِ جالندھر - - - - ۳۶۲
سید صاحب کا جواب - - - - - - - ۳۶۶
ذکر خان بہادر سردار یار محمد خاں - - - - ۳۶۹

حالات مقام پٹیالہ - - - - - - ۳۷۲

پٹیالے میں پہنچنا اور دو دن کے قیام کے بعد مظفر نگر کو روانہ ہونا - - - - - - - - ۳۷۲

حالات مقام مظفر نگر - - - - - - - - ۳۸۱

مظفر نگر میں پہنچنا - - - - - - - - ۳۸۱

اسکول میں جلسہ اور ایڈریسوں کا پیش ہونا - - - ۳۸۲

عربی ایڈریس - - - - - - - - ۳۸۳

اُردو ایڈریس - - - - - - - - ۳۸۴

دونوں ایڈریسوں کا جواب - - - - - - ۳۸۸

روانگی مظفر نگر سے - - - - - - - ۳۹۹

علی گڑھ پہنچنا اور سفر کا ختم ہونا - - - - - ۳۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

''سید احمد خاں کا سفرنامۂ پنجاب'' محض ایک سفرنامہ نہیں ہے بلکہ یہ ۱۸۵۷ع کی تباہی کے بعد مسلمانانِ برّعظیم کی جہد للبقا کی داستان کا ایک اہم باب ہے۔ ہماری قوم کی یہ یک صد سالہ کشمکش ابھی انجام کو نہیں پہنچی مگر اس کا معرکۂ الآرا آغاز بلاشبہ ہمارے قائدِ اوّل سید احمد خاں کی جدّوجہد سے ہوتا ہے۔ سید صاحب خلوص و ایقان، فراست و تدبّر اور بے پناہ قوّتِ عمل سے بہرہ ور تھے۔ اُن کی مِلّی حکمتِ عملی اپنے دور کے زہرہ گداز اور ناقابلِ تسخیر حالات سے سمجھوتے پر مبنی تھی۔ اس قسم کا عمرانی سمجھوتا کلیۃً نہیں تو جزواً اپنے ماضی سے روگردانی کا مرادف ہوتا ہے۔ چنانچہ سید صاحب کے بعض معاصرین نے ایسے سمجھوتے پر موت کو ترجیح دی تھی۔ مگر اُن میں اکثر ایسے لوگ تھے جو اپنے روح و دماغ کی پوری قوّت سے سید صاحب کے خلاف صف آرا ہوئے اور مغربی اندازِ نظر اختیار کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہو سکے۔ اتنا تو سب جانتے ہیں کہ خود سید صاحب نے بھی دلی کرب و عقوبت کے ابتدائی دنوں میں برّعظیم کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ جانے کا خیال کیا تھا۔ لیکن یہ دن گزر گئے اور سید صاحب نے راہِ فرار کے تصوّر پر

ہمیشہ کے لیے پیٹھ پھیری - آن کے فطری جذبہ قیادت نے آن پر واضح کر دیا کہ مسلم ہندوستان کو آمڈے ہوئے سیلاب کی زد سے نکال لے جانا خود آن کے لیے مقدّر ہو چکا ہے -

سید صاحب کی قومی تحریک گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی میں شروع ہوئی - اِس تحریک کا مرکز قدرۃً صوبہ آگرہ و اودھ تھا مگر قائد قوم کو ذاتی مخاصمت اور اصولی نزاع کے جن حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا آن کا گڑھ بھی آگرے اور اودھ کا علاقہ تھا - لعن طعن ، سبّ و شتم ، تذلیل و تکفیر ، کوئی وار نہ تھا جس سے ہمارے قائد اوّل کو قوم کی رہبری کے زمانہ آغاز میں ایک دن کے لیے بھی امان ملی ہو - آنھیں نیچری ، کرسٹان ، دہریہ ، مُلحد ، مُرتد ، مُنافق ، بدعتی ، بے دین ، سب کچھ کہا گیا - بقول مولانا عبدالحلیم شرر کے ''در و دیوار سے لعنت و نفرین کی صدا'' آٹھنے لگی - مکہّ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ سے بہ کوشش خاص سرسید کے کفر کے فتوے منگوائے گئے ، اور جب اِس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو مقامی طور پر آن کے قتل کے فتوے جاری ہوئے - جو گم نام خط سرسید کو وصول ہوتے تھے آن کے مضمون کا صرف اندازہ کیا جا سکتا ہے - ظرافت نگار اخبارات و اہلِ قلم نے ایک الگ دنگل کھول دیا - پھر چندے کا دھندا پھبتیوں اور گالیوں کا موضوع بنا اور سیّد القوم کے اعزاز میں وہ پمفلٹ شائع کیے گئے جن کے نام تھے : ''لٹھ'' ، ''آرہ'' ، ''دُرہ'' ، ''جُوت'' اور ''کنٹاپ'' - سرسید کی عظمت و ہمّت پر ہزار بار آفرین کہنی چاہیے کہ وہ اِس ہنگامہ تضحیک و تشنیع کا مقابلہ صبر و ثبات سے کرتے رہے - روایت ہے کہ ایک مرتبہ چند اصحاب ریل میں سرسید کے ہم سفر تھے ، مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ آنھیں اپنی

صدی کے سب سے جلیل القدر مسلمان سے شرف ہم نشینی حاصل ہے۔ ایک صاحب نے اپنے ساتھیوں کے افادے کے لیے سرسید کی سیرت و کردار کے پرخچے آڑانے شروع کیے ۔ جب وہ سرسید کی بد عقیدگی اور آن کی عقلی تاویلات کی بیہودگی پر حسب دل خواہ روشنی ڈال چکے تو آن کے ریل سے اترنے کا وقت آ گیا ۔ جاتے جاتے از راہ ِحسن خلق سرسید کی طرف مڑے اور پوچھا : ''جناب کا اسم مبارک ؟'' جواب ملا : ''جی میں وہی ننگ ِ قوم ہوں جس کے متعلق آپ نے ابھی اتنا کچھ فرمایا !''

قوم کی طرف سے جب یہ صلہ ٔ خدمت مل رہا ہو تو قائد ِقوم کی طرف سے عزیمت و استقامت کا مظاہرہ برحق ، مگر آس کے دل کی جراحت کا اندازہ زید و عمرو بھی کر سکتے ہیں ۔ یہ صورت ِحال تھی جب سرسید دسمبر ۱۸۷۳ع میں لاہور تشریف لائے ۔ خود اپنے صوبے کی آبادی کے سواد اعظم نے آن سے جو سلوک روا رکھا تھا ، اس کے برعکس اہل ِ پنجاب کی طرف سے پرجوش خیرمقدم نے سرسید کے لیے تقدیر کی بازی کا رخ پلٹ دیا ۔ سرسید کی تحریک کے لیے پنجاب کے اِس فیصلے کا مفہوم سمجھنا ہو تو گزشتہ ایک سو برس کے آن چند تاریخی مواقع کو نظر میں رکھنا چاہیے جب پنجاب فیصلہ کُن طور پر قوم کی زندگی میں دخل انداز ہوا ۔ سب سے پہلے تو پنجاب سید احمد خاں کی تائید میں ایک دم آٹھا ۔ پھر پورے تہتّر برس بعد جب ۱۹۴۶ع میں پاکستان کے لیے رائے شماری ہوئی تو پنجاب ، جو اس سے پہلے یونینسٹ پارٹی کا گڑھ سمجھا جاتا تھا ، ایکا ایکی اپنی جگہ سے سرکا اور قائد ِاعظم محمد علی جناح کے پیچھے آ کھڑا ہوا ۔ اس کلیدی صوبے نے ۱۸۷۳ع میں سرسید کی دعوت پر جس طرح لبّیک کہا آس نے قومی تحریک

میں نئی جان ڈال دی ۔

سرسید اور اُن کے رفقا نے چار مرتبہ لاہور اور پنجاب کے بعض دوسرے شہروں کا سفر کیا ۔ ۱۸۷۳ع کے سفر کی تفصیلات ہم عصر اخبارات میں دبی رہ گئی ہیں ۔ مگر اس کے بعد سرسید کا فاتحانہ داخلہ جنوری ۱۸۸۴ع میں جب پھر پنجاب کے شہروں میں ہوا تو انھیں مولوی سید اقبال علی جیسا قابل و مستعد رفیق میسّر تھا جس نے سفرنامہ مرتّب کرکے اس سفر کو زندۂ جاوید کر دیا ۔ چار سال بعد دسمبر ۱۸۸۸ع میں پنجاب کی سرزمین تیسری مرتبہ سرسید کے قدوم میمنت لزوم سے مفتخر ہوئی ۔ سرسید کے چوتھے سفرِ پنجاب کی خبر اُن کی وفات سے چند ہی برس پہلے اپریل ۱۸۹۴ع میں ملتی ہے ۔ زیرِ نظر ''سفر نامہ'' سرسید کے دوسرے سفرِ پنجاب (۱۸۸۴ع) سے متعلق ہے ، لیکن اسے سفرنامے کے طور پر نہیں ، ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے ، اُس پس منظر میں دیکھنا چاہیے جس کی تفصیلات اوپر بیان ہوئیں ۔

پنجاب کے مسلمانوں نے سرسید کا قومی پیغام اس برجستگی سے کیوں قبول کر لیا ؟ اس کی تشریح مولانا حالی نے ''حیاتِ جاوید''[1] میں بہ الفاظ ذیل کی ہے :

> . . . پنجاب کے مسلمان ، جنھوں نے برٹش گورنمنٹ کی بدولت ایک مدت کے بعد نئی زندگی حاصل کی تھی اور اس لیے انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کو خیرمقدم کہنے کے لیے تیار بیٹھے تھے ، سرسید کی

۱- دیکھیے نسخہ مطبوعہ نامی پریس ، کانپور ، ۱۹۰۱ع ، ص ۳۲۲ - ۳۲۳ -

مُنادی پر اس طرح دوڑے جیسے پیاسا پانی پر دوڑتا ہے ۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کہ مدرسۃ العلوم کو مالی مدد پہنچائی ، بلکہ سچ یہ ہے کہ سرسید اور ان کے کاموں کی کسی صوبے نے عام طور پر ایسی قدر نہیں کی جیسی پنجاب والوں نے کی ۔ کالج میں انھوں نے ہر ایک صوبے سے زیادہ لڑکے تعلیم کے لیے بھیجے ، ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ انھوں نے سب سے زیادہ دلچسپی ظاہر کی ، سرسید کی ہر قسم کی اصلاحیں انھوں نے سب سے زیادہ قبول کیں اور قوم کی بھلائی کے کاموں میں سب سے بڑھ کر انھوں نے سرسید کی تقلید اختیار کی ، یہاں تک کہ ان کو ''زندہ دلانِ پنجاب'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ۔ انھوں نے ہندوستان کے اور حصّوں کی طرح سرسید کو مسلمانوں کی صرف دنیوی ترقی کا خواستگار مگر دین کا مُخرّب نہیں ٹھہرایا ، بلکہ اُن کو دنیا اور دین دونوں کا سچّا خیرخواہ اور خیر اندیش سمجھا ۔ حق یہ ہے کہ قومی خدمات کی داد جو قوم کی طرف سے سرسید کو ملنی چاہیے تھی ، اُس کا حق پنجاب کے مسلمانوں کے برابر کسی صوبے سے ادا نہیں ہو سکا ۔ اور جو تقویت برٹش گورنمنٹ کی امداد اور حضور نظام کی فیّاضی اور بعض دیگر ریاستوں کے عطیّوں سے ہوئی ، پنجاب کے عام مسلمانوں نے اُس سے کچھ کم تقویت سرسید کو نہیں پہنچائی ۔

مولانا حالی ایک ہمدرد مبصّر تھے ۔ انھوں نے سید احمد

خاں سے پنجاب کے مسلمانوں کی محبّت و عقیدت کی جو توجیہ کی ہے وہ آسی ہمدردانہ انداز نظر سے عبارت ہے جو آن سے بالعموم منسوب کیا جاتا ہے ۔ علّامۂ اقبال کی رائے پنجاب کے مسلمانوں کے متعلق ذرا کم ہمدردانہ ہے ۔ تاہم ''ضرب کلیم'' میں ''پنجابی مسلمان'' کے عنوان سے جو تین شعر آنھوں نے لکھے ہیں وہ اِس ضمن میں ضرور دیکھنے چاہییں :

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد !
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد !
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے آترتا ہے بہت جلد !

ان اشعار کا سیاق و سباق ہمارے موضوعِ کلام سے کچھ مختلف ہے ، لیکن جس حد تک سرسید کی تحریک کو قبول کرنے کی صلاحیت اور قدامت پسندی سے گریز کا تعلق ہے ، آس کا اشارہ پہلے شعر میں صراحت سے موجود ہے ۔ پنجابی مسلمان کی اسی خصلت کا ذکر علّامۂ اقبال نے مولوی عبدالحق صاحب کے نام اپنے خط[1] مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ع میں بہ انداز تائید واثبات کیا ہے :

یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے ۔ سادہ دل صحرائیوں کی طرح ان میں ہر قسم کی باتیں سننے اور آن سے متاثّر ہو کر آن پر عمل کرنے کی

۱- اقبال نامہ ، جلد دوم (لاہور ، ۱۹۵۱ع) ، ص ۸۰ ۔

صلاحیت اور مقامات (کے لوگوں) سے بڑھ کر ہے۔

''ضرب کلیم'' سے چند اشعار اوپر نقل ہو چکے ہیں۔ اسی بحث میں ''ضرب کلیم'' کی ایک معروف غزل کا مطلع بھی حوالے کا مستحق معلوم ہوتا ہے:

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرض کہن کا چارہ

ہمارے قائد اوّل نے فرمایا تھا کہ پنجاب کا دل زندہ ہے، اور اسی مضمون پر اقبال کا ارشاد ہے:

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالم نو کی تصویر

سید احمد خاں خود اسی قسم کے زندہ دل انسان تھے جو تقدیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھتے ہیں۔ اُن کا پہلا سفر پنجاب ہماری قومی زندگی کے دور دراز سفر کا اوّلیں سنگ میل ثابت ہوا۔

''سفرنامۂ پنجاب'' کا زیر نظر ایڈیشن پہلے طبع شدہ نسخے کے مطابق مرتّب کیا گیا ہے جو علی گڑھ انسٹیٹوٹ پریس سے ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔

حمید احمد خاں

لاہور
۲- ستمبر ۱۹۷۳ء

سید احمد خاں

کا

سفرنامۂ پنجاب

مؤلفہ

مولوی سید اقبال علی صاحب

قایم مقام

سب جج بارہ بنکی ، اودھ

---*---

سنہ ۱۸۸۴ع

علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس میں باہتمام لالہ گلاب رائے چھپا اور مشتہر ہؤا

سنہ ۱۳۰۱ ہجری

بسم الله الرحمن الرحیم

دیباچه

نوشتهٔ مولوی شبلی صاحب نعمانی

جمعے دانش وران و خرد پژوهان یورپ از باستان زمان به ترتیب و تدوین دفاتر سیر و تواریخ مشغول و مشغوف بوده اند ـ و بالخصوص در تسوید سفرنامها که از جنس تاریخ گزیده نوعے ست و کار آگهی و عبرت اندوزی را گران بها سرمایه هنروران آن بلاد چه زحمت ها که نه برداشته و چه مایهٔ کوشش ها که بروئے کار نیاورده ـ

و چون نوبت داوری بعرب رسید و زمانه عنان فرمان دهی بدست اسلامیان سپرد ، ایشان هم سررشتهٔ این کار از دست نگزاشتند و در اطراف و اکناف عالم فرا رسیده سفرنامها طراز بستند و نامه را به دُر و گوهر انباشتند که بسیارے را ازان در حال به بلاد یورپ به طبع در داده اند ـ

آرے آنچه بشگفت آورد و حیرت افزاید آنست که در ممالک

هند ازیں گراں مایہ متاع اثر نتوان یافت ـ اگر کسے ازیں میاں از سیر و سیاحت بہرہ ہم گرفتہ باشد ہیچ از حالاتِ خویش بنامہ و خامہ نہ سپرد تا دیگراں را مایۂ دانش و آگہی تواند بود ـ

ایں سفرنامۂ احمدی کہ مولوی سید اقبال علی صاحب بہ تسویدِ او ہمت گماشتہ ، شک نہ تواں کرد کہ در نوردِ ایں سفر آنچہ از حالات و واقعات پیش آمدہ است ، مردِ ہوش مند بہیں نتیجہا ازو تواند گرفت و کسے را کہ دردِ اسلام داشتہ باشد برنصرت و یاوریِ اسلامیاں تواند انگیخت ـ

اگر ایں نامہ چنانکہ ہوس کردہ ام در قوم جنبشے پدید آورد و ایشاں را خونِ حمیت بجوش آمد و بر زبونیِ حالتِ خویش بے بردہ در رفعِ مذلّت کوشیدند و در اکتسابِ ہر گونہ فضل و مزیّت دامنِ سعی بر میاں زدند ، دانستم کہ شگرف کاری از دستِ شاں کشاد و نالہ بجائے رسید ورنہ بہ یقین باید شناخت کہ چند روزے دیگر اسلام را بہ ایں روز سیاہ نشستن است و بہی خواہانِ قوم را زمانے ہم چناں دل بہ امیدِ موہوم بستن ـ

تمہید

سید احمد خاں بہادر سی - ایس - آئی کا سفر پنجاب ایک ایسا دلچسپ سفر ہے جس کے حالات سننے کا ہر ایک شخص مشتاق ہے - درحقیقت اس سفر میں جو واقعات پیش آئے ، وہ اس زمانے کے دیگر عجائبات سے کچھ کم عجیب نہ تھے - ہم کو اور اور بہت سے لوگوں کو خیال تھا کہ اس زمانے میں اہل ہند کا اور خصوصاً مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ قومی ہمدردی اور قومی بھلائی کا کسی کو خیال نہیں ہے - قومی بھلائی پر کوشش کرنے والوں کی قدر کسی کے دل میں نہیں ہے ، بلکہ آن کو اس زمانے میں آن کی کوششوں کا صلہ آنھی لوگوں کی طرف سے ، جن کی بھلائی کے لیے وہ کوشش کرتے ہیں ، بجز لعنت و نفرین کے اور کچھ نہیں ہے - بلاشبہ مبارک ہیں وہ لوگ کہ جن کی بھلائی کے لیے وہ کوشش کریں اور آنھی سے لعنت و نفرین کا صلہ پاویں اور اس پر بھی دل و جان سے آن کی بھلائی پر کوشش کرتے رہیں -

یہ سچ ہے کہ کوئی محب قوم اور کوئی رفارمر کسی زمانے میں ایسا نہیں گزرا کہ جس کے ساتھ آس زمانے کے لوگوں نے بدسلوکی نہ کی ہو اور آس کو لعنت و ملامت کا نشانا نہ بنایا ہو ، مگر آسی زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو آن کی

نہایت قدر کرتے تھے اور آن کی کوششوں میں شریک بھی ہوتے تھے ۔ ہم کو خیال تھا کہ یہ زمانہ صرف پہلی قسم کے لوگوں سے بھرا ہؤا اور دوسری قسم کے لوگوں سے خالی ہے ، مگر سید احمد خاں کے سفرِ پنجاب نے اس خیال کو بالکل مٹا دیا ۔ گو شمال مغربی اضلاع یا صوبہ اودھ میں جیسے کہ چاہیے آن کی کچھ قدر نہ ہو مگر پنجاب کے لوگوں نے ثابت کر دیا کہ وہ قومی بھلائی میں کوشش کرنے والے ، قومی ہمدردی کرنے والے ، قوم کی ترقی چاہنے والے ، اپنے زمانے کے رفارمر کی کیسی قدر کرتے ہیں ۔ میں اس سفر میں سید احمد خاں صاحب کے ہمراہ تھا ۔ جو عزت و قدر و منزلت و تعظیم و[1] تواضع دلی خوش سے پنجاب کے لوگوں نے آن کی کی میں نے تو آج تک نہ کسی کی دیکھی اور نہ کسی کی سنی ۔ سید احمد خاں صاحب ایک ضعیف آدمی ، پنشن پانے والے ، گوشہ نشین ہیں ۔ نہ وہ امیر ہیں ، نہ کسی ملک کے حاکم ، نہ صاحبِ مال و دولت ۔ مثل آن کے اور بہت پنشن یافتہ ہیں ، آن سے بہت زیادہ متموّل ، آن سے بہت زیادہ ذی علم ، آن سے بہت زیادہ پرہیزگار ۔ ہاں ، ایک جوش قومی ہمدردی کا ، جو سید احمد صاحب کے دل میں ہے ، وہ کسی میں نہیں ۔ اس سے ثابت ہے کہ پنجاب کے لوگوں نے جو کچھ آن کی قدر کی ، صرف آسی جوہرِ بےبہا یعنی قومی ہمدرد کے سبب سے کی ۔ اور حقیقت میں اس قدردانی سے پنجاب ی کےلوگوں نے دنیا کی آنکھ میں اور غیر قوموں کی نگاہ میں اپنی قدر و منزلت کو

۱- نسخہ مطبوعہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس ۱۸۸۴ع میں واؤ نہیں ہے ، اضافۂ مرتّب ۔

قایم کیا اور ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی قوموں میں ان کے آباء و اجداد کے خون کا جوش اب بھی موجود ہے ۔ وہ اپنے محب قوم کی ایسی ہی قدر و منزلت کرتے ہیں جیسے کہ ان کے آباء و اجداد کرتے تھے ۔ شریف اور اعلیٰ خاندان کے ہندو و مسلمان ہندوستان کے اب بھی ویسے ہی شریف ہیں جیسے کہ ان کے آباء و اجداد تھے ۔ ان کے خون میں حب الوطنی ، قومی ہمدردی کی رمق اب بھی باقی ہے ۔ وہ مسکتے ہیں مگر مر نہیں گئے ۔ اور یہ سب وہ آثار ہیں جن سے ملک کی ، قوم کی ترقی سے نا امیدی نہیں ہے ۔

اس سفر میں سید احمد خاں صاحب کا گزر لدھیانہ ، جالندھر ، امرت سر ، گورداسپور ، لاہور اور آخر کو جناب وزیرالدولہ ، مدبّرالملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر اور جناب مشیرالدولہ ، ممتازالملک ، خلیفہ سید محمد حسین خان بہادر کی ملاقات خاص کے لیے پٹیالہ میں ہؤا ۔ اور چند گھنٹے مراجعت کے وقت مظفر نگر میں قیام کیا ۔ ہر مقام پر نہایت قدر و منزلت اور شان و شوکت سے آن کا استقبال ہؤا ۔ بہت سی اڈریسیں پیش ہوئیں اور سوائے پٹیالہ کے ہر ایک مقام میں آنھوں نے لیکچر اور اڈریسوں کے جواب دیے ۔ اگرچہ وہ سب لیکچر اور اڈریسوں کے جواب زبانی تھے مگر میں نے التزام کیا تھا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ، میں لفظ بلفظ ان کے ملفوظات کو قلم بند کرتا جاؤں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے آس کام کو پورا کیا ہے اور وہ ذخیرہ ان کی تمام تقریروں کا اور تمام یادداشتیں آس سفر کے واقعات کی میرے پاس موجود ہیں ، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ ان سب کو اس رسالے میں جمع کر دوں اور جو لوگ

اُن جلسوں میں موجود نہ تھے، اُن تک بھی اُن جلسوں کی کیفیت
بذریعہ اس رسالے کے پہنچاؤں ۔ واللہ المستعان ۔

حالات مقام لودھیانہ

۲۲- جنوری سنہ ۱۸۸۳ع کو سید احمد خاں صاحب مع اپنی پارٹی کے علی گڑھ سے روانہ ہوئے۔ جناب مولوی حاجی محمد اسماعیل خاں صاحب رئیسِ اعظم دتاولی ضلع علی گڑھ اور سید محمد علی صاحب اور مؤلفِ رسالہ بندہ اقبال علی آن کے ہمسفر تھے۔ رستے میں جناب محمد اکرام اللہ خاں صاحب رئیس دہلی بھی آن کے شریک ہوگئے۔ جس وقت سید صاحب کھنہ کے اسٹیشن پر پہنچے جہاں سے ضلع لودھیانہ کی سرحد شروع ہوتی ہے اور لودھیانہ ۲۰میل رہتا ہے، وہاں مولوی عبداللہ صاحب، منشی عبداللطیف صاحب، منشی نظام الدین صاحب وغیرہ عایدِ لودھیانہ سے، جو بتقریبِ استقبال از طرف انجمنِ اسلامیہ رفاہِ عام لودھیانہ تشریف لائے تھے، ملاقات ہوئی۔ سانیوال کے اسٹیشن پر حاجی چودھری بتّا صاحب نے اور چند دیگر اراکین نے استقبال کیا۔ ۲۳ تاریخ کو سید صاحب لودھیانہ میں پہنچے۔ اسٹیشن پر آس وقت عجب لطف تھا جب کہ ریل وہاں پہنچنے والی تھی۔ باشندوں کا ایک جمِ غفیر جمع تھا اور جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو آس وقت بشاشت اور اشتیاق، جو لوگوں کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا، ایسا عجیب اور لطف انگیز تھا کہ بغیر دیکھے خیال میں نہیں آ سکتا۔ پلیٹ فارم پر جناب خان بہادر منشی قادر بخش خاں صاحب اکسٹرا

اسسٹنٹ کمشنر ، جناب منشی حکیم الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر منشی چتر سنگھ صاحب تحصیلدار ، مرزا فتح محمد بیگ صاحب آنریری سیکرٹری انجمن قصور ، جناب سردار رجھپال سنگھ صاحب منصف ، منشی محمد بخش صاحب ، مولوی شریف الحسن صاحب رئیس جگرانواں ، خلف جناب مولوی رجب علی خاں بہادر مرحوم ، مولوی محمد حسن صاحب ، لالہ درگادت صاحب ، میر گل محمد صاحب ، خواجہ خلیل شاہ صاحب ، مولوی حیدر علی صاحب ، حافظ مصباح الحق صاحب ، مولوی فرزند حسین صاحب ، آغا وجیہہ حسن صاحب ، مولوی غلام محمد صاحب ، مولوی سعداللہ صاحب ، حکیم ناصر خاں صاحب ، مولوی سیف الرحمان صاحب ، چودھری غلام احمد صاحب ، اللہ دیا صاحب واعظ ، ریورنڈ لوئیس صاحب ، رائے ماموں خاں صاحب رئیس رائے کوٹ ، رائے قطب خاں صاحب ، پیر جی جمعیت علی صاحب ، مولوی احمد خاں صاحب اور دیگر عاید لودھیانہ نے استقبال کیا ۔ جس وقت سید صاحب نے ریل گاڑی سے اُتر کر پلیٹ فارم پر قدم رکھا ، جناب منشی قادر بخش خاں صاحب نے سب سے اول سید صاحب پر دونوں ہاتھوں سے پھولوں کو نچھاور کیا ۔ اور بہت سے لوگ خوبصورت گل دستے لیے کھڑے تھے ۔ جو قریب آ سکا اُس نے گل دستہ نذر کیا ، جو نہ آ سکا اس نے دور سے ہی پھینک دیا ۔ اس قدر ہجوم لوگوں کا ہو گیا کہ سید صاحب گھبرا گئے ۔ اُن کو اندیشہ ہوا کہ کوئی پلیٹ فارم کے نیچے نہ گر پڑے اس لیے آپ ہجوم سے علیحدہ ہو کر وہ پلیٹ فارم سے باہر میدان میں آ کھڑے ہوئے ۔ سارا ہجوم اُن کے گرد جمع ہو گیا اور پھولوں کے گل دستے ، جو باقی رہ

گئے تھے ، لوگوں نے دیے ۔ سید صاحب نے حتی‌المقدور ہر ایک شخص سے مصافحہ کیا اور نہایت اخلاق و فروتنی سے اُن کی عنایت و مہربانی کا شکر ادا کرتے گئے ۔ مولوی فتح محمد بیگ صاحب نے نہایت عمدگی سے گاڑیوں کا انتظام کیا تھا ، تو بھی کثرت ہجوم سے لوگوں کو گاڑیوں پر سوار ہونا مشکل تھا ۔ جو گاڑی سید صاحب کی سواری کے لیے تھی وہ اُس پر سوار ہوئے اور بقیہ گل دستے ، جو لوگوں کے پاس رہ گئے تھے ، وہ اُنھوں نے گاڑی پر نثار کیے ۔ اُس وقت یہ شعر بالکل حسبِ حال تھا :

ترا بسیر و تماشاے باغ حاجت نیست
کہ گل بشوقِ نثارت پریدہ می آید

تخمینہ کیا گیا ہے کہ آٹھ سو آدمیوں سے زاید پلیٹ فارم اور اسٹیشن کے میدان میں سید صاحب کے استقبال کو موجود تھے ۔

سید صاحب نے نواب علی محمد خاں بہادر جھجر والے ، رئیس اعظم لودھیانہ کی عالی شان کوٹھی میں ، جو یورپین اور ایشیائی تکلفات سے آراستہ تھی ، قیام فرمایا ۔ جناب نواب صاحب ممدوح نے نہایت مہربانی اور عنایت سے مراسمِ مہماں نوازی ادا کیے اور نواب محمد فیاض خاں صاحب ، جنابِ ممدوح کے فرزند سے ، جو نہایت دین دار و پرہیزگار صاحبِ ورد و وظایف ہیں ، ملاقات ہوئی ۔ تمام حاضرین نے اطعمۂ لذیذہ ، جو نہایت تکلف اور خوبی سے تیار کیے گئے تھے ، تناول کیے اور جناب نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا ۔

جناب نواب صاحب ایک نہایت مشہور و معروف خاندان

سابق نواب جھجر کے رکن اعظم اور نہایت با اخلاق و متین اور ذی فہم و فراست ہیں ۔ اخبار دیکھنے کا بھی شوق ہے اور صاحب معلومات مفیدہ ہیں اور شان ریاست آن کے ہر ایک اوضاع سے پائی جاتی ہے ۔

کھانے کی میز پر جناب منشی حکیم الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لودھیانہ بھی، جو نواح میرٹھ کے متوطن ہیں، تشریف رکھتے تھے ۔ اگرچہ منشی صاحب موصوف ان تمام موقعوں میں شریک نہے مگر بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ سید صاحب کے خیالات سے مختلف ہیں ۔ کھانے کے بعد منشی صاحب و سید صاحب برابر کرسیوں پر آ بیٹھے اور مدرسۃ العلوم کا اور سید صاحب کی تصانیف کا اور ''تہذیب الاخلاق'' کا ذکر ہوتا رہا ۔ میں آن سے دور تھا اور تمام گفتگو میں نے نہیں سنی ۔ اخیر گفتگو غالباً یہ تھی کہ سید صاحب نے کہا کہ جو شبہات علوم جدیدہ اور انگریزی علوم کی ترویج کے سبب پیدا ہوتے ہیں اور جو مذہب اسلام کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں آن کا حل کرنا اور آن کو بیان کرنا ضرور ہے ۔ منشی صاحب نے کہا کہ جب اس قسم کے شبہات لوگوں کو ہوں اُس وقت ضرورت آن کی نسبت لکھنے کی ہو سکتی ہے ، مگر وہ شبہات خود آپ پیدا کرتے ہیں ۔ سید صاحب نے کہا : ''معاف فرمائیے وہ شبہات میں پیدا نہیں کرتا بلکہ ہزاروں کے دلوں میں وہ شبہات موجود ہیں اور کوئی شخص انگریزی پڑھا ہؤا یا علوم جدیدہ کا جاننے والا یا ادھر آدھر سے سننے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کے دل میں وہ شبہات نہ ہوں ۔''

تمام دن کثرت سے لوگ سید صاحب کی ملاقات کو آتے رہے ۔ نہایت لطف رہا اور ادھر آدھر کی اور کبھی علوم جدیدہ کے

مسائل کی ، جو بظاہر مخالفِ اسلام معلوم ہوتے ہیں اور کبھی تفسیر و 'تہذیب الاخلاق' کی اور کبھی اُن شبہات کے حل کی ، جو اسلام کی نسبت لوگوں کے دلوں میں تھے یا سنے تھے ، باتیں ہوتی رہیں ۔ اُسی مجمع میں سید صاحب نے ایک دو نوجوان لڑکوں کو دیکھا جو لال ٹوپی اور پوری ٹرکش ڈریس پہنے ہوئے تھے۔ سید صاحب اُن کو بار بار دیکھتے تھے اور متعجب ہوتے تھے کہ یہ دونوں نوجوان صاحب کون ہیں ؟ جب سید صاحب کمرے میں سے باہر نکلے تو ان دونوں لڑکوں سے ملے اور بات چیت کی ۔ معلوم ہوا کہ وہ دونوں لودھیانہ مشن اسکول میں انگریزی پڑھتے ہیں ۔ سید صاحب نے ان سے مشن اسکول کی پڑھائی کا اور انجیل کی تعلیم کا اور اسکول میں عیسائی مذہب کے موافق تمام لڑکوں کو جمع کر کے مقدس پریر کا حال پوچھا مگر جب سید صاحب کو معلوم ہؤا کہ ان نوجوانوں میں سے ایک یعنی معین الدین صاحب منشی حکیم الدین صاحب کے فرزند ہیں جن کے خیالات ہم لوگوں کی طرز سے مختلف ہیں ، تو سید صاحب کو کمال تعجب ہوا ۔

کھانے کے بعد چودھری قادر بخش اور شیخ گُجا کشمیری صاحبان نے ، جو لودھیانہ میں رہتے ہیں ، نہایت دلی خلوص سے چاء کی دعوت کی اور بہت عمدہ کشمیری چاء اپنے گھر سے بنا کر لائے اور سید صاحب اور تمام حاضرین کو نہایت محبت سے پلائی ۔ حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب ان کشمیری صاحبان کی ، اس تواضع کو ، جو نہایت دلی خلوص سے اُنھوں نے کی ، نہایت پسند کرتے تھے ۔ مجھ کو تو اُن میں سے ایک صاحب کا دوسرے صاحب سے نہایت خوشی اور دلی جوش سے یہ کہنا کہ ''لاؤ لاؤ حضرت نے چائے پینا منظور کر لیا ، اور مانگتے ہیں،'' نہایت ہی پیارا معلوم ہؤا ۔

سید صاحب نے اُن کشمیری صاحبان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا ۔

سہ پہر کے وقت خان بہادر منشی قادر بخش خاں صاحب ، سید صاحب کو اور ہم سب کو شہر دکھانے لے گئے ۔ لدھیانہ بہت بڑا شہر اور غلے کی بہت بڑی تجارت گاہ ہے اور انگریزی کپڑوں کی نقلیں بھی وہاں خوب بنتی ہیں ۔ عیسائیوں کی بھی وہاں آبادی کثرت سے ہے اور بہت بڑا محلہ اُن سے آباد ہے ۔ اُن کے عبادت خانے ، اُن کے اسکول ، اُن کے زنانے بورڈنگ ہاؤس اور اُن کے مکانات دیکھ کر اس قدر ضرور معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ آبادی ہماری ملکی آبادی کا حصہ نہیں ہے ۔ اُن کی صفائی اور ستھرا پن ، مکانات کی آراستگی سے ایک قسم کی شائستگی معلوم ہوتی تھی ۔ جب وہاں سے پھر کر آئے تو نواب علی محمد خاں صاحب نے سید صاحب کو اپنے باغ کی سیر دکھائی جو کوٹھی کے احاطے میں واقع ہے اور خوب صورتی سے بنایا گیا ہے ۔ اُس کے پاس ایک احاطہ ہے جس میں نواب صاحب نے مسجد بنائی ہے اور کچھ انتظام چند طالب علموں کے رہنے اور عربی زبان اور دینیات کے علوم پڑھنے کا کیا ہے ۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیرا ۔

شام کو ٹون ہال میں لیکچر دینا قرار پایا تھا ۔ وقت معیّن پر ٹون ہال میں نہایت کثرت سے لوگ جمع ہوگئے ۔ اگرچہ ٹون ہال کا ہال وسیع ہے مگر لوگ اس قدر کثرت سے آئے کہ اُس میں سما نہ سکے ۔ دروازوں میں اور برآمدوں میں بھی لوگ بھر گئے ، وہ بھی کافی نہ ہوئے ۔ سنا ہے کہ بہت سے لوگوں کو برآمدوں میں بھی جگہ نہ ملی اور لاچار اُن کو واپس جانا پڑا ۔ جس ارمان بھرے دل سے آئے تھے ، حسرت بھرے دل سے واپس گئے ۔

اس مجلس کے صدر انجمن جناب نواب علی محمد خاں صاحب تھے۔ آنھوں نے ایک مختصر و برجستہ تقریر میں سید صاحب کی تشریف آوری کا شکریہ کیا اور ''قومی تعلیم اور قومی ہمدردی اور باہمی اتفاق'' پر لکچر دینے کی درخواست کی ۔

اس کے بعد سید صاحب کھڑے ہوئے اور ایک نہایت پُرمغز اور فصیح لیکچر دیا ہے ۔ جو الفاظ آس بے اختیاری کی حالت میں سید صاحب کی زبان سے نکلتے تھے ، مرزا دبیر اور انیس مرحوم کے مرثیوں کا کام دیتے تھے ۔ سامعین بے خود سے ہوگئے تھے اور قریباً سب کی چشم تر تھی اور بعضے ضبط نہ کر سکے اور بے اختیار چیخیں نکل گئیں ۔

اس لیکچر کا کچھ حصہ سید صاحب نے لکھ لیا ۔ تھا آن کا ارادہ تھا کہ پنجاب میں سب لیکچر تحریری ہوں تاکہ لوگوں کو اور خصوصاً آن لوگوں کو جو آن کی مخالفت کرتے ہیں اور سید صاحب کی تحریر و تقریر کو غلط طور پر بیان کرتے ہیں (جیسا کہ ایک دفعہ پٹنہ کے لیکچر میں ہؤا تھا) ایسا کرنے کا موقع نہ رہے ۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکے ۔ یہ لیکچر بھی پورا تحریر نہیں ہو سکا اور پنجاب میں تمام لیکچر زبانی ہوئے ۔ جو حصہ اس لیکچر کا تحریری نہ تھا ، بر وقت لیکچر کے میں آس کو لکھتا گیا تھا اور بعد کو سید صاحب کو دکھلا لیا ہے ۔ اور کسی قدر آنھوں نے اس کے مضمون کو ، جہاں الٹ پلٹ ہوگیا تھا ، درست کر دیا ہے اور باقی لیکچر بھی اسی طرح آن کے ملاحظے کے بعد چھاپہ ہوں گے ۔ با ایں ہمہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو الفاظ کی خوبی اور الفاظ کی بندش کی عمدگی ، جس طرح پر کہ لیکچر دیتے وقت سید صاحب کی زبان سے نکلتی تھی ، شاید وہ مجھ سے محفوظ نہ

رہی ہو ۔ شارٹ ہینڈ لکھنے کا طریقہ اب تک اُردو کی تحریر کے لیے نہیں نکلا ہے ، اس لیے اُمید ہے کہ جو کچھ لغزش میری تحریر میں ہوگی ، اُس کو سید صاحب اور نیز اس رسالے کے پڑھنے والے معاف فرماویں گے ۔ بہرحال جو لیکچر کہ لودھیانہ میں دیا گیا ، وہ یہ ہے ۔

لیکچر مقام لودھیانہ میں

''جناب صدر انجمن اور دیگر احباب !

آپ صاحبوں نے جو مسافر نوازی کی اور مجھ سے ایک ناچیز شخص سے ملنے کے لیے تکلیف فرمائی میں اُس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اپنی قوم کے اس قدر بزرگوں کو اپنے اردگرد دیکھنے سے میرے دل میں ایک قومی مجمع کی خوشی اور قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوتا ہے ۔ ایک مشہور مقدس مقولہ ہے کہ ''یداللہ فوق الجماعۃ'' یہ مقولہ میرے دل کو تسلی دیتا ہے کہ خدا ہماری قوم کو ، جس کا آفتاب اقبال اُفق زوال کے قریب پہنچ گیا ہے ، بلکہ اُس میں غروب ہو گیا ہے اور کچھ کچھ شعاعیں اُس کی دکھائی دیتی ہیں ، برکت دے گا اور از سرنو ہماری قوم کو سرسبز و شاداب کرے گا ۔ او خدا تو ایسا ہی کر ۔ آمین !

اے دوستو ! مگر قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے ۔ زمانۂ دراز سے ، جس کی ابتدا تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے ، قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کے باشندہ ہونے سے ہوتا تھا ۔ محمد رسول اللہ صلعم نے (بابی انت و اُمی یا رسول اللہ) اس تفرقۂ

قومی کو، جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا ، مٹا دیا اور ایک روحانی رشتہ قومی قائم کیا جو ایک حبل المتین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے مضبوط ہے ۔ تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے، سب کے سب اس روحانی رشتے کے سامنے نیست و نابود ہوگئے اور ایک نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہوگیا ۔ اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک ؟ وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا؟ وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا ؟ وہ پنجاب میں پیدا ہؤا ہے یا ہندوستان میں ؟ وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا ؟ بلکہ جس نے اس عروۃالوثقیٰ کلمۂ توحید کو مستحکم پکڑا ، وہ ایک قوم ہوگیا ، بلکہ ایک روحانی باپ کا بیٹا ۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے : ''انماالمومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقو اللہ لعلکم ترحمون''۔ کون شخص ہے جو دو بھائیوں کو ایک باپ کا بیٹا نہیں جانتا ۔ پھر جب کہ خود خدا نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی فرمایا ہے تو ہم سب کا ایک روحانی باپ کی اولاد ہونے میں کیا شک رہا ہے ۔

اے بھائیو ! مگر مجھے اس بات کے دیکھنے سے افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں مگر مثل برادران یوسف علیہ‌السلام کے ہیں ۔ آپس میں دوستی و محبت ، یک دلی و یک جہتی بہت ہی کم ہے ۔ حسد و بغض و عداوت کا ہر جگہ بد اثر پایا جاتا ہے ، جس کا نتیجہ آپس کی نا اتفاقی ہے ۔ شیطان ، جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ ''لاقعدن لہم صراطک المستقیم'' ایک مقدس اور بظاہر نہایت نورانی حیلے سے آپس میں بھائیوں کے ، جن کو خدا نے بھائی بنایا ہے ، نفاق ڈالنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہمارے باپ آدم آس کے دھوکے کو خالص دوستی سمجھ کر دھوکے میں

آ گئے اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکے میں آتے ہیں اور اس نفاق کو جو ہرحالت میں مردود ہے ، ایک مقدس لباس پہناتے ہیں ، یعنی مذہبی مقدس لباس کا خلعت اسے عنایت کرتے ہیں ۔

اے بھائیو ! کون شخص ہے کہ جو اس بات کو نہیں جانتا کہ ''من قال لا الہ الا اللہ فھو مسلم ۔ من استقبل قبلتنا فھو مسلم ۔ و من ھو مسلم فھو اخ ۔'' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب منصور ہے کہ ''لا نکفّر اھل القبلۃ''۔ با ایں ہمہ فروع مسائل میں اختلاف ہونے کے سبب کس طرح ہماری قوم نے اس حبل المتین کی بندش کو توڑا ہے اور اس رشتۂ اخوت کو جسے خدا نے قائم کیا تھا ، چھوڑا ہے ۔ جس قصبہ و شہر میں جاؤ ، جس مسجد و امام باڑے میں گزرو باہم مسلمانوں کے شیعہ و سنی ، وہابی و بدعتی ، لا مذہب و مقلّد ہونے کی بنا پر آپس میں نفاق و عداوت پاؤ گے ۔ ان نا اتفاقیوں نے ہماری قوم کو نہایت ضعیف اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ جمعیّت کی برکت ہماری قوم سے جاتی رہی ہے ۔ قومی ہمدردی اور قومی ترقی اور قومی امور کی انجام دہی میں اس نالائق نا اتفاق نے بہت کچھ بد اثر پہنچایا ہے ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے ۔ وہ تعداد میں کم ہیں ، دولت میں کم ہیں ، تجارت میں کم ہیں اور اس باہمی نفاق و عداوت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اصغر التصغیر کا صیغہ یعنی کم از کم ہو گئے ہیں ۔ پس ہماری قوم کی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی اور یک جہتی سے مبدّل کریں ۔

برادران من ! یکتائی اور یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقاید کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر

ہوجاویں - یہ امر تو قانون قدرت کے برخلاف ہے جو ہو نہیں سکتا - نہ پہلے کبھی ہؤا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا - مگر اس اتفاق کے قایم رکھنے کی ، جس کی ہم کو ضرورت ہے ، ایک اور عقلی و نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے - انسان جب اپنی ہستی پر نظر کرے گا تو اپنے میں دو حصے پاوے گا : ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ اپنے ابناے جنس کا - انسان کا دل اور آس کا اعتقاد یا مختصر طور سے یوں کہو کہ آس کا مذہب خدا کا حصہ ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں - آس کے عقائد کی جو کچھ بھلائی یا برائی ہو آس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے - نہ بھائی آس میں شریک ہے ، نہ بیٹا ، نہ دوست ، نہ آشنا ، نہ قوم - پس ہم کو آس بات سے ، جس کا اثر ہر ایک کی ذات تک محدود ہے اور ہم سے کچھ تعلق نہیں ، کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہیے - ہم کو کسی شخص سے اس خیال پر کہ وہ شیعہ ہے یا سنی ، وہابی ہے یا بدعتی ، لا مذہب ہے یا مقلّد ، یا نیچری یا آس سے بھی کسی بدتر لقب کے ساتھ ملقب ہے ، جب کہ وہ خدا اور خدا کے رسول کو برحق جانتا ہے ، کسی قسم کی عداوت و مخالفت نہیں رکھنی چاہیے - بلکہ آس کو بھائی اور کلمہ کا شریک سمجھنا اور آس اخوت کو ، جس کو خدا نے قایم کیا ہے ، قایم رکھنا چاہیے - نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود آسی تک محدود ہے اور ہم کو آس سے کچھ ضرر و نقصان نہیں - جو حصہ کہ انسان میں آس کے ابناے جنس کا ہے آس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیے اور وہ حصہ آپس کی محبت ، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی اعانت ، ایک دوسرے کی ہمدردی ہے جس کے مجموع کا نام قومی ہمدردی ہے - یہی ایک

طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہمدردی قایم ہو سکتی ہے، جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

مگر ہم کو یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں۔گو وہ ہمارے ساتھ اُس کلمے میں، جس نے ہم مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنایا ہے، شریک نہیں ہیں مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ اسی زمین پر، ہندوستان کی ہو یا پنجاب کی، دکن کی ہو یا ہمالیہ کی، ہم دونوں رہتے ہیں۔اُسی ملک کی ہوا سے، اُسی ملک کے پانی سے، اُسی ملک کی پیداوار سے دونوں کی زندگی ہے۔ ہزاروں امور تمدن ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے اُن کو اور بغیر اُن کے ہم کو چارہ نہیں۔ ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے اور یہی ہمسایگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی اور ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ گئی ہے۔ اُن ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصے ہیں: ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ خدا کا حصہ خدا کے لیے چھوڑو اور جو حصہ اُن میں ابنائے جنس کا ہے اُس سے غرض رکھو۔ تمام امور انسانیت میں، جو تمدن و معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے مددگار ہو۔ آپس میں سچی محبت، سچی دوستی، دوستانہ بردباری رکھو کہ دونوں قوموں کو ترقی کرنے کا یہی رستہ ہے۔

اتفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت کچھ بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اتفاق سے بھی اُن کو بھول نہیں سکتا۔ بہت بڑے بڑے واقعات، جو دنیا میں گزرے ہیں اور جن کو

پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے ، وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے ۔ ایک ناچیز ریشۂ گیاہ ، جو تنہا نہایت کمزور ہوتا ہے ، باہمی اتفاق سے ایسا قوی و زبردست ہو جاتا ہے کہ بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہے یا نا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتفاق کی بدولت ہے ۔ بعض قابلِ ادب بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں ناپید ہے اسی طرح آپس کا اتفاق بھی ناممکن ہے ۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی طبایع اور اُن کے اغراض مختلف ہیں، اور جب کہ اغراض مختلف ہیں تو ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں ۔ کوئی قوم مہذب یا نامہذب ایسی نہیں پائی جاوے گی جس میں باہم حسد و نفاق ، عداوت اور باہمی حقارت نہ پائی جاتی ہو ۔ ہاں یہ بات سچ ہے ، مگر جس اتفاق پر ہم بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتفاق نہیں ہے بلکہ قومی اتفاق ہے ۔ آپس میں ہمارے بمقتضاے بشریت کیسا ہی نفاق ہو، جو خدا کے نزدیک ایک سخت گناہ ہے ، مگر وہ قومی اتحاد اور قومی اتفاق کا مانع نہیں ہے ۔ اس دعوے کو میں ایک تاریخی واقعے سے ثابت کروں گا ؛ جس زمانے میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ ابن ابی سفیان میں محاربات ہو رہے تھے اور رومِ کبیر کا شہنشاہ ہماری اس باہمی جنگ و جدال کو نہایت غور سے تک رہا تھا ، روم کے شہنشاہ نے اُس وقت کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں پر فوج کشی کا ارادہ کیا ۔ حضرت معاویہ نے باوجود اُس شکر رنجی کے ، جو حضرت علی مرتضیٰ سے تھی ، قیصرِ روم کو خط لکھا کہ اگر تو نے مسلمانوں کے ملک کے کسی حصے پر

فوج کشی کی تو یقین جاننا کہ علی مرتضیٰ کی طرف سے جو پہلا شخص فوج لے کر تیرے مقابلے کو آوے گا وہ میں ہوں گا ۔ یہ خط اب تک تاریخ کی کتابوں میں بجنسہ موجود ہے ۔ دیکھو باہمی نزاع نے قومی اتفاق میں کچھ خلل نہیں ڈالا تھا ۔ اسی زمانے کی تازہ نظیر پر خیال کرو کہ جن لوگوں نے البرٹ بل کی مخالفت کی ، وہ سب نہ آپس میں دوست تھے اور نہ سب کے اغراض متحد تھے بلکہ صرف قومی اتفاق تھا جس پر سب متفق تھے ۔ قومی بھلائی یا قومی برائی کا اثر تمام قوم کے لوگوں پر پہنچتا ہے اور اسی لیے جلبِ منفعت یا دفعِ مضرّت میں سب لوگ متفق ہوتے ہیں اور شخصی تنازعات کو اُس وقت کچھ اثر باقی نہیں رہتا ۔ اس زمانے میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزّل کا ہے وہ یہی ہے کہ اُس میں قومی اتفاق کا خیال نسیاً منسیا ہوگیا ہے ۔ کسی کو بجز اپنی ذاتی منفعت کے قومی بھلائی اور قومی منفعت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا ۔ اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اُس کو پہلے اپنی غرض مد نظر ہوتی ہے اور قومی بھلائی کے پردے سے اُس کی پردہ پوشی کرنی چاہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی ۔

بھائیو ! میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری قوم میں نیکی کا خیال نہیں ہے ۔ نہیں ، اُن میں بہت کچھ نیکی ہے اور بہت سے نیک کام اُن سے ہوتے ہیں ۔ کیسی کیسی عالی شان مسجدیں ، کیسے کیسے عالی شان امام باڑے ، کیسی کیسی نفیس خانقاہیں اُن کی نیکی کی یادگاریں موجود ہیں ۔ اب بھی ہر شہر و قصبے میں دیکھوگے کہ لوگ کس قدر خیرا و خیرات کرتے ہیں ، بھوکوں کو کھلاتے ہیں ، حج و زیارت میں روپیہ خرچ کرتے ہیں ، مسجدیں

بنواتے ہیں ۔ کوئی ایسا کام ، جس میں اُن کی دانست میں مذہبی نیکی ہو ، دل و جان سے اُس میں مصروف ہوتے ہیں ۔ مگر اے دوستو ! میں تمام لوگوں سے ، جو اس مجمع میں موجود ہیں ، نہایت ادب و عاجزی سے سوال کرتا ہوں کہ ہر ایک شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سچے دل سے سوچے کہ وہ یہ سب نیکی کے کام کس لیے کرتا ہے ؟ سب لوگ قبول کریں گے کہ اس نیت سے یہ کام کیے جاتے ہیں کہ قیامت میں اُن کو اُس کا بدلہ ملے گا اور روز حشر میں اُن کو ثواب حاصل ہوگا ۔ اگر یہ میرا خیال صحیح ہے تو اے بھائیو ! درحقیقت یہ سب کام خود غرضی اور ذاتی منفعت کے ہیں ، نہ ابنائے جنس کی بھلائی اور قومی ہمدردی کے ۔ جب تک کہ ہمارے دل میں یہ جوش نہ پیدا ہو کہ جو کام ہم کریں وہ قوم کے لیے کریں ، نہ اپنے ثواب آخرت کے لیے ، اُس وقت تک قومی ہمدردی کا جوش پیدا نہیں ہو سکتا ۔ اگر ابھی ایک مسجد بنانے یا قرآن مجید کی تلاوت کے لیے ایک مکتب قایم کیا جاوے تو ہر شخص کی خواہش ہوگی کہ بقدر اپنی استطاعت کے اُس میں اعانت کرے ۔ ایک غریب آدمی ، جس سے کچھ نہ ہو سکتا ہو ، وہ بھی کسی نہ کسی دن اُس مکتب کے کسی طالب علم کو دو روٹی اور دال کا پیالہ دینے پر ہمت کرے گا ۔ ایسا کرنے سے اُس کے دل کا اصلی خیال یہ ہے کہ اُس کو ثواب ہوگا ، جو عین خود غرضی اور ذاتی منفعت کا نشان ہے ۔ برخلاف اس کے اگر کوئی ایسا کام کیا جاوے جو قوم کے لیے نہایت ضروری ہو اور کیسی ہی کچھ قوم کو اُس کی ضرورت ہو اور اُس کے نہ ہونے سے کتنا ہی کچھ قوم کا نقصان ہوتا ہو اور کیسی ہی کچھ وہ ذلیل ہوتی جاتی ہو ، مگر لوگوں کے خیال میں

اُس سے ثوابِ آخرت کی کچھ توقع نہ ہو ، تو بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اُن کی طرف متوجہ ہوں ۔ برادرانِ من ! اس تقریر سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اُن ثواب کے کاموں کو برا جانتا ہوں یا اُن کی کچھ حقارت کرتا ہوں ، بلکہ میرا مقصد اس تقریر سے اور ان مثالوں سے یہ ہے کہ میں اصلی قومی ہمدردی کو آپ صاحبوں کے ذہن نشین کرنے میں کوشش کروں اورقومی ہمدردی کے کاموں میں دوسرے کاموں سے جو امتیاز ہے اُس کو تمثیلوں سے بتلاؤں ۔

برادرانِ من ! کوئی قوم اور کوئی ملک اس سے خالی نہیں ہے جو اپنے ذاتی ثواب حاصل کرنے کی نیت سے متعدد قسم کے کاموں میں نہایت سرگرمی سے کوشش نہ کرتا ہو اور بے انتہا روپیہ اس میں نہ صرف کرتا ہو ۔ بلکہ اس زمانے میں جو ملک مہذّب و تربیت یافتہ کہلاتے ہیں ، وہ ان کاموں میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۔ مگر اُسی کے ساتھ وہ لوگ خالص قومی ہمدردی اور خالص قومی بھلائی کے کاموں میں بھی پیچھے نہیں رہے ہیں ۔ اگر وہ دائیں ہاتھ سے آخرت کے کاموں میں کوشش کرتے ہیں تو بائیں ہاتھ سے خالص قومی بھلائی کے کاموں میں بھی بلا خیالِ ثوابِ آخرت کوشش کرتے ہیں ۔ ہماری قوم میں یہی بات نہیں ہے ۔ اگر وہ بھی اپنا دایاں ہاتھ خدا کے کاموں میں اور بایاں ہاتھ خالص قومی ہمدردی کے کاموں میں لگاوے تو جو ادبار ہماری قوم پر ہے ، بہت جلد دور ہو جاوے ۔ او خدا ! ہماری قوم کے کے دونوں ہاتھوں میں قوت دے ۔ آمین !

اے دوستو ! اگرچہ میں نے اپنی پریشان تقریر سے آپ کا وقت ضایع کیا مگر مجھ کو اجازت دیجیے کہ قومی ترقی کی نسبت جو

میرے خیالات ہیں ، اُن کو بھی کسی قدر بیان کروں ۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم میں اب تک اپنے باپ دادا کا فخر باقی ہے ۔ اگلے بزرگوں کی عظمت کو یاد رکھنا قوم کی آیندہ ترقی کی یک گونہ بشارت ہے ۔ ایک مدت دراز سے ہماری قوم کی ترقی مثل ایک ایسی بند جھیل کے ہو گئی تھی جس کا نہ پانی بہتا ہو نہ اُس میں کچھ حرکت ہو اور نہ اُس میں کسی اور طرف سے پانی آتا ہو ، تند ہوا کے جھونکوں اور آفتاب کی گرمی سے اس کا پانی روز بروز خشک ہوتا جاتا ہو ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ چند سال سے اس بند پانی میں کچھ حرکت آئی ہے ۔ تمام ملک میں ، کیا بنگالہ کیا ہندوستان ، کیا پنجاب اور کیا دکن ، سب کی زبان پر ، سب کے قلم پر یہ بات جاری ہے کہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے ۔ وہ روز بروز تنزّل کرتے جاتے ہیں ۔ ان کو کچھ کرنا چاہیے ۔ وہ لوگ صرف کہنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کچھ کچھ کرتے بھی جاتے ہیں ۔ جابجا انجمنیں قایم ہوتی ہیں ، اخباروں میں آرٹیکل پر آرٹیکل لکھے جاتے ہیں ، مدرسے اور اسکول بناتے ہیں ۔ یہ نہایت عمدہ نشانیاں ہیں ۔ جس قوم کو یہ خیال ہؤا کہ ہم تنزّل کی حالت میں ہیں اور اس کے ساتھ اس میں کچھ تحریک بھی پیدا ہوئی تو یہ پہلی سیڑھی ترقی کی ہے ۔ ایسی حالت میں یہ امر بھی لازمی ہے کہ ترقی کرنے والوں کے خیالات مختلف ہوتے ہیں ۔ کوئی کچھ کرنے لگتا ہے ، کوئی کچھ ۔ اپنی قوتوں کو بغرض اس کے کہ ایک جگہ جمع کریں ، پریشان کر دیتے ہیں ۔ جو کام اصلی ہے اس کو چھوڑتے ہیں اور جو اس کی فرع ہے اس کو اختیار کرتے ہیں ، جس کے سبب سے کسی میں بھی کامیابی نہیں ہوتی ۔ اس زمانے میں یہی حال ہماری قوم کا ہے ۔

مگر پانی کا خاصہ ہے کہ جب وہ بہتا ہے تو چاروں طرف پھیلتا ہے ، پھر رفتہ رفتہ جو ٹھیک رستہ ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے ، اس لیے ہم کو اپنی قوم سے اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بھی ٹھیک رستہ قومی ترقی کا پا لے گی اور تمام مختلف خیالات ایک اصلی مرکز کی طرف جمع ہو جاویں گے -

اے بھائیو ! تعلیم کا اور خصوصاً قومی تعلیم کا معاملہ جیسا نازک ہے ویسا ہی مشکل بھی ہے - ہماری قوم نے نہ کبھی اس پر غور کی ہے اور نہ ان ملکوں کو ، جہاں قومی تعلیم کو ترقی ہے ، دیکھا ہے ، اور اگر دیکھا ہے تو اس کی ترقی کے اسباب پر بہت کم غور کی ہے - میرے بال اسی فکر میں سفید ہوگئے ہیں - قومی تعلیم پر غور کرتے کرتے پچیس برس سے زیادہ کا زمانہ گزر گیا ہے - یہ زمانہ اب نہیں رہا کہ ہم لوگوں کو مسجدوں اور خانقاہوں میں بٹھا کر اور ان کو خیرات کی روٹی دے کر یا چھوٹے موٹے اسکول و مکتب قایم کر کے قومی تعلیم کو ترقی دے لیں گے - یہ کام اس وقت مفید ہوتے ہیں جب کہ قوم نے اعلیٰ سے اعلیٰ سامان قومی تعلیم کا مہیّا کر لیا ہو - مگر ہم نے اس اعلیٰ تعلیم کا ، جو درحقیقت قومی ترقی اور قومی افتخار کا باعث ہے ، کچھ سامان نہیں کیا ، تو اس پانی کی پھوہار سے کھیتی سرسبز نہیں ہوتی - ہماری وہی مثل ہے کہ مرجھائے ہوئے درخت کی جڑ میں پانی دینے کے عوض اس کے پتّوں پر پانی چھڑکتے ہیں اور سوکھے ہوئے چشموں میں سے نہریں کھود کر پانی لانے کی توقع کرتے ہیں - مجھ کو اُمید ہے کہ ہماری قوم اس باریک مگر نہایت روشن نکتے پر کبھی نہ کبھی غور کرے گی - اور اس وقت میری ان باتوں کی ، جو اس وقت قابلِ مضحکہ یا شیخ چلی کے خیالات معلوم

ہوتے ہیں ، قدر کرے گی ۔ مگر مجھ کو یہ ڈر ہے کہ وقت جاتا نہ رہے اور ایسے وقت پر ہم کرنا چاہیں جب کچھ کرنے کے قابل نہ رہیں ۔ اے خدا ! ایسا وقت ہماری قوم پر نہ آنے دے ، اور اس سے پہلے کہ ہم کچھ کرنے کے قابل نہ رہیں ، ہم کو سنبھال لے ۔ آمین !

انھی تمام خیالات کا باعث ہے جو میں نے علی گڑھ میں ایک قومی مدرسہ قایم کرنے کی کوشش کی ہے ، اور میرے دوستوں نے ، جو درحقیقت بانی مدرسہ کے لقب پانے کے وہی مستحق ہیں ، اس میں مدد دی ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ علی گڑھ میرا وطن نہیں ہے ، نہ میری وہاں کوئی جاگیر ہے ، نہ زمینداری ، صرف قومی تعلیم کے لیے مناسب مقام خیال کر کے اس جگہ مدرسے کی بنیاد ڈالی ہے ۔ قومی بھلائی کے خیال پر اپنا وطن چھوڑ کر وہاں کی سکونت اختیار کی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ مدرسۃ العلوم ایسے طور پر قایم ہوا ہے جو ایسی تعلیم و تربیت کے لیے، جو اس زمانے میں قومی ترقی کے لیے درکار ہے ، مناسب و مفید ہے ۔ جب تک کہ کوئی خود جا کر اس کو نہ دیکھے ، طالب علموں کی طرز معاشرت ، ان کی پابندیِ صوم و صلواۃ کو ملاحظہ نہ کرے ، اس کے بورڈنگ ہوسوں کو اور ان میں طالب علموں کے رہنے کی کیفیت کو ، ان کی دینیات کی تعلیم کو اور ان کی دنیوی تعلیم کو بچشم خود نہ دیکھے ، اس کی حالت بخوبی بیان نہیں ہو سکتی ۔ میں نہایت خوش ہوں کہ اس مجمع میں بعض بزرگ ایسے موجود ہیں جنھوں نے بچشمِ خود ان سب باتوں کا معائنہ کیا ہے ۔ وہ مدرسہ ہماری قوم کے بچوں کے لیے ان کی تعلیم کا گھر ہے کہ تمام ہندوستان میں اس کے سوا دوسرا گھر نہیں ہے ۔ اس نے

بہت کچھ ترقی کی ہے جو اُمید سے بہت زیادہ ہے - بی - اے کلاس تک اس میں پڑھائی ہوتی ہے اور طالب علم کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں - اس قدر کثرت سے مسلمان طالب علم اس میں ہیں کہ میں بظنِ غالب بلکہ بطور یقین کے کہہ سکتا ہوں کہ اس قدر مسلمان کسی کالج و اسکول میں نہیں ہیں - حال میں وہ کالج انٹرنس ، ایف - اے کے امتحانوں کے لیے سنٹر ہو گیا ہے - بس قومی گھر یا قومی تعلیم ایسے درجے تک پہنچ گئی ہے کہ اگر قوم دلی کوشش اور بے نظیر فیاضی سے مدد کر کے اس کو تکمیل تک نہ پہنچاوے تو نہایت افسوس کا مقام ہوگا - اے دوستو ! میں نہایت صداقت سے تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ تدبیر قومی بھلائی کی قومی مدد سے پوری نہ ہوئی تو آیندہ کوئی تدبیر قومی ترقی کی کبھی کامیاب نہ ہوگی ، اور مجھ کو اور قوم کے تمام خیرخواہوں اور ترقی میں کوشش کرنے والوں کو یقین ہو جاوے گا کہ ہماری قوم کی جاں کندنی ایسی حالت پر پہنچ گئی ہے جس سے جاں بری ممکن نہیں ہے - او خدا! تو ایسا مت ہونے دے - آمین !

برادرانِ من ! ہماری گورنمنٹ نے اپنی مہربانی سے اپنی رعایا کی تعلیم میں بہت کچھ کیا ہے - تمام رعایاے ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کو شکر گزار ہونا واجب ہے - مگر میں تم سے سچی بات کہتا ہوں کہ قومی تعلیم اور قومی عزت ہم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہونے کی جب تک کہ ہم اپنی تعلیم کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لیں گے - گورنمنٹ کی قدرت سے خارج ہے کہ وہ ہمارے تمام مقاصد کی تکمیل کر سکے - قومی کاموں میں صرف گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنا اور اسی کے ہاتھ کو تکتے رہنا نہایت بزدلی اور بے عزتی کا کام ہے - ہمارا فرض ہونا

چاہیے کہ ہم اپنے قومی کام کو خود اپنی مستعدی سے انجام دیں اور گورنمنٹ سے صرف اس کی امداد کے متوقع رہیں ۔ اگر یہ ہوگا تو قوم اور گورنمنٹ دونوں اپنا اپنا فرض ادا کریں گی ۔

ہماری قوم کا جو حال ہے وہ غیر قوموں کی نظروں میں نہایت حقارت سے دیکھا جاتا ہے ۔ میں ایک واقعہ بیان کروں گا ۔ اگر مسلمانوں میں کچھ غیرت ہے تو اس کو سن کر مجز مر جانے کے اور کوئی علاج نہیں؛ کیمبرج یونیورسٹی لندن کے ایک کالج میں بہت سا روپیہ توفیر میں جمع ہو گیا تھا اور اس کے خرچ کرنے کو جگہ نہ تھی ۔ وہاں کے منتظموں نے تجویز کی کہ اس کالج میں جو گرجا ہے بہت عمدہ نہیں ہے ، اس کو توڑ کر عمدہ گرجا بنایا جاوے ، اور دس لاکھ روپیہ اس میں خرچ کرنا تجویز ہؤا ۔ اتفاقاً ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا ، اس نے کہا کہ ''اگر یہ روپیہ ہم کو مل جاتا تو ہماری قوم کے لیے ایک عمدہ کالج ، جس کی ضرورت ہے ، بن جاتا اور گرجے کی تعمیر سے بھی زیادہ مفید و ضروری کام میں کام آتا ۔'' یہ سن کر ایک شخص نے ، جو اس کالج سے تعلق رکھتا تھا ، جواب دیا کہ ''اگر تمھاری قوم ایسی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کا انتظام بھی نہیں کر سکتی تو اس کا جیتے رہنے سے مرجانا بہتر ہے ۔ وہ اس لایق نہیں ہے کہ اس کی کچھ بھی مدد کی جاوے ۔'' ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ قومی کام کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں کرتی ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لودھیانہ سے شہر میں ، جو ایک بڑا شہر ہے اور جہاں بہت سے مسلمان آباد ہیں ، مشنری اسکول بہت کثرت سے ہیں اور مسلمانوں کو یہ شرم نہیں آتی کہ مشنری تعلیم گاہوں میں وہ اپنے لڑکوں کو بھیجتے ہیں ۔ ان کو کچھ جوش پیدا نہیں

ہوتا ، ان کو کچھ غیرت نہیں آتی کہ وہ اپنے لڑکوں کا خود کچھ بندوبست کریں - وہ کتُّے کی طرح اپنے لڑکوں کو خیراتی روٹی پر چلاتے ہیں اور ایسے خیراتی اسکول میں اپنی اولاد کو تعلیم کے واسطے بھیجتے ہیں اور خود کوئی بندوبست اپنے بچوں کی تعلیم کا نہیں کرتے - مگر اے بھائیو ! اس بات کو سمجھو کہ خود تعلیم دینے کا خیال کر کے ایک چھوٹا مدرسہ قایم کرنا اور ایک ہندوستانی سو ڈیڑھ سو روپے ماہواری کا ہیڈماسٹر مقرر کرکے قومی تعلیم کا بندوبست کرنا بالکلّ ناممکن ہے - تعلیم اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تعلیم کا پورا سامان اور عمدہ عمدہ مدرس اور ایک عمدہ تعلیم گاہ موجود نہ ہو - اے بھائیو ! اپنے بچوں کی عمدہ تعلیم کا خیال کرو اور ان کی زندگی کو خراب مت کرو - اس مجمع میں امیر اور غریب سب لوگ جمع ہیں - خیال کرو کہ ان سب کے لڑکے کس قسم کی صحبت میں رہتے ہیں اور کن لوگوں کے ساتھ اپنی ابتدائی عمر کا زمانہ بسر کرتے ہیں — اور اسی سبب سے وہ کیسے خراب ہوتے ہیں - بہت سے لڑکے اپنے مربیّوں کے طریقے دیکھ دیکھ کر جو جو باتیں سیکھتے ہیں وہ ان کی تعلیم اور تربیت پر جو کچھ خراب اثر ڈالتی ہیں ، اِس کو آپ لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں - قومی تعلیم ایک بند مکان میں ہونی چاہیے جہاں پر کہیں سے بیرونی صحبت کا اثر نہ پہنچتا ہو - قوم کے لڑکے ایک محفوظ بورڈنگ ہـوس میں مل کر رہیں - آپس میں بورڈر ہونے ، ہم کالج ہونے کی وجہ سے آپس میں محبت رکھیں - آپ لوگ ہمارے مجڈن کالج کو دیکھیں کہ آپس میں طالب علم کیسا دوستانہ اور برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں ، ایک دوسرے کی بیماری میں کیسی مدد کرتے ہیں ، ایک دوسرے کے رنج و راحت میں کیسے شریک

ہوتے ہیں ۔ اسی ساتھ کی وجہ سے ان کے اخلاق باہمی درست ہوتے ہیں ۔ آپ اس بات کو خوب یاد رکھیے کہ قومی تعلیم کبھی علیحدہ علیحدہ نہیں ہو سکتی ۔ اپنے اپنے طور پر تعلیم کرنا بچوں کو سوائے غارت کرنے کے اور کچھ نتیجہ نہیں دیتا ۔ اے میری قوم کے لوگو ! اپنے عزیز اور پیارے بچوں کو غارت نہ کرو ۔ ان کی پرورش کرو ، ان کی آیندہ زندگی اچھی طرح بسر ہونے کا سامان کرو ۔ مجھ کو تم کچھ ہی کہو ، میری بات سنو یا نہ سنو ، مگر یاد رکھو کہ اگر تم ایک قومی تعلیم کے طور پر ان کو تعلیم نہ دوگے تو وہ آوارہ اور خراب ہوں گے ۔ تم ان کی ابتر حالت کو دیکھو گے اور بے چین ہوگے ، روؤگے اور کچھ نہ کر سکو گے ۔ تم اگر مر جاؤگے تو اپنی اولاد کی خراب زندگی دیکھ کر تمہاری روحیں قبروں میں تڑپیں گی اور تم سے کچھ نہ ہو سکے گا ۔ ابھی وقت ہے اور تم سب کچھ کر سکتے ہو ۔ مگر یاد رکھو کہ میں یہ پیشین گوئی کرتا ہوں کہ اگر اور چند روز تم اسی طرح غافل رہے تو ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ تم چاہو گے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو ، ان کی تربیت کرو ، مگر تم سے کچھ نہ ہو سکے گا ۔ (چیرز) مجھ کو کچھ کہو ، کافر ، ملحد ، نیچری ۔ میں تم سے خدا کے سامنے کچھ سفارش نہیں چاہتا ۔ میں تم سے اپنی شفاعت کے واسطے خواست گار نہ ہوں گا ۔ میں جو کچھ کہتا ہوں ، تمہارے بچوں کی بہتری کے لیے کہتا ہوں ۔ تم انھی پر رحم کرو اور ایسا کچھ کرو کہ آیندہ کو پچتانا نہ پڑے ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔،،
(بڑے زور سے چیرز) ۔

اس مجمع میں ایک بزرگ سن رسیدہ بھی موجود تھے جو

سید صاحب کو نہایت ہی برا کہا کرتے تھے - انھوں نے حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب سے کہا کہ میں نے سید صاحب کو بہت کچھ برا بھلا کہا ہے ، آپ میری خطا آن سے معاف کرا دیں - اسمعیل خاں صاحب نے آن کو ٹال دیا - مگر وہ اپنا جوش ضبط نہ کر سکے اور خود کھڑے ہو کر آگے بڑھے اور رو کر سید صاحب سے معافی چاہنے لگے - سید صاحب نے کھڑے ہو کر نہایت فروتنی سے ان سے مصافحہ کیا اور کہا کہ ''اوہ! یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے - میں آپ کی عنایت کا شکر کرتا ہوں - آپ تشریف رکھیے ، مجھے کچھ بھی اس کا خیال نہیں ہے :''

اس کے بعد جناب خان بہادر منشی قادر بخش خاں صاحب کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل الفاظ سے سید صاحب کا شکریہ ادا کیا :

''جناب سید صاحب !

جو جو کوششیں آپ نے ہماری قوم کی بھلائی کے واسطے کیں اس کے شکریہ ادا کرنے کے واسطے ہم کو الفاظ نہیں ملتے اور ناممکن ہے کہ کس طرح سے ہم اس کا صلہ ادا کر دیں ، بجز اس کے کہ ہم دعا مانگیں کہ خدا اس کا صلہ آپ کو دے -'' (سید صاحب نے آب دیدہ ہو کر کہا کہ ''مجھ کو اس کا صلہ نہیں چاہیے خدا اس کا صلہ بھی قوم ہی کو دے'') ''آپ نے یہاں تشریف لانے اور تکلیف آٹھانے سے جو کچھ عزت ہم کو دی ، یہ بھی اسی قومی بھلائی کا سبب تھا - ہم آپ سے کچھ کہہ نہیں سکتے ، آپ کی دعوت بھی ہم سے نہیں ہو سکتی - دعوت کا نام لینا بھی گویا منہ چڑانا ہے - مگر تاہم ہم لوگوں نے اور انجمن قصور نے تھوڑا تھوڑا

کر کے روپیہ جمع کیا ہے جو ابھی موجود ہے۔ یہ آپ کی پیشکش کیا جاتا ہے کہ آپ قبول فرماویں ۔ یہ متفرق روپیہ جو رئیس اور عہدے دار پیش کرتے ہیں ، در حقیقت قوم کی بھلائی کے لیے ہے ، جس کا قوم کی بھلائی میں صرف کرنے کا آپ کا ارادہ ہے اور دعوت کا صرف حیلہ ہے ۔ جو لوگ اس میں شریک ہیں میں ان کی تفصیل بھی بیان کیا چاہتا ہوں تاکہ لوگ دیکھیں کہ کن لوگوں نے ہمت ، اور فیاضی کی ہے اور جو لوگ اس میں شریک نہیں ہیں وہ سمجھیں کہ وہ کیسے پست ہمت ہیں ۔''

فہرست ، جس میں چھوٹی اور بڑی سب قسم کی رقمیں تھیں ، پڑھی گئی اور جناب خان بہادر نے ایک تھیلی ، جس میں مبلغ ایک ہزار پانچ سو چوراسی ایبض نورانی اور چار آنے بھرے ہوئے تھے ، بتقریب دعوت از جانب احباب لودھیانہ و قصور سید صاحب کے پیش کش کی ۔

سید صاحب اپنی کرسی پر سے اٹھے اور کہا :

تقریر سید صاحب

''اے دوستو ! میں ان دوستوں کا ، جنھوں نے قومی بھلائی کے واسطے چندہ دیا بہت شکرگزار ہوں ۔ اس چندے میں بہت بڑی بڑی رقمیں بھی ہیں اور چھوٹی بھی ہیں ، مگر میں ان چھوٹی رقموں کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں ، کیونکہ ان لوگوں نے اپنی بہت سی ضرورتوں کو ملتوی رکھ کر چندہ دیا ہے ۔ ایسی رقموں کی قدر بڑی رقموں سے بہت زیادہ ہے ۔ اے صاحبو ! میں جو یہاں آیا

تو میرے ساتھ جو مہربانی پریسیڈنٹ مجلس نواب صاحب نے کی اس کا میں عمر بھر ممنون رہوں گا ۔ میں اپنے دوستوں منشی قادر بخش خاں خان بہادر اور مولوی فتح محمد صاحب کا ، جنھوں نے اس قومی کام میں کوشش کی ، شکر ادا کرتا ہوں ۔ وہ بھی اسی قوم میں شامل ہیں جس کے ساتھ انھوں نے ہمدردی کی ہے ۔ پس اگر وہ خود اپنا آپ شکر کریں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ۔ مگر وہ اپنا شکر خود نہیں کر سکتے ، اس لیے میں ان کا شکر ادا کرتا ہوں ۔''

اس چندے کی نسبت یہ قرار پایا کہ اس روپے سے مدرسۃ العلوم میں ایک پختہ بورڈنگ ہوس بنایا جاوے اور اس پر مندرجہ ذیل کتبہ بطور یادگار کے لگایا جاوے :

از زرعطیہ

احباب ضلع لودھیانہ و قصور ، صوبہ پنجاب کہ بتاریخ بست و سوم جنوری سنہ ۱۸۸۴ع بمقام لودھیانہ بتقریب دعوت سید احمد خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی عطا فرمودند ،

تعمیر یافت

بعد اس کے حافظ صدرالدین صاحب یاد تخلص نے سید صاحب کی مدح میں مندرجہ ذیل اشعار اپنے تصنیف کیے ہوئے پڑھے :

آج کیا بحرِ ہدایت کا وہ گوہر آیا
دستہ بندِ چمنِ شرعِ پیمبر آیا

ظلمتِ جہل کو ہے جس نے کیا ہند سے دور
آسماں پر سے وہ خورشید زمیں پر آیا

کیا آمادہ ترقی کا ہماری ساماں
آج لودھیانہ میں وہ صاحبِ افسر آیا

فیض مقدم سے ہوا جس کے منور پنجاب
آج وہ صاحبِ اقبال و خوش اختر آیا

یاد خاموش، ابھی جاہل و ملا سن کر
تجھ کو کہہ دیں گے کہ یہ آمتِ نیچر آیا

اس پر نہایت زور سے قہقہہ ہوا اور بڑے زور سے چیرز دی گئیں اور سید صاحب بھی نہایت خوش ہوئے اور اخیر مصرع کی بہت داد دی ۔

بعد اس کے محمد معین الدین صاحب خلف منشی حکیم الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اٹھے اور نہایت عمدہ تقریر پڑھی۔ یہ تحریر اگرچہ میں نے ان سے لے لی تھی مگر وہ گم ہو گئی ، لاچار اس کی نقل ان سے منگوائی گئی جو ذیل میں مندرج ہے :

تحریر محمد معین الدین صاحب

''اے حاضرینِ باتمکین !

آج ایک خاص خوشی کے سبب سے میں ایک ایسے لایق اور

فایق مجمع کے سامنے کچھ تھوڑا سا بیان کرنے کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں ۔ بلند ہمتی اور صبر سے ، جو کہ ہمیشہ عالموں اور مہذبوں کا شیوہ ہے ، آپ براہِ مہربانی میرے ان ناممکمل اور ٹوٹے پھوٹے فقرات کو سنیے ۔ اے حاضرین ! مجھ کو یہ بات بے فایدہ معلوم ہوتی ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ لوگوں کے یہاں جمع ہونے کا باعث بیان کروں ، کیونکہ آپ سب صاحبان نے وہ اشتہار ، جو کہ معاونانِ مدسۃ العلوم کی طرف سے تقسیم کیا گیا تھا، پڑھ لیا ہوگا ۔

اے صاحبان ! آج کا دن اس شہر کے واسطے کیسا مبارک ہے کہ یہاں آج وہ شخص تشریف فرما ہے کہ جس نے اپنے ہم قوموں کے واسطے جان اور مال سے دریغ نہیں کیا ۔

اے عالی جناب سید صاحب ! ہم آپ کا شکریہ اس مستقل مزاجی کی بابت ادا کرتے ہیں جس کو آپ نے اپنی قوم کی بہبودی کی بابت برتا ہے ۔

اے ہمارے معزز سید صاحب ! ہم آپ کی عنایتوں کا شکریہ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ آپ کی محنتوں کا نتیجہ ، جو آپ نے ہمارے واسطے کی ہیں ، ہمیشہ صفحۂ روزگار پر قایم رہے ۔

اے عالی جناب سید صاحب ! آپ نے مدرسۃ العلوم کی نگرانی میں گرمی کی دھوپ اور سرما کی سردی اٹھائی ۔ حالتِ بیماری میں بھی آپ نے قوم ہی کا غم کھایا ۔ آپ کی قومی محبت کی یہ یادگار ہمیشہ صفحۂ روزگار پر رہے گی ۔

اے حاضرین ! ہم کو جناب آنریبل سید صاحب کا شکریہ بہ دل و جان ادا کرنا چاہیے ۔ اگر مسلمانوں کے خیرخواہوں اور مدرسۃالعلوم کی تاریخ بنائی جائے تو ہر صفحے پر بہ خطِ جلی جناب آنریبل سید صاحب کا نام پایا جائے گا ۔

اے حاضرین ! میں آپ کی خدمت میں بہ کمال خوشی عرض کرتا ہوں کہ وہ دن نزدیک آتا جاتا ہے کہ جناب آنریبل سید صاحب کے ظلِ عاطفت میں یہ مدرسۃ العلوم ایک یونیورسٹی بن جائے گا اور اُن کے معزز مددگاروں کے نام آبِ زر سے اُس پر لکھے جائیں گے ۔ ہم دعا مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب کی حیات میں ترقی فرماوے اور اُن کو حوادثِ روزگار سے مامون رکھے ۔

اے حاضرین ! بانیانِ مدرسۃالعلوم کی صرف ہم ہی تعریف نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلیں بھی اُن کو اپنے خیرخواہوں کی طرح یادکریں گی کہ جن کے ذریعے سے ہماری وہ قوم ، جوکسی زمانے میں سب سے زیادہ عالم اور مہذب تھی اور یورپ میں جس کی بدولت علم اور تہذیب کا چرچا پھیلا تھا اور اب جہالت میں پڑی ہے ، گرداب ادبار سے نکلتی جاتی ہے ۔ اور اے صاحبان !آیندہ نسلیں اسی کی بدولت فخر کیا کریں گی اور پھر اپنے تئیں اُسی مرتبے پر پہنچائیں گی ۔

اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ اس زمانے میں وہ شخص کون ہے کہ جس نے اپنے تمام اوقات مسلمانوں کی بہبودی میں صرف کیے ہوں اور وہ کون شخص ہے کہ جس نے اپنی تمام خوشیوں اور اپنے آرام اور تندرستی کو اپنی قوم کی بہبودی کے لیے خرچ کیا ہو ؟ اے صاحبان ! آپ بے شک ڈھونڈھیں اور تلاش کریں مگر

سوائے آنریبل سید صاحب کے اور کوئی بہ این صفت موصوف نہ پاؤ گے -

اگر کوئی اجنبی شخص علی گڑھ جا نکلے اور کالج کے خوش نما مکانات اور باغات کو دیکھے تو بلاشبہ وہ دریافت کرے گا کہ اس کا بانی کون ہے؛ اور اپنے دل میں کہے گا کہ بلاشبہ یہ کسی ایسے شخص کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو فنا فی‌القوم کے مرتبے تک پہنچایا ہو -

اے صاحبان! میں آپ کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس عمدہ کام میں شامل ہونے والوں کے نام، جنھوں نے اس پر عمل فرمایا (ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتیٰ یغیّروا ما بانفسہم) کبھی صفحۂ روزگار سے محو نہ ہوں گے - اس پر جو سوال ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گو خدا نخواستہ لاکھوں برسوں کے بعد تبدیلات زمانہ کے سبب سے یہ عمارت پاکیزہ صفحۂ روزگار سے محو ہو جائے اور جہاں اب باغ ہیں، جنگل ہی جنگل نظر آئے، تو بھی اے سامعین! ان خیرخواہوں کے نام زبان زدِ خلائق رہیں گے - اگر کوئی مسافر اس ویرانے پر سے گزرے گا تو غیب سے ان عمارات کے بانیوں کے نام سنے گا جن میں سب سے پہلے خیرخواہِ قوم سید صاحب کا نام ہوگا -

اے صاحبان! اگرچہ یہ بات بے فائدہ ہے مگر میں بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا، اور اس سے پہلے کہ میں بیٹھوں، بڑے افسوس کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ میرا دل بہت بھرا ہوا ہے لیکن میری زبان بہت کمزور ہے (لکنت کرتی ہے)، ورنہ میں جناب آنریبل سید صاحب کی کوششوں کو اور عنایتوں کو، جو

انھوں نے اہلِ اسلام یعنی اپنی قوم کی بہبودی کے واسطے کی ہیں ، وضاحت سے بیان کرتا ۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ ہمارے معزز خیرخواہوں کی طرح ، جنھوں نے قومی ہمدردی کو ایسے زور و شور سے اپنی اس بے سروپا اور زیر و زبر شدہ قوم کو ، جوکہ علم دولت وغیرہ وغیرہ میں پیچھے سب سے پڑی ہوئی ہے ، کوشش کی ، ہمارے اور بھی معزز صاحبان کو ایسی کوشش کرنے کی توفیق حاصل ہو ۔ آمین !

الراقم آثم

معین الدین احمد عفی عنہ،،

اس کے بعد سید صاحب اپنی کرسی پر سے اٹھے اور اس طرح پر گفتگو کی :

تقریر سید صاحب

''اے میری قوم کے نوجوان عزیز بچے !

میں نہایت خوش ہوں اپنی آس عزت سے جو تم نے اپنے پیارے اور دلچسپ خیال ظاہر کرنے میں میری نسبت ظاہر کی ۔ زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تمھارے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوئے ۔ تمھارے بیان میں کئی جگہ پر قوم کا لفظ آیا ہے ۔ مگر یاد رکھو کہ قوم کوئی چیز نہیں ہے جب تک کہ وہ قوم قوم نہ رہے ۔ ایک ایک شخص جو اسلام کے گروہ میں داخل ہے ، وہ

سب مل کر مسلمانوں کی ایک قوم کہلاتی ہے ۔ جب تک وہ اپنے عزیز مذہب کے پیرو اور پابند ہیں تب ہی تک وہ قوم ہیں ۔ یاد رکھو کہ اسلام ، جس پر تم کو جینا ہے اور جس پر تم نے مرنا ہے ، اس کو قایم رکھنے ہی سے ہماری قوم قوم ہے ۔ اے عزیز بچے ! اگر کوئی آسمان کا تارہ ہو جاوے مگر مسلمان نہ رہے تو ہم کو کیا ؟ وہ تو ہماری قوم ہی نہ رہا ۔ پس اسلام کو قایم رکھ کر ترقی کرنا قومی بہبودی ہے ۔ اُمید ہے کہ تم ہمیشہ اس کو قایم رکھو گے اور اس کے ساتھ تمام باتوں میں ترقی کرتے جاؤ گے کہ یہی قومی ترقی ہوگی ، جو تم کو بھی فائدہ دے گی اور قوم کو بھی عزت ہوگی اور آیندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اُٹھاویں گی ۔'' (چیرز نہایت جوش سے) ۔

جس وقت سید صاحب یہ تقریر کرتے تھے ، مجھے تعجب ہؤا تھا کہ انہوں نے اس طرز سے کیوں تقریر کی ۔ بعد کو مجھے خیال آیا کہ سید صاحب کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لدھیانہ کے مشن اسکول میں تعلیم پاتے ہیں ۔ اس خیال پر سید صاحب نے اس طرز سے گفتگو کی ۔

بعد اس کے منشی عبداللہ صاحب نے انجمن مفید عام لودھیانہ کی طرف سے ایک اڈریس پیش کی اور عمدگی سے پڑھی اور ایک پیتل کے خوب صورت گول بکس میں بند کر کے نذر کی ۔

سید صاحب پھر کرسی پر سے اُٹھے اور اڈریس کا جواب دیا ۔ وہ اڈریس اور سید صاحب کا جواب ذیل میں مندرج ہے :

سپاس نامہ بعالی خدمت جناب آنریبل نجم الہند سید احمد خان بہادر

منجانب انجمن مفید عام لودھیانہ۔

''انجمن جب اپنے فرائض منصبی پر نظر ڈالتی ہے تو اس سے زیادہ کوئی فرض اس کو نظر نہیں آتا کہ وہ انڈیا کے رفارمر اور ملک ہند کے نامی حکیم، نجم الہند، سید احمد خان بہادر بانی مدرسۃ العلوم للمسلمین کا خیر مقدم کہے اور سید موصوف کی خدمت میں خود ان کے اور ان کے رفقائے عالی منصب کی تشریف آوری اور احسانات کا، جو انھوں نے قوم پر، ملک پر کیے ہیں اور جس میں سے انجمن کو بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی اسی قوم اور ملک کی ہے جو ان کی عنایات اور احسانات کا مرہون ہے، حصہ ملا ہے۔ شکریہ ادا کرے۔

یہ شکریہ گو بظاہر سید صاحب ممدوح کی خدمت میں انجمن کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر جب بہ نظر تعمق دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکریہ شاکر اور مشکورلہ کے اتحاد کے باعث پھر اسی طرف عود کر آتا ہے جدھر سے ادا کیا گیا۔ کیونکہ سید صاحب نے تو قومی ہمدردی کا کام ترقی کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ بغیر کسی مبالغے کے یہ کہنا درست ہے کہ انھوں نے فنا فالقوم کا رتبہ اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے سامعین کے سامنے یہی ایک تازہ واقعہ ظاہر کر دینا کافی ہوگا کہ انھوں نے جناب نواب گورنر جنرل بہادر وائسرائے ہند کی کونسل کی ممبری سے بہ عذر عدیم الفرصتی تار پر

استعفاء دے کر اس فقرے کا کوئی بھی مستثنیٰ باقی نہ رکھا کہ ''حضرت کے تمام اوقات صرف قوم کی خدمت اور ہمدردی میں صرف ہوتے ہیں۔''

پس اس سے زیادہ قومی ہمدردی کا خیال کیا ہو سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سا کام تھا جس سے ایسی کم فرصتی تھی۔ کیا کوئی تجارت یا سرکاری خدمت یا اورکوئی ذاتی منفعت؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایسے الفاظ ہیں کہ جن کو اس جگہ استفہام انکاری کے طور پر بھی زبان پر لاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہر شخص کا دل خوب جانتا ہے کہ وہ کام، جس میں اس قدر مصروفیت تھی صرف قوم کے ڈوبتے ہوئے بیڑے کو پار لگا دینے کی سعیِ صادق تھی جو کامیابی کے ساتھ سرسبز ہوئی اور ہوتی جاتی ہے۔

آپ نے ہمارے بیڑے کو ساحلِ مراد پر پہنچانے کے واسطے ممالکِ مغربی و شمالی میں نہایت بلند و مستحکم لائٹ ہـٓوس تعمیر کیا ہے جس سے اہلِ ہند کو سلامتی کا کنارہ سامنے نظر آنے لگا ہے۔

بہت سے جہاز علم تہذیب ترقی کی کھیپ سے لدلدا کر منزل مقصود کو روانہ ہوئے ہیں جن کے ناخدا خدا کے بتلائے ہوئے قاعدے ''و بالنجم ہم یہتدون'' کے موافق ہند کے ستارے کی طرف ہر وقت دیکھتے ہوئے اور اس کی رفتار سے راستے کا پتا لیتے ہوئے سیدھے چلے جا رہے ہیں۔ جو بہت جلد اس بندرگاہ پر لنگرانداز ہوں گے جو ممالکِ مغربی و شمالی کے لائٹ ہـٓوس کی روشنی سے منور ہے اور عنقریب ہم اس کو بندرگاہ سویز سے زیادہ آباد دیکھنے کی امید کرتے ہیں۔ کیونکہ ملک ہند کی حالتِ موجودہ کو جب ہم پہلی حالت سے موازنہ کرتے ہیں تو باعتبار ترقی تعلیم و تہذیب کے اسا

نمایاں فرق نظر آتا ہے جس کے خیال کرتے ہی بے ساختہ یہ شعر منہ سے نکلتا ہے :

سہیلے بر اوجِ عجم تافتہ
ادیمِ یمن رنگ زو یافتہ

دیکھو اس روشن ستارے کے پرتو سے اس ملک کے بہت سے مردہ دلوں میں جان تازہ آ گئی ہے اور وہ حب قومی کی خوشبو سے ادیمِ یمن کی طرح مہک رہے ہیں -

سید صاحب ! گو باعتبارِ لقب آپ کو نجم الہند کہا جاتا ہے لیکن آپ نے اس براعظم کے باشندوں کی طبیعتوں کو اپنے نورانی خیالات کی کرنوں سے روشن کرنے کے سبب نہ ستارۂ ہند بلکہ نیرِ اعظمِ ہند ہونے کا واقعی منصب حاصل کیا ہے -

الحق کہ قوم کا جہاز ایسی حالت میں تھا کہ اس کے پار ہونے کے لیے آپ جیسے روشن ستارے اور ایسی جگمگاتی روشنی اور ایسے ہی ناخدا ، اور اس کے ایسے عزم و استقلال ، اور ایسے ہی مبارک ہاتھ ، اور ایسے ہی سعیِ صادق ، اور ایسے ہی ہم درد دل کی ضرورت تھی - اور یہ ساری باتیں آپ کی ذات مجمع الصفات کے سوا کسی ہمارے ہم وطن میں فی زماننا دکھلائی نہیں دیتیں -

کچھ شبہ نہیں کہ ہمدردیِ قومی آپ کے لیے موضوع ہوئی ہے اور آپ ہمدردی کے لیے - آپ اپنی عالی ہمتی سے فراخ حوصلگی سے ، اولوالعزمی سے اور بلند نظری سے ، جو ہمارے خیالات کی رسائی سے بہت دور ہے ، کچھ ہی خیال فرماویں ، مگر زمانہ دیکھتا ہے اور زبانِ حال و قال سے کہہ رہا ہے کہ اب اس قوم کا شکستہ

جہاز ساحل مراد پر پہنچا - مگر یہ کس کی محنت سے ، کس کی دل سوزی سے ، کس کے شفقت بھرے ہاتھوں اور محبت بھرے دل کی جاں فشانی سے ؟ یہ دیکھیے ! میرے بولنے سے پہلے ساری مجلس کی آنکھیں بے ساختہ ، خود بخود ، بالاتفاق اس بابرکات کے مبارک چہرے پر جا پڑیں جو اس اسم سامی سے موسوم ہے جو ان سوالات کے جواب میں واقع ہوتا ہے - وہ کون ہے ؟ ہمارے ذی احتشام مہمان جناب سید احمد خان بہادر ، نجم الہند جن کی مہربانی کی عزت سے آج یہ انجمن خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی -

سید صاحب ! ہند کی انجمنوں نے ، جو آپ کے ہی مقدس ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے ہیں ، اپنی اپنی لیاقت کے موافق آپ کی خدمت میں سپاس نامے پیش کیے ہوں گے اور کرتے ہیں ، مگر حق یہ ہے کہ نہ آپ کی عنایت اور اوصاف کا بیان ان میں ہؤا نہ ہو سکتا ہے ، اور نہ آپ کی ذات بابرکات اس کی محتاج ہے - مگر اس انجمن نے ، جس کی عمر ابھی بہت تھوڑے دنوں کی ہے ، جس کی طفولیت کا زمانہ ابھی بہت باقی ہے ، جس کو آپ کی شفقت پر ابھی بہت دنوں ناز کرنا ہے ، اپنے ننھے سے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی خوشی کے جوش کا اظہار کرنا چاہا ہے جو اس کو آپ کی قدم بوسی سے حاصل ہوئی اور جس کو ظاہر کرنے کی ابھی اس میں پوری قوت بھی نہیں آئی - اس بات کا انجمن خود اقرار کرتی ہے کہ یہ مختصر نذرانہ آپ کے سامنے پیش ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا - مگر انجمن اپنے بساط عجز میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتی جو پیش کش ہونے کی قابلیت رکھتی ہو - پس یہ خاکہ انجمن کے خلوص عقیدت کا ان الفاظ کے ذریعے سے کھینچ کر آپ کی نذر کیا جاتا ہے تاکہ وقتاً فوقتاً آپ کو اس

انجمن اور اس شہر کی یاد دلاتا رہے ۔ اب اس دعا پر خاتمہ ہے کہ آپ کی نیکیوں کے موافق آپ کے کام میں برکت دے ۔ آمین !
مورخہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۸۴ع ۔

خاکسار

قادر بخش خاں　　محمد عبداللہ خاں عفی عنہ　　علی محمد خاں
ویس پریسیڈنٹ انجمن　سکرٹری انجمن مفید عام لودھیانہ　خادم انجمن

جواب سید صاحب کی طرف سے

''میں انجمن اسلامی لودھیانہ کے پریسیڈنٹ اور مربیّوں کا، جنھوں نے یہ اڈریس مجھے دیا ہے ، شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اس بات کے سننے سے کہ لودھیانہ میں ایک انجمن اسلامیہ قایم ہوئی ہے ۔ مجھے اس قدر خوشی ہوئی ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا ۔ میری خواہش اور دعا ہے کہ مسلمانوں کی یہ مجلس ترقی پائے ۔ اڈریس میں جو الفاظ میری نسبت بیان کیے ، میں اپنے تئیں ان الفاظ کا مستحق نہیں سمجھتا مگر اس وجہ سے کہ گو وہ شخص ، جس کے واسطے یہ اڈریس پیش کیا گیا ہے ، اس کا مستحق نہ ہو ، مگر آیندہ اس کی اُمید پڑتی ہے کہ ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ جو الفاظ اس وقت جوش ہمدردی سے میری نسبت بیان کیے ، وہ اس کے مستحق ہوں گے ۔ میں پھر شکریہ آپ کی عنایتوں کا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو خوش رکھے اور آپ کی مجلس کو برکت دے ۔'' (چیرز) ۔

اس کے بعد ڈاکٹر عثمان خاں صاحب تخلص غنی کھڑے ہوئے اور سید صاحب کی تشریف آوری کی مبارک بادی میں یہ شعر پڑھے :

ادائے شکر ہے ، تشریف کا لانا مبارک ہو
غریبوں پر ہمیشہ لطف فرمانا مبارک ہو

یہ رونق ، کرّوفر اور شانِ شاہانہ مبارک ہو
مبارک ہو ، مبارک ہو ، یہاں آنا مبارک ہو

دعا گو با ادب تسلیم کو یاں سر جھکائیں ہیں
خوشی سب کو نہایت ہے کہ خود تشریف لائے ہیں

سید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا ان کی اس مہربانی پر شکر کیا ۔

اس کے بعد مولوی مرزا فتح محمد صاحب کھڑے ہوئے اور نہایت عمدہ اور لطیف طرز سے مندرجہ ذیل گفتگو کی :

تقریر مولوی مرزا فتح محمد صاحب

''جناب سید صاحب !

آپ کے احسانِ عام اور عنایتوں اور قومی ہمدردی اور دل‌سوزی کے شکریے میں عہدہ برا ہونا ایک ایسے فصیح ہندوستانی کا کام ہے جو آپ ہی کی طرح دل و دماغ رکھتا ہو ، نہ میرے جیسے عام شخص کا ۔ اس بارے میں میں تو اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ

''خاموشی از سپاس تو حدِ سپاس تست۔'' دوسری یہ وجہ بھی ہے کہ جس چیز کا کوئی شکریہ ادا کیا جاتا ہے تو پہلے ان چیزوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہوتا ہے جن کی شکرگزاری منظور ہو، اور اس تقدیر پر بھی پھر انھی کارناموں کا تذکرہ کرنا لازم آتا ہے جو اپنی قوم کے لیے کیے ہیں۔ بس ان واقعات کا تذکرہ کرنا بھی ایک قوی دل آدمی کا کام ہے۔ مجھے تو مسلمانوں کی پہلی اور موجودہ حالت پر خیال کر کے کچھ بولنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ البتہ ان چند مختصر فقروں سے آن امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو احسانِ عام اور عنایتیں، خواہ اقائے قوم کے متعلق ہوں، خواہ اخلاق و تمدن کے متعلق ہوں، آپ کے جدِ امجد نے اپنی قوم کے لیے مبذول فرمائیں، وہ سب کی سب جناب نے باتباع اپنے جدِ امجد کے اپنی تمام قوم سے مرعی رکھیں اور باطاعت ان کے پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ سچ ہے کہ آپ نے اسلام کو دنیوی اور دینی برکتوں میں، جیساکہ وہ ابتدا میں تھا، ویسا ہی دکھانے میں سعی فرمائی۔ مگر یہ ایک بندھا ہؤا قاعدہ ہے کہ جس طرح تمام مادی چیزیں بہ سبب امتدادِ مدت کچھ کچھ تغیر پذیر ہوتی ہیں، اسی طرح ہر ایک مذہب، زمانے کے گزرنے کے باعث سے، بیرونی خیالات کے مل جانے سے کچھ اور کا اور ہی ہو جاتا ہے۔ جب اسلام کا آفتاب روشن ہؤا، جس کو تیرہ سو برس کا عرصہ گزرا ہے، اس میں بموجب قاعدۂ صدر طرح طرح کی بیرونی آمیزشیں ہوئی ہیں۔ آپ نے صرف اس روشن آفتابِ اسلام سے کالے پیلے بادلوں کو، جو بیرونی آمیزش سے عبارت ہے، ہٹانا چاہا ہے اور اصلی روشن صورت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر انسانوں کا یہ ایک فطرتی اصول ہے کہ جس چیز کو وہ ذرا اجنبی حالت میں دیکھتے ہیں یا اپنی

سمجھی ہوئی باتوں سے بڑھ کر خیال کرتے ، ہیں اس سے عموماً نفرت کیا کرتے ہیں ۔ آپ نے اس مشکل سے مشکل تر معاملے کو اس طرح حل کیا کہ آپ نے اس اجنبی مفہوم کا خود نمونہ بن کر دکھایا ۔ جو لوگ قوموں کے سلسلۂ تنزل اور ترقی کے اسباب پر غور کرنے پر متوجہ ہوئے ہیں ، بہ خوبی جانتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے امر کو بہ آسانی انجام دینے کے لیے جیسا یہ طریقہ سہل ہے کہ بجائے کہنے کے عمل کر کے دکھایا جائے ، اور کوئی طریقہ آسان نہیں ہے ۔ کیونکہ انسان بہ نسبت کانوں کے آنکھوں سے بہت جلد تعلیم پا سکتا ہے ۔ سو آپ نے ان تمام نبوی اخلاق اور طرزِ طریق پر خود عمل کرکے دکھا دیا ، اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ :

شجاعت میں ، کرم میں ، عدل میں ، اخلاقِ حسنہ میں
وہی رستہ ہے تیرا جو کہ رستہ تھا ترے جدّ کا

الغرض ان مشکلات کے حل کرنے میں جو محنتیں مذکورہ بالا برداشت کی گئیں ان کا شکریہ ادا کرنا بھی آپ ہی جیسے شخص کا کام ہو سکتا ہے ۔ میں زبانی شکریے سے قطع نظر کر کے ایک ضروری بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں ؛ ہر ایک چیز کا شکر زبانی ہی نہیں ہوتا بلکہ شکر کبھی اطاعت سے ، کبھی بعض افعال کے کرنے سے بھی ہوتا ہے ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اکثر اوقات شکر علاوہ اپنے فرائضِ انسانی ادا کرنے کے جس کا شکر کیا جاتا ہے اس کی خوشنودی کے لیے بھی ہوتا ہے ۔ پس سید صاحب کی خوشنودی کس امر میں ہے ؟ صرف اس امر میں کہ مدرسۃالعلوم کا کام ہر طرح سے مکمل ہو جاوے ۔ جس کا مکمل ہونا ہماری ہی بہتری کے لیے ضروری سے ضروری تر ہے ۔ یہ شکر ''بہ یک کرشمہ

دو کار'' کا مصداق ہے ۔ ایک سید صاحب کی خوشنودی ، اور پھر اس میں بھی ہماری ہی سراسر بہتری موجود ہے ۔ اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ مدرسۃ العلوم کو روپے سے مدد دی جاوے ۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ابھی مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لیے قریباً بیس ہزار روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی کا مہیا ہونا ضروری ہے، اور اس کی اس قدر ضرورت ہے کہ علاوہ روحانی برکات کی فضیلت اور بزرگی کے وہ جو ویسرائے اور گورنر جنرل ہند کی کونسل کا ایک آنریبل ممبر رہ چکا ہے ، ایک ایک روپے اور آٹھ آٹھ آنے کے لیے ملکوں ملکوں مانگتا پھرتا ہے اور اس کو بھی اپنی دعوت میں قبول کرنے سے عار نہیں کرتا اور پھر آٹھ آٹھ آنے دینے والوں کا دل سے مشکور ہوتا ہے ۔ اس سے سامعین خیال فرما سکتے ہیں کہ اس ضروری کام کے لیے روپے کی کہاں تک ضرورت ہے ، پس اس مطلب پر متوجہ ہونا اور اس کو پورا کرنا سید صاحب کا اصلی شکریہ ہے ، اور یہ شکریہ ایسا سہل ہے جس کا ادا کرنا ہمارے قابو میں ہے ۔ پس اس شکریے کے ادا کرنے کی طرف توجہ ضروری اور کارآمد ہے ۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ابھی سید صاحب نے فرمایا ، کہ اگر بہت جلد اس طرف توجہ نہ کروگے تو یاد رکھو کہ پھر آپ توجہ کرنے کے قابل بھی نہ رہوگے ۔ سو میں بھی کہتا ہوں کہ ایسے اسباب ہمارے گرد و پیش موجود ہوتے جاتے ہیں کہ اگر ہم مدعاے مذکور کے انجام میں کچھ بھی تغافل کریں گے تو پھر ہم کو اس پر متوجہ ہونا ہی نہایت مشکل ہو جائے گا ۔ پس اولاد پر رحم کرو ۔ علاوہ اس کے یہ بات نہایت شرم کی ہے کہ قریباً چھ کروڑ مسلمانوں سے تمام ہندوستان میں ایک تعلیم گاہ یعنی اپنے بچوں کے تعلیم پانے کا ایک گھر بھی نہ بن سکے ۔

اگر دو دو پیسے فی مسلمان لیے جاویں تو کس قدر روپیہ جمع ہو سکتا ہے ۔ میں ایک اور ضروری بات بھی ، جو سید صاحب نے نہیں کہی اور شاید ان کو کہنی مناسب بھی نہ تھی ، عرض کرتا ہوں ؛ آپ کو معلوم ہے کہ مدرسۃ العلوم کسی قدر تعمیر بھی ہو چکا اور بی ۔ اے کلاس تک اس میں تعلیم بھی ہوتی ہے اور کالج کی حد تک بھی پہنچ گیا ہے ، اور جس کو خدا کے فضل سے اب یہ بات بھی حاصل ہوگئی ہے کہ اس کے طلباء کا امتحان وہیں لیا جایا کرے ، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ اس میں ابھی بہت کچھ کام باقی ہے ۔ سید صاحب کی جو کچھ کہ عمر ہے وہ حد طبعی کے قریب پہنچ گئی ہے ۔ خدانخواستہ اگر وہ ہم میں نہ رہیں تو پھر ہماری اس قوم سے ، جس کا اب یہ حال ہے کہ وہ کہنے سننے سے ، ترغیب سے ، ترہیب سے ، چمکارنے سے ، پھلوں کے حالات سنانے سے ، آئندہ کے خطرات جتانے سے اپنی حالت پر رحم نہیں کھاتی اور اپنا کام نہیں کرتی ، ان میں سے بھی کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو قومی آسودہ حالی کے لیے بے شمار تکلیفوں کا متحمل ہو سکے ۔ پس سید صاحب کو نہ شکریے کی ، نہ تعریف کی ، نہ دعا کی کوئی خواہش ، ہے صرف روپے کی ضرورت ہے ۔ سو ہم سب کو ادھر متوجہ ہونا چاہیے اور روپیہ جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ اخیر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ او خدا ! تو ہم کو یہ توفیق دے ۔''

سید صاحب نے اس گفتگو کا نہایت مختصر لفظوں میں شکریہ کیا اور کہا :

تقریر سید صاحب

میں مولوی فتح محمد صاحب کی اسپیچ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو کہ انھوں نے قوم کی ہمدردی اور قومی کام کی طرف رغبت دلانے میں کی ہے ۔ جو کچھ انھوں نے اپنی طویل تقریر میں پہلے بیان کیا ، اس کو اس وقت میں یوں ہی رہنے دیتا ہوں ۔ مگر جو الفاظ کہ انھوں نے اپنی اسپیچ کے اخیر میں بیان کیے ہیں ، اس کا شکریہ تمام مسلمانوں کو ادا کرنا چاہیے اور تمام مسلمانوں کو اس پر توجہ اور غور کر کے قومی کام کو، جس کا انھوں نے ذکر کیا ہے ، انجام تک پہنچانا لازم ہے ۔

اس تقریر پر کارروائی ختم ہوئی اور قریب ۱۲ بجے رات کے جلسہ برخاست ہؤا ۔

میں جب ان پنجابی رئیسوں کی زبان سے نہایت عمدگی کے ساتھ ہمدردی اور قومی ترقی کے جوش میں بھرے ہوئے الفاظ پنجابی لہجے میں سنتا تھا تو چونکہ یہ پہلا مرتبہ (موقع) تھا کہ لایق پنجابی اسپیکروں کی تقریریں سنوں ، مجھ کو عجب طرح کا لطف اس میں آتا تھا ۔ اور جب وہ سید صاحب کی عمر کا حال بیان کرتے تھے اور لوگوں کو جلد اس قومی کام کی طرف توجہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے تو لوگوں کے دلوں پر عجب طرح کا اثر ہؤا تھا ۔ بہتوں کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں ، بہتوں کے آنسو جاری ہوگئے تھے ۔

اسی مقام لودھیانہ سے ایک فیض سید صاحب کا شروع ہو چلا تھا ۔ بہت سے مسلمان نوجوان ، تعلیم یافتہ مذہب اسلام پر جو جو شبہات ان کو تھے ، سید صاحب کے سامنے بیان کرتے

تھے اور سید صاحب اپنی پُر اثر تقریر سے ان شبہوں کو رفع کرتے تھے ۔ پنجاب میں علومِ جدیدہ کی روشنی مسلمانوں میں بہ نسبت ہمارے صوبے کے زیادہ پہنچی ہے ۔ وہاں مشنری اسکول اور مشنریوں کا کاربار بھی بہ‌نسبت ہمارے صوبے کے زیادہ معلوم ہوتا ہے ۔ مشنریوں کے اخبار بھی وہاں چھپتے ہیں ۔ مباحثے اور رد و قدح کی کتابیں بھی زیادہ چھپتی ہیں ۔ ہندوستانی عیسائی بھی، جو تعلیم یافتہ بھی ہیں ، وہاں زیادہ ہیں ۔ پس یہ ایک امر لازمی ہے کہ وہاں کے نوجوان تعلیم پانے والوں کے دلوں میں ہر قسم کے شبہات پیدا ہوں اور کم سے کم یہ کہ جو شبہات وہ سنتے ہیں ، ان کے تسلی بخش جوابوں کی ان کو تلاش ہو ۔ پس جس چیز کی وہ تلاش کرتے تھے ، سید صاحب کی تقریر میں پاتے تھے ۔ میں نے سنا ہے کہ ایک نہایت معزز مسلمان پنجابی نے ایک بہت بڑے شہر میں ایک مجمع میں، جس میں بہت معزز لوگ جمع تھے، نہایت صفائی اور سچائی سے کہا کہ میرے دل میں مذہبِ اسلام کی طرف سے اس قدر شبہات تھے کہ میں اس کو سچا مذہب نہیں جانتا تھا اور اس کے چھوڑنے پر آمادہ تھا ۔ صرف سید صاحب کی تحریرات پڑھ پڑھ کر مجھ کو اسلام کی سچی روشنی ثابت ہوئی اور اب جس قدر مجھ کو اسلام کے برحق ہونے پر یقین ہے ، شاید کسی کو نہ ہو ۔

سید صاحب ابھی لودھیانہ ہی میں موجود تھے کہ انجمنِ اسلامیہ جالندھر کی طرف سے ایک ڈپوٹیشن استقبال کے واسطے یہاں پہنچا جس میں بزرگانِ مندرجہ ذیل شامل تھے : منشی نہال الدین خاں صاحب رئیسِ جالندھر ، ضیاء الدین خاں صاحب رئیسِ جالندھر ، منشی گل محمد خاں صاحب رئیس و وکیلِ جالندھر ، محمد بیدار خاں

صاحب رئیس جالندھر ۔ ان سب بزرگوں سے نہایت خوشی سے ملاقات ہوئی اور یہ سب بزرگ لکچر کے جلسے میں بھی شریک تھے اور جالندھر کی روانگی کے وقت آنے کا انتظار کر رہے تھے ۔

لودھیانہ کا سفر نہایت حسن و خوبی سے ختم ہؤا ۔ اس مقام پر جو کچھ ہؤا اس کی مبارکی خان بہادر منشی قمادر بخش خاں صاحب کے لیے ہے ۔ وہ نہایت عالی خیال اور قومی ترقی کے خواہاں ہیں ۔ قومی بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے رہتے ہیں ۔ سید صاحب کے چندۂ یادگار میں بھی انھوں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور علی گڑھ میں تشریف لا کر مدرسۃالعلوم کو بھی ملاحظہ کیا تھا ۔ خدا کرے کہ ہماری قوم میں خان بہادر سے اور لوگ بھی پیدا ہوں تا کہ قومی کاموں کے انجام میں مدد ملے ۔ خدا تعالیٰ خان بہادر کو زندہ و کامیاب رکھے ۔ آمین!

حالات مقام جالندھر

(مرتبۂ اول)

چوبیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو نو بجے صبح کے سید صاحب لودھیانہ سے روانہ ہوئے - بزرگانِ لودھیانہ نے جس طرح استقبال کیا تھا ، اسی طرح مشایعت کی - ریلوے اسٹیشن پر رؤساء و عمائد اور افسران و عہدہ داران رخصت کرنے کے لیے جمع تھے - ان لوگوں کی باتوں سے اور چہروں سے نہایت افسردگی رخصت کے وقت پائی جاتی تھی - سب لوگ کہتے تھے کہ اگر سید صاحب کچھ زیادہ قیام فرماتے تو لوگوں کو بہت خوشی ہوتی -

غرض کہ سید صاحب ہر ایک سے رخصت ہو کر ریل کی گاڑی میں مع اپنے احبابِ ہمراہی کے سوار ہوئے اور جو بزرگ کہ جالندھر سے بہ طریق استقبال تشریف لائے تھے ، یعنی منشی نہال الدین احمد صاحب و ضیاءالدین خاں صاحب و منشی گل محمد خاں صاحب و محمد بیدار خاں صاحب بھی اسی گاڑی میں بیٹھے جس میں سید صاحب اور ہم سب تھے - ریلوے کیرج کثرتِ احباب سے کوچا بچ بھر گئی اور نہایت خوشی سے رستہ کٹنا شروع ہوا -

ایسے مجمعِ احباب میں اور خصوصاً جس میں سید صاحب بھی موجود ہوں ، بجز نئے اور پرانے خیالات کے اور کیا باتیں ہو سکتی

ہیں ۔ احباب میں سے کوئی کسی امر کی نسبت ، جس کا علوم جدیدہ یا فطرت کے برخلاف اسلام میں ہونے کا شبہ ہوتا تھا ، اور کوئی کسی امر کی نسبت سید صاحب سے سوال کرتا تھا ، اور سید صاحب اپنی تقریر پُر تاثیر سے اس کا بیان اور اس کی اصلیت اور حقیقت بیان کرتے تھے اور ثابت کرتے تھے کہ اصل اسلام پر ، جس کو سید صاحب ٹھیٹ اسلام فرمایا کرتے ہیں ، نہ علوم جدیدہ سے اور نہ قدیمہ سے اور نہ نیچر سے کچھ بھی شبہ وارد ہو سکتا ہے ۔ جہاں تک کہ میں خیال کرتا ہوں ، یہ کہہ سکتا ہوں کہ سید صاحب کے بیان سے لوگوں کے دلوں کو بہت تسلی اور تسکین ہوتی تھی اور مذہب اسلام جیسا کہ برحق ہے ویسا ہی اُن کو دکھائی دیتا تھا ۔

جب ہماری ٹرین شہر جالندھر کے اسٹیشن پر پہنچی تو ایک بڑا مجمع روساء و عاید و افسران سرکاری کا مع بہت سی دواسپہ گاڑیوں اور فٹنوں کے نظر آیا ۔ جب سید صاحب گاڑی پر سے آترے تو نہایت زور سے لوگوں نے چیرز دی ۔ سید صاحب نے گاڑی پر سے آترتے ہی خان بہادر سردار یار محمد خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ، سید محمد علی خاں صاحب تحصیلدار ، سید دلاور علی صاحب منصف ، فقیر سید ظفر الدین صاحب کوتوال ، منشی عزیز الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ، بابو لچھمن داس صاحب منصف ، مولوی سید مراد علی صاحب مدرس ہائی اسکول ، پنڈت شیو نراین صاحب پلیڈر ، بابو سلامت رائے صاحب پلیڈر ، شاہ محمد خاں صاحب پلیڈر ، منشی عمر بخش صاحب پلیڈر ، عبد الرحمن خاں صاحب مختار ، محمد یوسف خاں صاحب خلف سردار محمد یار خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر ، شیخ ظہیر خاں صاحب ، شمس الدین

خاں صاحب ، فضل کریم خاں صاحب ، میر نظام الدین خاں صاحب ، اصغر علی خاں صاحب رؤساء جالندھر سے ملاقات کی اور تمام حاضرین سے ، جہاں تک ممکن ہو سکا ، باظہار شکر گزاری ملاقات کرتے تھے ۔ اس مقام پر بھی اکثر لوگوں کے ہاتھوں میں خوبصورت خوبصورت گلدستے رنگین پھولوں کے تھے اور سید صاحب اور آن کے ہمراہی مسافروں کو خوب گلدستے دیے گئے ۔

سفر کے پروگرام میں جالندھر کے قیام کا وقت بہت تھوڑا تجویز ہؤا تھا اس لیے بزرگان جالندھر نے یہ تجویز کی تھی کہ جب سید صاحب اسٹیشن سے روانہ ہوں تو رستے میں جالندھر کا ٹئون ہال ملاحظہ کرتے جاویں ۔ جو گاڑیاں سید صاحب اور آن کے ہمراہیوں کے لیے تجویز ہوئیں تھیں آن میں وہ سوار ہوئے اور اور لوگ بھی اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے ۔ مجموع آنیس گاڑیاں تھیں جو ریلوے ٹرین کی مانند آگے پیچھے چلی جاتی تھیں ۔

ہم سب لوگ ٹئون ہال میں پہنچے اور آس کو دیکھا ۔ جالندھر کا ٹئون ہال نہایت عمدہ ہے ۔ ہال بھی خوبصورت اور معتدل درجہ کا وسیع ہے مگر آس کا احاطہ نہایت ہی خوبصورت ہے ۔ بہت عمدگی سے روشیں بنی ہوئی ہیں اور چمنوں میں نہایت خوبصورت ہری گھانس لگائی ہوئی ہے جو مثل فرش زمردیں کے معلوم ہوتی ہے ، بلکہ زمرد کے فرش میں بھی ایسی شادابی نہیں ہو سکتی ۔ جا بجا یورپین حکام اور آن کے ساتھیوں کے لان ٹینس کھیلنے کے لیے نشان بنے ہوئے ہیں اور ان کے لیے ہر طرح کی فرحت کے سامان موجود ہیں مگر اس بات کے سننے سے افسوس ہؤا کہ ہندوستانی ، جن کے روپے سے یہ سب کرشمہ ہے ، اس سے بہت ہی کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ سید صاحب نے بھی اس بات سے افسوس کیا اور کہا کہ یہ ہمارا

ہی قصور ہے کیونکہ ہم خود اس لایق نہیں ہیں کہ اس سے فائدہ آٹھاویں ۔

بزرگانِ جالندھر نے اول چاہا تھا کہ سید صاحب کا لکچر ٹٹون ہال میں ہو ، مگر معلوم نہیں کہ ان کی یہ خواہش کیوں پوری نہیں ہوئی اور کیوں ان کی رائے بدل گئی ۔ اور بعوض ٹٹون ہال کے اس کوٹھی کے احاطے میں لکچر دینا قرار پایا جہاں سید صاحب کا ٹھہرنا تجویز ہؤا تھا ۔

ٹٹون ہال کے دیکھنے کے بعد سید صاحب اور ہم سب کنور ہرنام سنگھ بہادر اہلوالیہ کی کوٹھی میں پہنچے جو سید صاحب کے قیام کے لیے تجویز ہوئی تھی ۔ ہم نے دیکھا کہ اس کوٹھی کے احاطے میں ایک بڑا شامیانہ تنا ہوا ہے اور شطرنجیوں کا فرش بچھا ہؤا ہے اور بہت سی بینچیں اور کرسیاں لگی ہوئی ہیں اور یہ مقام لکچر کے لیے تجویز ہؤا ہے ۔ کچھ شبہ نہیں کہ منتظموں نے اس مقام کی آراستگی اور فرش فروش اور بینچیں و کرسیاں جمع کرنے میں نہایت محنت و تکلیف گوارا کی ہوگی ۔ اور اس کو نہایت عمدگی سے آراستہ بھی کیا تھا ، مگر افسوس ہے کہ لکچر کے لیے وہ جگہ مناسب نہ تھی ۔

خیر ہم سب نہایت آرام سے اس کوٹھی میں ٹھہرے ۔ نہائے دھوئے ، کپڑے بدلے ، کھانے کے کمرے میں گئے جہاں نہایت عمدگی و لیاقت سے میز پر کھانا چنا ہؤا تھا ۔ جناب سردار یار محمد خاں صاحب نہایت شفقت و عنایت سے مراسمِ میزبانی ادا فرماتے تھے ۔ ہم سب نے کھانا کھایا اور پھر ڈرینگ روم میں آ بیٹھے اور لکچر کے وقت کا ، جو چار بجے قرار پایا تھا ، انتظار کر رہے تھے۔

لکچر کے وقت معیّن سے پہلے جناب کرنیل ینگ صاحب بہادر کمشنر اور سردار بکرماں سنگھ بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی اور برون صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور پادری وائی کاف صاحب اور پادری گولک ناتھ صاحب سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے اور ادھر آدھر کی بات چیت ہوتی رہی ۔ شامیانے کے نیچے بہت سے لوگوں کا جمع ہونا شروع ہوگیا تھا ۔ منتظموں نے جس قدر لوگوں کے جمع ہونے کا خیال کیا تھا ، اس سے بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے تھے ۔

جالندھر کی مجلس اسلامی کی جانب سے سید صاحب کی خدمت میں اڈریس پیش ہوئے ۔ اور لکچر دینے کا ایک ہی وقت بزرگان جالندھر نے مقرر کیا تھا جو مناسب نہ تھا ۔ اور آخر کار اسی سبب سے جالندھر میں اور نیز لاہور میں دونوں جگہ خرابی ہوگئی ۔

جب کہ ٹھیک چار بجے سردار یار محمد خاں صاحب کمرے میں تشریف لائے اور سید صاحب سے مقام لکچر میں چلنے کو کہا ، ہم سب وہاں گئے ۔ سب حاضرین نے نہایت دلی جوش سے چیرز دی ۔ اول سید صاحب کی ممبران میونسپل کمیٹی جالندھر و دیگر رؤساء و عمایدین سے ملاقات ہوئی اور سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔ صاحب کمشنر بہادر سید صاحب کے پاس تشریف فرما ہوئے ، مگر خلقت کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ دم بدم بڑھتا جاتا تھا ۔ ہر کس و ناکس کا ایک مجمع کثیر اکٹھا ہوگیا جس کی تعداد کئی ہزار آدمی لوگ خیال کرتے ہیں ۔ انتظام میں کسی قدر بے لطفی ہوئی ۔ بہر حال جوں توں کرکے اُردو اڈریس پیش ہوئی اور منشی سید دلاور علی صاحب نے نہایت بلند آواز اور فصاحت سے اس کو پڑھا ۔ اس کے بعد فقیر ظفرالدین صاحب نے اس اڈریس کا انگریزی ترجمہ

پڑھا ۔ اس وقت لوگوں کی کثرت اور زیادہ ہوگئی تھی اور لوگوں کی آواز بھی بند نہ ہوتی تھی ۔ اس غل میں انگریزی اڈریس ان لوگوں میں سے بھی بہت کم نے سنی جو قریب تر بیٹھے ہوئے تھے ۔

اس کے بعد ہائی اسکول جالندھر کے طالب علموں کی جانب سے ایک اڈریس پیش ہوئی اور رائے بھگت رام صاحب خلف رائے سالگرام صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس جالندھر ، طالب علم ہائی اسکول نے اس کو پڑھا ۔ سید صاحب بھی نہایت مشکل سے اس اڈریس کو سن سکے ۔ وہ اڈریسیں جو پیش ہوئیں ، ذیل میں مندرج ہیں :

اڈریس انجمن اسلامیہ

بخدمت عالی جناب جواد الدولہ ، عارف جنگ آنریبل
مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر ، سی ۔ ایس ۔ آئی ۔

''ہمارے آنریبل سید !

ہم ممبران انجمن اسلامیہ جالندھر اس ضلع کے مسلمانوں کی طرف سے خصوصاً اور دیگر باشندوں کی جانب سے عموماً آپ کی اس توجہ کا شکریہ تہِ دل سے ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری درخواست کو قبول فرمایا اور آج ہم کو اپنی تشریف آوری سے اس سپاسنامے کے ذریعے سے اپنی محبت اور اخلاص دلی ظاہر کرنے کا موقع دیا ۔

اس وقت ہم آپ کو اس جلسے میں رونق افروز دیکھ کر

نہایت مسرت اور خوشی سے اپنے آپ کو اور اپنے شہر و ضلع کو مبارکباد دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''مبارک ہے گورنمنٹ اور قوم کا خیر خواہ'' ۔

آپ کی ذات بابرکات سے جو کارہائے نمایاں اور نیک کارروائیاں گورنمنٹ انگلشیہ دام اقبالہ کی خیرخواہی اور قوم و ملک کی بہتری کے لیے وقوع میں آئی ہیں ، اس موقع پر ان سب کا شمار کرنا ہمارا کام نہیں ، لیکن اگر ہم ان سب کے لحاظ سے آپ کی ذات پر فخر کریں تو نازیبا نہ ہوگا ۔

ہندوستان میں قومی ہمدردی کا لفظ گذشتہ صدی میں پہلے پہل آپ ہی کی زبان مبارک پر آیا اور آپ نے اسے نہایت عمدہ اسلوب سے علمی اور عملی طور پر اس وقت تک نبھایا ۔ وقتاً فوقتاً ہر ایک موقع پر مسلمان فرماں پذیر قوم کو گورنمنٹ کی منشاء مبارک سے مطلع کرنا اور گورنمنٹ کو قوم کی حالت زار پر توجہ دلانا اور ان کے ضروری مطالب و مقاصد کو نہایت عجز کے ساتھ پیش کرنا آپ کا معمولی کام رہا ہے جو خیر خواہ ملک کا بھاری فرض ہے ۔

جب آپ نے مسلمانوں کو علمی ترقی کے لحاظ سے بہت پست حالت میں دیکھا تو انہیں گورنمنٹ کے اس فیضان عام سے مستفیض ہونے کی پوری رغبت دلائی ۔ پھر جب آپ نے بعض لحاظ سے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسلامی کالج قایم کرنے کی ضرورت دیکھی تو لندن میں جا کر وہاں کی یونیورسٹیوں کو دیکھا اور ان کے نمونے پر علی گڈھ میں مدرسۃ العلوم للمسلمین کی بنا ڈالی ۔

اگرچہ اسلامی سلطنتوں کے مختلف عہدوں میں بغداد اور

اندلس وغیرہ میں بڑے بڑے اسلامی بیت العلوم قایم تھے لیکن مفلس قوم سے بھیک مانگ کر بیت العلوم قایم کرنا آپ ہی کا کام ہے جو غالباً دیر تک صفحۂ تاریخ پر آپ کے نام نامی کے ساتھ یادگار رہے گا ۔

ہم اس سے بھی غافل نہیں ہیں کہ کمال قومی ہمدردی نے آپ کو اس امر پر آمادہ کیا ہے کہ جس طرح معزز اور تونگر لوگوں کے لڑکے لندن میں جا کر امتحان سول سروس کے بعد معزز عہدوں پر ممتاز ہوتے ہیں ، اسی طرح سے مفلس اور غریب مسلمانوں کے بچے بھی گورنمنٹ کے اس فیض سے محروم نہ رہیں ۔ یہ بھی آپ ہی کی ہمت کا مقتضی ہے ۔

آپ نے ممبر کونسل ہونے کے زمانے میں بھی قوم کو فراموش نہیں کیا ۔ ٹیکے اور قاضیوں کا ایکٹ اس امر پر کافی دلیل ہے ۔

اہل ہنود اور عیسائی صاحبوں کو بھی آپ نے ہمیشہ نظر مساوات سے دیکھا ہے اور ہم قوم سمجھا ہے ۔ چنانچہ مدرسۃالعلوم میں ہندو اور عیسائی طالب العلموں کے سب حقوق مسلمانوں کے برابر رکھے گئے ہیں ۔ اس لیے اہل ہنود اور عیسائی صاحبان بھی آپ کی بے تعصبی کے شکرگزار ہیں ۔

ممبر کونسل ہونے کے زمانے میں جو رائیں ملکی معاملات میں آپ ظاہر فرماتے رہے ہیں ، اکثر اہل ہنود ان کی قدر کرتے رہے ہیں ، بلکہ بعض ہندو اہل الرائے اپنے بعض ہم مذہب ممبروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہیں ۔

اب جو آپ نے محض قومی ہمدردی کے لیے پنجاب کا سفر فرمایا اور ہم لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع دیا ، اس

لیے ہم لوگ اس سپاسنامے کے ذریعے سے اپنی خوشنودی اور شکر گزاری ظاہر کر کے آپ کو اطمینان دلانا چاہتے ہیں کہ عموماً قوم کے اہل الرائے آپ کے کارناموں کو غور کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے حسن و قبح کو سوچتے ہیں اور یہی امر کامیابی کی دلیل ہے -

ہم لوگ امید رکھتے ہیں کہ قوم کی کم توجہی کے وہم سے آپ کی عالی ہمتی اور قومی خیر خواہی میں کسی طرح کا فرق نہیں آئے گا اور اس انجمن پر آپ ہمیشہ بزرگانہ توجہات مبذول فرماتے رہیں گے -

اخیر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آزادی بخشنے والی گورنمنٹ کا سایۂ ہما پایہ ہمارے سر پر ہمیشہ قایم رکھے اور اس کے زیر سایہ ہماری قوم اور گورنمنٹ کے خیر خواہ کی کارروائیوں میں برکت دے - ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد -

آپ کا مخلص ، انجمن کا خیر اندیش

یار محمد خاں عفی عنہ

اکسٹرا اسسٹنٹ"

To

THE HON'BLE

MAULVI SAIYAD AHMED KHAN,

BAHADUR, C. S. I.

Sir,

We, the members of the Anjuman-i-Islamia of

Jullundur, desire on this occasion to express on behalf of the Mahomedan residents of this District especially and on behalf of others generally, the sincere gratitude we owe you, for permitting us to offer this address to you, and to evince the high regard and esteem we cherish for you.

We cannot help congratulating ourselves and the residents of this city and District generally, in as much as we have the good fortune of having you in the midst of us now, and we would give vent to our feelings by exclaiming blessed is he who is loyal to the crown and who is a well-wisher of the nation to which he belongs.

It is not within our province to recount the numerous deeds by which you have, during your career in life, eminently evinced your loyalty to Government, and your desire to promote the welfare of your country; but it would not be inappropriate in us to feel proud of you with reference to them, as we cannot refrain from doing.

It was in the latter part of the last century of our era that we learnt from you what it is to be patriotic, and you have by your example shewn us what it is to be really patriotic in practice as well as in theory. Your main object has invariably been, on the one hand to make known to the loyal Mahomedan subjects of this country the benevolent intentions of Government with regard to them, and on the other to bring to the notice of Government, with prudence and ability, their condition and wants which is eminently the prerogative of all who love their country.

When you found the Mahomedans of this country sunk in ignorance, you endeavoured to instil in them the desire of availing themselves of the liberality of Government as regards the diffusion of knowledge among the masses, and when you felt convinced on several grounds that a separate College should be established for Mahomedans, you undertook to visit England and to inspect the Colleges and Universities of the country; and on your return thence laid the foundation of a grand Mahomedan Institution at Aligarh on the model of English Schools.

There were great Educational establishments in Turkey and Spain when the Mahomedans were in power, but they were maintained at State expense. In these days we know of no instance among our countrymen, of any one attempting to establish an institution by the charitable contributions of the public, and this you only have succeeded in doing and for this great deed your name "will run down in history and posterity will turn to you a reverential eye."

We are fully aware that purely patriotic feelings impelled you to wish that just as the sons of the rich and respectable people of this country obtain high Government appointments by prosecuting their studies and passing the Civil Service Examination in England, the sons of the comparatively poorer classes should have similar advantages in this country by being brought up in the institution you have established.

When a member of the Legislative Council you

were not unmindful of the interests of the Mahomedans, as is evinced by your endeavours to have the Qazees and Vaccination Acts passed.

You have been equally mindful of the interests of Hindus and Christians, who are not debarred from reaping the benefits of the Institution you have established. They too are therefore grateful to you for your unprejudicial feeling of benevolence towards them. The opinions, you expressed on questions affecting the rights of people of this country, while a member of the Legislative Council, were considered weighty and sound by the Hindus, and they gave you preference to the Hindu Members of the Council as a representative of their interests.

We now wish to express our sincere gratitude and thankfulness to you for your visit to the Panjab, which is purely owing to your disinterested and patriotic feeling and for giving us the opportunity of expressing the high regard and esteem we cherish for you by means of this address, and we would humbly assure you that the wise and prudent throughout the nation, appreciate highly all that you have done for your country and have begun to ponder on it seriously. This, we would venture to say, is sufficient evidence of your eminent success.

We sincerly trust that if ever you find that your actions are not appreciated in the light they ought to be, you will impute the circumstance to the ignorance which prevails among the people and not consider it as one calculated to thwart your noble aspirations for pro-

moting the welfare of your country, and that you will continue to be kind and considerate to this humble Community of Mahomedans.

We shall conclude with the prayer that the protection of our benign Government, which always emboldens us to act independently, will rest on us and crown with success the efforts of the well-wisher of our country and nation.

We remain.
Sir,
Your Obedient Servants,
the Members of the Anjuman-i-,
Islamia of Jullundur.

Jullundur,
24th January, 1884.

اڈریس از جانب طلبائے گورنمنٹ اسکول جالندھر

''جناب سید صاحب ، نجم الہند!

میں کل طلبائے گورنمنٹ اسکول کی طرف سے جناب سید صاحب بہادر نجم الہند کا ان تکالیف کی عوض ، جو انھوں نے جالندھر تشریف لانے میں برداشت کی ہیں ، تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں - ہم جناب سید صاحب بہادر کو آن امید بھری آنکھوں سے دیکھتے ہیں جس طرح عرب میں دھوپ سے جلا ہؤا قافلہ ایک سرسبز اور

شاداب نخلستان کی طرف نگاہ کرتا ہے -

جناب سید صاحب صرف ایک قوم یا ایک خاص فرقے کے ہی مددگار نہیں ہیں ، بلکہ وہ جناب بابو کیشب چندر سین اور سری سوامی دیانند سرستی کے پیروؤں کو بھی اسی نظر عنایت سے دیکھتے ہیں کیونکہ وہ خاص مسلمانوں کے ہی معاون نہیں ہیں بلکہ وہ کل ملک کے مددگار ، کل ہندوستان کے جان نثار ہیں - آج کا دن جالندھر کے واسطے عموماً اور ہم طلباء کے واسطے خصوصاً ایک مبارک دن ہے جس میں ہم کو ایک حامی قوم اور معاون ملک بزرگ کی زیارت نصیب ہوئی -

بندہ بھگت رام

طالبعلم گورنمنٹ اسکول جالندھر ، جماعت پنجم"

ان اڈریسوں کے ختم ہونے پر شوروغل زیادہ ہوگیا - ہرچند لوگ چپ کرانا چاہتے تھے مگر غل بند نہ ہوتا تھا - آخر کار سید صاحب اڈریسوں کا جواب دینے کو کھڑے ہوئے - ان کو دو اڈریسوں کا جواب دینا تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ ان اڈریسوں کا اور خصوصاً طالب علموں کی اڈریس کا جواب کسی قدر طویل دیا جاوے - انھوں نے اڈریسوں کا جواب اس طرح پر شروع کیا -

تقریر سید صاحب ان کے اڈریسوں کے جواب میں

"پریسیڈنٹ و دیگر بزرگان !

بزرگان و رئیسان جالندھر نے جو کچھ مجھ ناچیز کی قدر و منزلت کی ہے اور جس مہربانی و محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہیں میں اس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - اے دوستو ! جو کچھ آپ نے میری خدمات قومی کا ذکر کیا ہے اور آپ نے براہ قدردانی اس کی تعریف کی ہے ، میں یقین کرتا ہوں کہ وہ آپ نے صرف براہ محبت و عنایت فرمایا ہے - اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایسے شخص کی نسبت کہا گیا ہے جو اس کا استحقاق نہیں رکھتا - مجھ کو آپ لوگوں کا یہ جوش ہمدردی دیکھ کر خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس ملک کے ہندو و مسلمانوں کو اس بات کا خیال اور جوش پیدا ہوا ہے کہ جس شخص کی نسبت وہ صحیح یا غلط طور پر خیال کرتے ہیں کہ وہ کچھ قومی خدمت کرتا ہے ، اس کو تعریف کا مستحق سمجھتے ہیں - میں تو کسی طرح سے اس تعریف کا سزاوار نہیں ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگلے زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو واقعی اس تعریف کے مستحق ہوں گے جو آپ نے آج ایک ایسے شخص کی نسبت کی ہے جو حقیقت میں اس کا مستحق نہیں ہے - اے حضرات ! آپ نے جو کچھ میری اس عزت کا ذکر کیا ہے جو برٹش گورنمنٹ سے مجھ کو عنایت ہوئی ہے ، اس کی بابت مجھ کو چند الفاظ کہنے ضروری ہیں - میں اپنی عالی قدر گورنمنٹ کا شکر گزار ہوں جس نے میری ناچیز خدمتوں کی عزت کی ، مجھے بہت سے خطاب دیے ، ٹیٹل دیے ، عزت دی - مگر آپ یقین سمجھیے کہ میں اپنے اس قومی خطاب کو ، جو قوم براہ مہربانی مجھے دیتی ہے ، اس سے بہت زیادہ معزز سمجھتا ہوں (چیرز) - جو کچھ میری ناچیز خدمات کا ، جو بحیثیت ملازم یا رعایا گورنمنٹ ہونے کے آپ

نے ذکر کیا ہے ، اس میں آپ مجھے معاف کیجیے گا کہ کچھ غلطی ہوئی ہے ۔ میں نے گورنمنٹ کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ جو کچھ میں نے کیا ہے ، وہ میں نے اپنے پاک مذہب اور سچے ہادی کے حکم کی تعمیل کی ہے ۔ ہمارے سچے ہادی نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ تم جس گورنمنٹ کے امن میں ہو اس کی اطاعت کرو ، اس کے خیر خواہ اور وفادار رہو ۔ پس جو کچھ کہ گورنمنٹ کی خدمت مجھ سے ہوئی ہو وہ حقیقت میں میرے مذہب کی خدمت تھی ۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے پیشوا نے کیا کہا تھا ۔ اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ حاکم وقت ، بادشاہ وقت کی اطاعت کرو : ''و لوکان عبداً حبشیاً''۔ پس آپ خیال کیجیے کہ جب ہم کو ایک کالے منہ کے غلام بادشاہ کی اطاعت کی ہدایت کی گئی ہے تو ہم ان گورے منہ والے حاکموں کی اطاعت سے کیوں منہ پھیریں ۔''

جس وقت ان گورے منہ والے حاکموں کا لفظ سید صاحب کی زبان سے نکلا تو انھوں نے مسٹر ینگ کمشنر کی طرف اشارہ کیا ۔ اس وقت مسٹر ینگ نے نہایت اخلاق سے بطور اشارہ شکریہ کے اپنی ٹوپی سر پر سے کسی قدر اتار لی ۔

اس فقرے پر اور لوگوں نے بھی نہایت زور سے چیرز دی اور تالیاں بجائیں ۔ جو لوگ پیچھے کھڑے ہوئے تھے، انھوں نے اس شوق میں کہ کیا ہو رہا ہے ، آگے بڑھ آنے کا قصد کیا اور دھکا پیل سے تمام انتظام میں ابتری پڑ گئی اور غل اس قدر ہوگیا کہ کہنے والے کی بات بھی سنائی نہ دیتی تھی ۔ تھوڑی دیر سید صاحب کھڑے رہے کہ اگر غل موقوف ہو تو وہ اور کچھ کہیں مگر غل موقوف نہ ہؤا ۔ جناب صاحب کمشنر بہادر خود اٹھے اور غل بند ہونے اور لوگوں کے بیٹھ جانے کی کوشش کی مگر کچھ فائدہ

نہ ہؤا ۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرکے سید صاحب کرسی پر بیٹھ گئے، اس انتظار میں کہ اگر انتظام ہو جاوے تو وہ پھر کھڑے ہوں ۔ حقیقت میں وہاں عام لوگ نہیں بلکہ عوام کثرت سے گھس آئے تھے جن کو لیکچر سننے سے کچھ بھی تعلق نہ تھا ۔ صاحب کمشنر نے سید صاحب سے کہا کہ یہ عوام لوگ جاہل محض کیوں چلے آئے ہیں ؟ سید صاحب نے کہا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ریچھ کے ناچنے کا تماشا ہے اس لیے گھس آئے ہیں اور ہر شخص آگے بڑھ کر اس کو دیکھنا چاہتا ہے ۔

جب دیر ہو گئی اور انتظام کے ہونے کی توقع نہ رہی تو سید صاحب اور صاحب کمشنر بہادر اٹھ گئے اور مجلس کا خاتمہ ہوگیا ۔ سید صاحب جناب صاحب کمشنر کے ساتھ ہوا کھانے چلے گئے اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی میں جا کر چائے پی ۔ قریب مغرب کے جناب صاحب کمشنر بہادر ان کو کوٹھی قیام گاہ میں پہنچا گئے ۔

صاحب کمشنر بہادر کو اس بے انتظامی کا افسوس ہؤا ۔ ان کے نزدیک لکچر ٹاؤن ہال میں ہونا چاہیے تھا جس میں ہر طرح کی خوبی تھی اور ہر طرح کا انتظام ہو سکتا تھا ۔ ان کو اس بات کا نہایت افسوس تھا کہ منتظموں نے ان سے کیوں نہ کہا تاکہ وہ خود ٹاؤن ہال میں بخوبی لکچر ہونے کا انتظام کر دیتے ۔

اس لکچر کے نہ ہونے کا در حقیقت نہایت افسوس ہے ۔ انجمن اسلامیہ جالندھر کی طرف سے سید صاحب کو لکھا گیا تھا کہ وہ اپنے لکچر میں اسلام کی گزشتہ اور موجودہ اور آیندہ حالت کی نسبت بھی کچھ بیان کریں ، اس لیے سید صاحب نے جالندھر

کے لکچر میں مندرجہ مضامین پر لکچر کا دینا قرار دیا تھا ۔

۱ - اسلام کی گذشتہ اور موجودہ حالت اور ترقیِ آئندہ کی سبیل ۔

۲ - قومی تعلیم اور یہ کہ وہ کیونکر ہو سکتی ہے ؟

۳ - اتفاقِ باہمی کی ضرورت مسلمانوں میں آپس میں اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں ۔

۴ - مسلمانوں کی سوشیل حالت آپس میں اور اس کے برتاؤ کی موجودہ حالت مسلمانوں اور انگریزوں میں اور اس کی ترقی کی ضرورت ۔

سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اس لکچر کو بھی پورا پورا لکھ لیں ۔ چنانچہ پہلا مضمون انھوں نے لکھ لیا تھا اور دوسرے مضمون کا بھی کچھ حصہ لکھا گیا تھا ، باقی لکچر ناتمام تھا جس کو وہ زبانی بیان کرتے ۔

سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اس ناتمام لکچر کو چاک کر دیں مگر ان کے دوستوں نے اصرار کیا کہ جس قدر لکھا ہؤا ہے یہ بھی نہایت عمدہ ہے ، اسی قدر کو اس مقام پر چھاپ دیا جاوے ۔ چنانچہ وہ ناتمام مسودہ انھوں نے عنایت کیا جس کو ہم بجنسہ اس مقام پر ثبت کرتے ہیں ۔ بزرگانِ جالندھر یقینی میرے ممنون ہوں گے کہ اگرچہ اتفاقات سے نہایت ضروری مضامین پر سید صاحب کا لکچر ان کے شہر میں نہ ہؤا مگر میں اس کا ایک حصہ اس رسالے کے ذریعے سے ان تک پہنچاتا ہوں ۔

ناتمام مجوزہ اور غیرمسلوا[1] لکچر مقام جالندھر کا

''صدر انجمن و دیگر بزرگان !

آج مجھ کو آپ صاحبوں کی خدمت میں کھڑے رہنے سے نہایت خوشی ہے ۔ میں آپ صاحبوں کی اس عنایت و محبت کا شکر کرتا ہوں جس سے آپ نے مجھ کو یہاں بلایا ہے ۔ اور آپ صاحبوں کے ارشاد کی تعمیل سے جو افتخار مجھ کو حاصل ہؤا ہے ، وہ ہمیشہ میرے لیے عزت کا باعث ہوگا ۔ مسلمانوں کا مجمع میرے دل کو نہایت خوش کرنے والا اور ان کی ترقی کے خیالات میری روح کو نہ صرف اس زندگی میں بلکہ آیندہ زندگی میں بھی تر و تازہ رکھنے والے ہیں ، الحمد للہ کہ میں یہ دونوں باتیں یہاں پاتا ہوں ۔

بزرگان من ! اکثر بزرگوں کو اسلام کی گزشتہ اور موجودہ حالت اور ترقی آیندہ کی سبیل کی تفتیش رہتی ہے ۔ اسلام کا لفظ اور اس کی گزشتہ اور موجودہ حالت اور ترقی آیندہ کی سبیل کی تفتیش سن کر مجھ کو تعجب ہوتا ہے ۔ اسلام ایک لازوال نور ہے جو ہمیشہ سے روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا ۔ اسلام خود خدا کا نور ہے جو مثل اس کی ذات کے ازلی و ابدی ہے ۔ یہی نور اسلام آدم کے سینے میں تھا ، اسی نور اسلام نے نوح اور شیث اور یعقوب و ابراہیم ، موسیٰ و یحییٰ و عیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو منور کیا تھا ۔ یہی نور اسلام ہے جو فاران کے پہاڑ پر چمکا اور اسمٰعیل کے دل میں اترا اور اس کنکریلی ریتیلی زمین کو منور کیا جس کو ہم عرب یا حجاز کہتے ہیں ۔ وہیں اس نے اپنا گھر بنایا ۔

۱- جو پڑھا نہ جا سکا ۔

اور ابراہیم نے کہا جب کہ وہ اور اسمٰعیل اس گھر کی دیواروں کو اٹھا رہے تھے: ''ربّنا تقبّل منّا انک انت السمیع العلیم''۔ خدا نے اس کو قبول کیا ۔ پس وہ مقبول ہے اور ہمیشہ مقبول رہے گا ۔ اسی نور نے آخر کار سینۂ مبارک محمد رسول اللہ صلعم سے ظہور کیا ۔ وہ نور نہ کسی خاص قوم کے لیے مخصوص تھا ، نہ کسی خاص ملک کے لیے ۔ وہ تمام دنیا کے لیے روشنی تھا اور روشنی ہے اور روشنی رہے گا ۔ ہر ایک مسلمان کے سینے میں وہی نور ہے ۔ اس میں نہ کبھی تغیّر ہؤا ہے نہ ہوگا ۔ اختلافِ فرق سے ، جو مذہبِ اسلام میں دکھائی دیتے ہیں ، اس نور میں کچھ نقصان نہیں آتا ۔ تھوڑی دیر کے لیے اسلام کے تمام مختلف فرقوں کا تصور کرو اور تمام مختلف باتوں یا مسئلوں کو حذف کرتے جاؤ ، حذف کرتے کرتے بہت کچھ باقی رہ جاوے گا جس پر سب فرقے متحد ہوں گے ۔ پس وہی نور اسلام ہے جو باوصف اختلافات کے سب میں بلا نقصان کے منّور ہے ۔

مختلف فرقوں کے باہمی مباحثے اور ایک دوسرے کی تکفیر اس پاک نور میں کچھ نقصان نہیں ڈالتی ، بلکہ اس کو اور زیادہ منور کرتی ہے ۔ ایک مسلمان فلاسفر یا یوں کہو کہ ایک بد بخت نیچری یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کو اگر دلایلِ عقلی اور مسایلِ علمی سے تطبیق دے کر استحکام دیا جاوے تو ان کے دلوں میں ، جو علمی تحقیقاتوں پر وثوق رکھتے ہیں ، زیادہ تر مؤثر ہوگا ۔ ایک مقدس عابد و زاہد خدا پرست سیدھا سادہ مولوی اس کی تکفیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدائی باتوں تک انسان کی ناقص عقل نہیں پہنچتی ، مذہبی باتوں کو بغیر عقل کی مداخلت کے ماننا چاہیے ۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو پہلے شخص کی باتوں سے تسکین ہوتی ہے ، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے مقدس بزرگ کی باتوں پر

ایمان رکھتے ہیں مگر باوجود اس اختلاف کے نورِ اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کے دو مختلف رستے ہیں مگر در حقیقت یہ ایک غلطی ہے۔ وہ دونوں اسی ایک نور کے حامی ہیں اور ان دونوں کی کوششیں ایک ہی مقصد اور ایک ہی منزل کو پہنچتی۔ ہیں ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پکڑا آنا اور حضرت ابوذر کا کہنا: ''لا واللہ صاحب الال کافر'' اور حضرت عمر کا فرمانا: ''لولا رجعت من ہذا لا جلدنک'' ثم قول ابی ذر '' افعل ماشئت انی سمعت عن حبیبی محمد رسول اللہ صاحب الال کافر و انا علیہ مادمت حیا'' فاخرجہ عمر رضی اللہ عنہ عن بلد حبیبہ صلعم فہذہ کلہا فی الظاہر متناقضۃ لکن من کلیہما یضی نور الاسلام اعلیٰ من ضیاء الشمس فی نصف النہار۔''
پس اے بھائیو تم اسلام کی گزشتہ اور موجودہ حالت کیا پوچھتے ہو اور اس کی آیندہ ترقی کی سبیل کیا سوچتے ہو۔ وہ خدا کا نور ہے، وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا، وہ پورا ہے اور پورا ہوگا، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

ہاں اگر تمہاری مراد اسلام سے اہلِ اسلام ہے تو بلا شبہ ان کی گزشتہ اور موجودہ اور آیندہ حالت نہایت دل خراش ہے۔ اسلام مٹی کی یا چینی کی کوئی مورت نہیں ہے جو سب کو دکھائی دے۔ اسلام کی حالت مسلمانوں کی حالت سے دکھائی دیتی ہے۔ اگر ان کی حالت اچھی ہے تو اسلام کی حالت بھی اچھی ہے، اگر ان کی حالت بری ہے تو اسلام کی حالت بھی بری ہے۔ انسان کی اچھی اور بری حالت کا ہونا دو امر سے متعلق ہے: ایک اخلاقی دوسرے تمدنی یعنی دنیاوی۔

اخلاقی حالت کے بھی دو حصے ہیں: ایک وہ ہے جس پر نجات

عقبیٰ منحصر ہے ، دوسرا وہ ہے جو دنیا میں لوگوں پر نیک اثر ڈالنے والا اور نیکی کا نمونہ بن کر لوگوں کو نیکی کی راہ بتانے والا ہے اور عقبیٰ میں اعلیٰ درجات پر پہنچانے والا ۔

میں یقین کرتا ہوں کہ پہلا حصہ تمام مسلمانوں کو ، جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر یقین کرتے ہیں ، حاصل ہے ۔ اس باب میں تمام اہلِ اسلام ، جو سابق میں گزرے اور جو اب موجود ہیں اور جو آیندہ ہوں گے ، سب برابر ہیں ۔ دوسرے حصے میں البتہ نہایت تفاوت درجات ہیں ۔ اگلے زمانے میں نہایت بزرگ اور مقدس باخدا ولی اللہ گزرے ہیں جن کے انفاس کی برکت سے لوگوں نے بہت کچھ ہدایت پائی ہے ۔ ان کی برکت سے ہزاروں انسانوں کے دلوں میں نور خدا کی روشنی پیدا ہوئی ہے ۔ انھوں نے اپنے تئیں مجسم نیکی بنا کر اسلام کو اور اس کی خوبیوں کو مجسم کر دکھلایا ہے ۔ وہ ہمارے سرتاج تھے ۔ ان سے ہمیشہ ہم کو اور ہماری قوم کو افتخار کا باعث ہوگا ۔ افسوس ہے کہ بظاہر ایسے بزرگوں سے ہمارا زمانہ خالی ہے یا شاید ہماری آنکھیں اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ایسے بزرگوں کو دیکھیں ۔ اس باب میں میں آیندہ کے لیے پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ ہماری قوم میں ایسے مقدس و بزرگ لوگ پیدا ہوں گے یا نہیں ۔ مگر میں خدا کی رحمت سے نا اُمید بھی نہیں ہوں ۔ اے دوستو! جب کہ ہم کو یقینِ کامل ہے کہ ہم نجات پاویں گے ، پھر ہم کو اور کیا چاہیے ؟ فرض کرو کہ ہم کو اعلیٰ درجات عقبیٰ کے نہ ملیں گے لیکن ایک ذرا سا ہی کونہ بہشت کا مل جاوے گا تو وہ کیا کچھ کم ہوگا ؟ مجھ سے تو اقرار نامہ لکھوا لو کہ مجھے تو بہشت میں پھونس کی ایک جھونپڑیا کافی ہوگی ۔

عقبیٰ سے تو ہم کو بالکل طمانیت اور دلی تسلی ہے ۔ جو کچھ فکر و تردد ہے وہ تمدنی حالت کا ہے ۔ اگر ہماری دنیاوی حالت ذلیل ہوگی تو اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلّت ہے ۔ ہم کو اپنی دنیاوی حالت کے درست کرنے میں کوشش کرنی چاہیے ۔ نہ دنیا کے لیے بلکہ دین کے لیے ، نہ اپنے لیے بلکہ خدا کے لیے ۔

ہمارے بزرگوں نے اس دنیا میں ، کیا علم میں اور کیا عمل میں ، کیا دولت میں اور کیا حکومت میں ، کیا شان میں اور کیا شوکت میں ، کیا رزم میں اور کیا بزم میں ، کیسا کچھ اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا جس کے سبب تمام قوموں میں معزز تھے اور اسلام کی شان ان سے دیکھائی دیتی تھی ۔ اب ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف کو بٹّہ لگاتے ہیں ۔ نہ ہمارے پاس دولت ہے نہ حکومت ، نہ علم ہے نہ فضیلت ، نہ زر ہے نہ زور ہے ۔ سب سے ذلیل اور تمام قوموں سے بدتر ہیں ۔ ہر ایک ہم کو ٹھکراتا چلتا ہے ۔ ہمارا سر ہر ایک کے پاؤں کے تلے اور ہر ایک کا پاؤں ہمارے سر پر ہے ۔ اے دوستو ! تم یقین جان لو کہ جو شخص خدا کی خوشنودی چاہتا ہے ، جو شخص ثواب آخرت کا طالب ہے ، جو شخص بهشت میں اپنے لیے ایک موتی کا محل بنانا چاہتا ہے ، جو شخص قوم کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہتا ہے ، اس کا فرض ہے کہ اپنی قوم کو اس ذلیل حالت سے نکالنے میں کوشش کرے ۔ تم مسجدیں بناتے ہو بغیر اس کوشش کے کہ اس میں نماز پڑھنے والے بھی قایم رہیں ، تم خانقاہیں بناتے ہو اور ان میں عبادت کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کی سلامتی کی فکر نہیں کرتے ۔ تم خدا کا گھر اینٹ مٹی سے بنانے پر رغبت رکھتے ہو اور زندہ خانۂ زندہ خدا کی زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ۔ ہوشیار ہو ، خبردار ہو ، جان لو ، کوئی عبادت ، کوئی

خیرات ، کوئی خیر جاری قومی ہمدردی سے بہتر نہیں ۔

اے بھائیو ! قوم کی موجودہ حالت تو تمہارے سامنے ہے ۔ اس کی آیندہ حالت تمہارے ہاتھ ہے ۔ اگر تم فیاضی کروگے ، قوم کے ساتھ ہمدردی کروگے ، اس کی آیندہ حالت درست ہو جاوے گی ۔ اگر بے پرواہی کروگے ، نفسا نفسی میں پڑوگے ، قوم کی حالت روز بروز ذلیل و خوار و ابتر ہوتی جاوے گی ۔ مگر اے دوستو ! میری بات سن لو ، میں سچ کہتا ہوں ، سچی بات کڑوی لگتی ہے ۔ میں نہایت دل سوزی سے تم کو سخت لفظوں میں سمجھاتا ہوں کہ اگر تم قوم کی بھلائی میں کوشش نہ کروگے تو تمہاری آیندہ نسلیں اپنے اسلاف کو کوسیں گی اور خود تمہاری روحیں اپنی اولاد کو ذلّت کی حالت میں دیکھ کر قبروں میں تڑپیں گی ، پھر وہ عذاب ان کو دوزخ کے عذاب سے بھی زیادہ تر سخت معلوم ہوگا ۔ برائے خدا سمجھو ! اپنی جان پر ، اپنی ارلاد کی جان پر ، اپنی ارواح پر رحم کرو اور قوم کی بھلائی پر متوجہ ہو ۔

دوستانِ من ! قوم کی بھلائی اور ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ زمانے کے مناسب ان کی ترقی کے اسباب جمع کیے جاویں ۔ اس زمانے میں قومی ترقی صرف زمانے کی حاجتوں کے موافق تعلیم پر منحصر ہے ۔ ہم کو دینیات کی تعلیم اپنے عقاید ، اپنا مذہب درست رکھنے کے لیے کافی ہے ، سو وہ کتنی ہے ۔ تم میری بات نہ سنو ، اس کی سنو جس کی بات سننی سب پر فرض ہے ۔ رسول مقبول صلعم نے اس اعرابی سے کیا فرمایا جس نے کہا : ''یا نبی اللہ دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ ۔ قال تعبداللہ ولا تشرک بہٖ شیئاً و تقیم الصلواۃ المکتوبۃ و تودی الذکواۃ المفروضۃ و تصوم رمضان ۔ قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئاً ولا انقص ۔ فلما ولی قال

النبی صلعم من سرہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا ۱۔''
دینیات کی تعلیم تو تمام ہوئی ، اب آگے اس پر جتنی چاہو بحثیں بڑھاؤ اور جس قدر چاہو حاشیے لگاؤ ۔ دنیاوی ترقی کے لیے جو تعلیم درکار ہے ، وہ بلا شبہ پینچ در پینچ ہے ، مگر میں کہے دیتا ہوں جو تم چاہو سو کرو ، مگر جب تک تم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا سامان مہیا نہ کر لوگے اور اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے ایک عالیشان گھر نہ بناؤ گے ، جس میں بھیج کر تم اپنے بچوں کی تعلیم ، ان کی صحت کی حفاظت اور ان کے اخلاق اور عادات کی درستی ، ان کے چال چلن کی نگہبانی سے بے فکر نہ ہو جاؤ ، اس وقت تک یہ مطلب حاصل نہ ہوگا ۔ بھائیو! میں نے انھی خیالات سے توکلاً علی اللہ علی گڑھ میں ایک ایسا ہی عالیشان گھر تمھارے بچوں کے لیے بنانے کی بنیاد ڈالی ہے ۔ بہت کچھ اس میں ہو چکا ہے اور بہت کچھ ہونا باقی ہے ۔ قومی گھر قوم کی امداد بغیر قایم نہیں ہو سکتا ۔ میں اپنی قوم کے ان بزرگوں کا ، جنھوں نے اس میں مدد کی اور اپنی غیر قوم کے وطنی بھائیوں کا ، جنھوں نے فیّاضی کی اور درماندہ قوم

۱- اس حدیث نبوی کا مطلب یہ ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا : ''یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں ۔'' حضور علیہ السلام نے فرمایا:''خدا کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور دلی توجہ کے ساتھ نماز پڑھنی اور زکواۃ ادا کرنی اور رمضان کے روزے رکھنے ۔'' اس اعرابی نے کہا : ''خدا کی قسم نہ میں اس سے زیادہ کروں گا نہ کچھ کم کروں گا ۔'' جب وہ چلا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جسے اس بات کی خواہش ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے ، وہ اس شخص کو دیکھے ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

کو خیرات دی اور حق انسانیت ادا کیا ، دل سے شکرگزار ہوں۔ لیکن اگر وہ اپنی پوری مراد تک نہ پہنچے تو کیا کرایا سب اکارت ہے ۔ اے بھائیو! اگر تم کو خدا نے پلاؤ کی رکابی دی ہے تو ایک چھوٹی ہڈی اپنی قوم کے آگے بھی ڈالو ، اگر خدا نے تم کو سوکھی روٹی دی ہے تو ایک ٹکڑا اس کا اپنی قوم کے بھوکے بچوں کو بھی دو ۔ سب لوگ مل کر مدد کرو اور اس قومی گھر کو پورا کرو ۔ اور ڈرو اس دن سے جب خدا تم سے کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھ کو کھانا نہ دیا ، میں پیاسا تھا تم نے مجھ کو پانی نہ دیا ، میں حاجت مند تھا تم نے میری حاجت روائی نہیں کی ۔ خدا ان باتوں سے پاک ہے مگر وہ اس پیرائے میں تم کو سکھاتا ہے کہ قوم کی خبر لو ، قوم کی مدد کرو ، قوم کی حاجت روائی کرو ۔ تم ان باتوں کو بخوبی سمجھتے ہو ، اور اگر نہیں سمجھتے تو اب سمجھ لو ۔ آگے تم کو اختیار ہے ، چاہو کرو چاہو نہ کرو ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اے دوستو! اب میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قومی تعلیم ، اور جس تعلیم سے قومی عزت حاصل ہو ، کیوں کر ہو سکتی ہے۔''

(واضح ہو کہ اسی قدر لکچر تحریر ہؤا تھا)

رات کے وقت کھانا کھانے کے بعد بہت دوستوں سے ملاقات رہی۔ سب کو لکچر کے ملتوی ہونے کا اور بالتخصیص خان بہادر سردار یار محمد خاں صاحب اور مولوی شیخ مراد علی صاحب کو نہایت افسوس تھا ۔

مولوی شیخ مراد علی صاحب ضلع اسکول جالندھر میں اول

مدرس ہیں اور نہایت نیک با اخلاق ہیں ۔ ان کو بھی مسلمانوں کی ترقی کا دل سے خیال ہے ۔ جہاں جہاں وہ رہے ہیں ، کچھ کچھ مسلمانوں کی بہتری کے لیے انھوں نے کیا ہے ۔ جالندھر میں انھی کے باعث سے انجمن اسلامیہ قایم ہوئی ہے ۔ جہاں تک کہ ان کا مقدور ہے ، قومی بھلائی میں کوشش کرتے ہیں ۔ سید صاحب کے جالندھر آنے کی ابتداءً سلسلہ جنبانی انھوں نے ہی کی تھی ۔ دعوت کا زر چندہ جمع کرنے میں وہ بہت ساعی رہے اور جس قدر روپیہ ملا وہ انھی کی کوشش کا نتیجہ تھا ۔

احباب جالندھر ہر موقع پر اس فکر میں تھے کہ جو افسوس لکچر کے ملتوی ہو جانے سے ہے ، وہ کسی طرح رفع ہو ۔ امرتسر پہنچنے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اور سید صاحب زیادہ قیام جالندھر میں نہیں کر سکتے تھے ۔ آخرکار سید صاحب نے لاہور سے مراجعت کرتے وقت جالندھر ٹھہرنے کا وعدہ کیا ۔ یہ قرار پایا کہ سید صاحب مراجعت کے وقت سردار بکرماں سنگھ بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ کی کوٹھی میں قیام کریں گے اور انھی کی کوٹھی میں لکچر دیا جاوے گا ۔

اب ہم جالندھر کو چھوڑتے ہیں اور امرتسر کو جاتے ہیں ۔ امرتسر اور گورداسپور اور لاہور ہوتے ہوئے پھر جالندھر آویں گے اور اُس وقت کے حالات اُسی وقت لکھیں گے ۔

حالات مقام امرتسر

۲۵ - جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو سید صاحب مع اپنے ہمراہی دوستوں کے جالندھر سے روانۂ امرتسر ہوئے - احباب جالندھر نے، جن میں خان بہادر سردار یار محمد خاں صاحب اور مولوی شیخ مراد علی صاحب بھی شامل تھے، ریلوے پلیٹ فارم تک مشایعت کی - رخصت کے وقت دوبارہ جالندھر میں قیام کرنے کا مکرّر وعدہ لیا - ریل روانہ ہوئی اور سب دوست رخصت ہوئے - جب ریل کرتار پور کے اسٹیشن پر پہنچی تو لالہ رام چندر صاحب زمیندار کرتار پور اور وہاں کے اسکول کے طالب علم اور چند اور لوگ، جو براہِ مہربانی سید صاحب کے دیکھنے کو آئے تھے، اسٹیشن پر موجود تھے - سید صاحب سب سے ملے اور ان کی تشریف آوری کا شکریہ کیا - لالہ رام چندر صاحب نے آٹھ روپے نو آنے، جو بطریق چندہ جمع کیے تھے، سید صاحب کو نذر کیے - اس چندے میں مولوی سید غلام محی الدین صاحب مدرس اور طلبائے اسکول کا چندہ بھی شامل تھا جو ایسے چھوٹے اسکول کے غریب طالب علموں نے ایک ایک آنہ دو دو آنہ کرکے جمع کیا تھا - سید صاحب نے اس چندہ کو نہایت خوشی اور افتخار کے ساتھ قبول کیا اور کہا کہ مجھ کو اس چندے سے جو افتخار ہوا ہے، بڑے بڑے نوابوں کے چندے سے بھی ایسا نہیں ہوا -

جب ہم بوٹاری کے اسٹیشن پر پہنچے جہاں سے امرتسر دو اسٹیشن باقی رہتا ہے ، تو خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر و ممبر مونسپل کمیٹی سے ، جو مجلس اسلامیہ امرتسر کی طرف سے بطریق استقبال آئے تھے ، ملاقات ہوئی ۔ آن کو ہم سے مل کر اور ہم کو آن سے مل کر نہایت خوشی ہوئی ۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب دو دفعہ علی گڈھ بھی آ چکے تھے ۔ مدرسۃ العلوم کے فونڈیشن اور افتتاح عمارت جدید ، مدرسۃ العلوم کے دونوں جلسوں میں شریک تھے ۔ پرانی ملاقات نے اس تازہ ملاقات کو زیادہ تر مزیدار کر دیا تھا ۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب بھی ہماری گاڑی میں آ بیٹھے ۔ ہم سب دوستانہ باتوں میں مصروف ہوئے اور ریل چل کھڑی ہوئی ۔

اثنائے راہ میں خواجہ یوسف شاہ صاحب نے سید صاحب سے کہا کہ امرتسر کے نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی گاڑی کو اسٹیشن سے فرودگاہ تک بعوض گھوڑوں کے وہ نوجوان گھسیٹ کر لے جاویں ۔ سید صاحب نے کہا کہ ''نہایت بیجا اور نا مناسب اور ہر ایک پہلو سے محض نا واجب اور خلاف مصلحت ہے ۔ اگر یہ ارادہ فسخ نہیں ہؤا تو میں ہرگز پسند نہیں کروں گا بلکہ امرتسر میں نہ ٹھہروں گا ۔''[۱]

---

۱ ۔ تحریک خلافت کے دوران میں دہلی ، لاہور اور امرتسر وغیرہ بڑے شہروں میں نوجوانوں نے اسی طرح اپنے لیڈروں کی تعظیم کی اور بجائے گھوڑوں کے خود ان کی گاڑی کو کھینچا ۔ مگر ان لیڈروں نے سرسید کے برخلاف اس بات کو نہایت خوشی اور مسرت سے دیکھا اور بڑے اطمینان اور فخر کے ساتھ قوم کے کندھوں پر چڑھے چڑھے پھرے اور اپنی شان اسی میں سمجھی کہ قوم اس طرح آن کا استقبال کرے ۔
(محمد اسماعیل پانی پتی)

جب ہماری گاڑی امرتسر اسٹیشن کے قریب پہنچی تو بزرگان امرتسر کا ایک بڑا مجمع ، جو سید صاحب کے استقبال کو آیا تھا ، دکھائی دیا ۔ پلیٹ فارم پر حاجی غلام حسن صاحب ، جو ایجوکیشن کمیشن میں ممبر بھی تھے ، اور شیخ غلام حسن صاحب آنریری مجسٹریٹ ، منشی محکم الدین صاحب ، میاں اسد اللہ صاحب وکیل ، خواجہ احمد حسن صاحب ، میر غلام قادر صاحب بھی موجود تھے۔ سید صاحب نے تمام لوگوں سے نہایت احسان مندی بھرے دل سے ملاقات کی ۔ ایک پوری ہوٹل سید صاحب کے اور اُن کے ہمراہیوں کے ٹھہرنے کو تجویز کی گئی تھی ۔ اُس ہوٹل میں سید صاحب بمعیت خواجہ یوسف شاہ صاحب اور حسن اول و حسن مثنٰی یعنی حاجی غلام حسن صاحب اور شیخ غلام حسن صاحب کے تشریف لےگئے اور نہایت آرام سے اُترے ۔ مجلسِ اسلامیہ امرتسر نے سید صاحب کی تشریف آوری کے انتظام کا اور جو جو کچھ اُن کے لیے کرنا تھا اُس کا پروگرام چھاپ کر مشتہر کیا تھا ۔ سید صاحب نے اس کو دیکھ کر تعجب کیا کہ اُن بزرگوں نے ایک غریب آدمی کے آنے کے لیے ، جو بغرضِ گداگری آیا ہے ، کیسا کچھ اہتمام کیا ہے ۔

سید صاحب نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کسی کی دعوت نہیں کھانے کے اور صرف نقد روپیہ ہی لیں گے ، یہ قاعدہ اول ہی منزل لدھیانہ سے ٹوٹ گیا تھا ۔ خان بہادر منشی قادر بخش خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لدھیانہ اور خان بہادر سردار محمد حیات خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر گورداسپور نے قبل شروعِ سفر بذریعۂ خط و کتابت اس میں بہت تکرار کی تھی ۔ قادر بخش خان صاحب نے دو سخت اعتراض پیش کیے تھے۔ ایک

یہ کہ ہم لوگ بھی علی گڈھ آتے ہیں اور اکثر آویں گے ، پھر ہم کو بھی ضرور ہوگا کہ نہ ہم آپ کے ہاں ٹھہریں نہ کھاویں - خیر یہ بات تو ایک حجت الزامی تھی مگر جس دلیل نے کہ سید صاحب کو لاجواب کر دیا - وہ یہ تھی کہ قادر بخش خاں صاحب نے لکھا تھا کہ آپ اپنی دعوت کا نقد روپیہ اول لے لیں ، اس کے بعد آپ کو ہم لوگوں کے ہاں ٹھہرنے اور کھانا کھانے میں کیا عذر ہے - محمد حیات خاں صاحب نے ایک لطیف بات یہ لکھی کہ گورداسپور میں کوئی ہوٹل یا کوئی مقام ٹھہرنے کے لیے نہیں ہے - ڈاک بنگلہ نہایت چھوٹا ، سب لوگوں کی سمائی کے قابل نہیں ہے - معہذا چوبیس گھنٹے کے بعد سب کو وہاں سے نکال دیا جاوے گا - پس اگر میرے گھر پر نہ ٹھہرو گے تو بجز سایۂ درختاں و میدان کے آپ کو ٹھہرنے کے لیے نہ کوئی جگہ ملے گی ، نہ کھانے کو کچھ ملے گا - اتفاق سے جب گورداسپور پہنچے تو مینہ برسا تھا اور خوب ہی سردی ہو گئی تھی - اگر خان بہادر کے گھر میں نہ ہوتے تو وہاں سے زندہ نہ پھرتے - بہرحال سید صاحب کا مقصد پورا ہو گیا بلکہ بمصداق مثل مشہور کہ دوہری اور چُپڑی ہو گئی - ہر جگہ دعوتیں اور مہمانیاں بھی خوب آڑائیں اور دعوت کے نقد روپے بھی خوب لیے -

امرتسر کے مسلمانوں نے ، جن کے سرگروہ خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب رئیس اعظم امرتسر تھے، رات کے وقت ٹٹون ہال میں سید صاحب کے لیے ایک ایوننگ پارٹی دی جس میں اسٹیشن کے یورپین اور ہندوستانی عمائد اور روساء سب مدعو تھے - نہایت عمدگی اور خوش سلیقگی اور آرایش سے یہ جلسہ ہؤا - ٹٹون ہال نہایت عمدہ تھا اور روشنی بھی نہایت خوب تھی - ایک کمرے میں

انواع و اقسام کے میوہ جات اور طرح طرح کی مٹھائیوں سے اور پھولوں کے گلدستوں سے میز سجی ہوئی تھی اور ایک کمرے میں چائے اور کافی کا کافی سامان مہیا تھا ۔ سب لوگ بے تکلف کھاتے پیتے تھے اور آپس میں دوستانہ ملاقات اور ہنسی خوشی کی باتیں کرتے تھے ۔

ہم سب کو زیادہ خوشی ڈاکٹر سید حسن صاحب بلگرامی کی ملاقات سے ہوئی جو ایک مشہور خاندان بلگرام کے رکن اور جناب مولوی سید حسین صاحب بلگرامی بی ۔ اے ۔ پرائیویٹ سکرٹری ہز ہائنس نظام حیدر آباد کے بھائی ہیں ۔ ان پر مسلمانوں کی قوم کو نہایت افتخار ہے ۔ مسلمانوں میں یہی ایک صاحب ہیں جنھوں نے ولایت میں جا کر ڈاکٹری کا علم سیکھا اور نہایت عمدہ طور سے امتحانوں میں کامیاب ہوئے ۔ اور جس طرح یوروپین ڈاکٹر عہدہ پا کر آتے ہیں ، اسی طرح عہدہ پا کر وہ ہندوستان میں تشریف لائے ہیں ۔ اور جو فوج کہ امرتسر میں مقیم ہے ، اس میں ڈاکٹر ہیں ۔

غرض کہ یہ جلسہ نہایت حسن و خوبی سے انجام کو پہنچا ۔ بہت بڑی رات گئے سید صاحب ، خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب و دیگر احباب کا شکر ادا کرنے کے بعد رخصت ہوئے اور اپنی فرودگاہ پر تشریف لائے ۔

چھبیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو سید صاحب مع اپنے دوستوں کے خان بہادر آغا کلب عابد صاحب اور شیخ غلام حسن صاحب اور خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب والد ماجد حاجی غلام حسن صاحب کی ملاقات کو تشریف لے گئے ۔ کلب عابد خان صاحب نے نہایت زر کثیر صرف کر کے امرتسر میں ایک مکان

تیار کرنا شروع کیا ہے - معلوم نہیں کہ کیا مکان بنے گا - لوگ کہتے ہیں سرائے کے نام سے موسوم ہوگا - سب سے اول اس کا نہایت عالی شان دروازہ بالکل ایشیائی قطع کا نہایت پختہ اور مضبوط بنا ہے - اس کے پہلوؤں میں متعدد کمرے ہیں - بجز کواڑوں کے کسی جگہ اس میں لکڑی نہیں لگائی گئی ہے - جب وہ مکان تیار ہو جاوے گا ، جس کا ابھی پورا نقشہ بھی مکمل نہیں ہے ، تو نہایت عجیب مکان ہوگا -

امرتسر کی جدید عمارتوں میں دو مسجدیں اور ایک سرائے بھی ذکر کے قابل ہے -

پہلی مسجد خان بہادر میاں محمد جان صاحب مرحوم نے بنائی ہے جو امرتسر کے رئیس اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھے - مسجد عمدہ اور پختہ ہے - بیس تیس ہزار روپے کے خرچ میں بنی ہوگی - سنہ ۱۲۸۹ ہجری میں تعمیر ہوئی ہے اور اُس کے بننے کی تاریخ یہ ہے :

"عبادت خانۂ دین محمد"

دوسری مسجد شیخ خیر الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے بنائی ہے - پہلی مسجد سے بھی عمدہ ہے - سنہ ۱۲۹۴ ہجری میں تیار ہوئی ہے اور چالیس پچاس ہزار روپے سے کم اُس پر صرف نہ ہؤا ہوگا - اُس کی تاریخ یہ ہے :

"جزاک اللہ فی الدارین خیرا"

سرائے جدید :

امرتسر میں مسافروں کے ٹھہرنے اور آرام پانے کے لیے کوئی سرائے نہیں تھی ۔ خان بہادر خان محمد شاہ خاں صاحب نے اپنی فیّاضی سے سنہ ۱۲۹۴ ہجری میں شیخ خیر الدین صاحب کی مسجد کے قریب ایک عمدہ اور پختہ سرائے بنائی ہے جس پر پچاس ہزار روپیہ صرف ہوا ہے ۔ یہ تینوں عمارتیں سوا لاکھ ، ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے بنی ہیں ، جن کے تین شخص بانی ہیں ۔ اس تذکرے سے مقصد یہ ہے کہ مسلمان اب بھی بہت کچھ فیاضی کرتے ہیں مگر اس بات پر کم خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو در حقیقت کس امر کی ضرورت ہے ۔

سید صاحب نے جب ان عمارتوں کو دیکھا تو کہا کہ اگر یہ عمارتیں مسلمانوں کے مدرسے ہوتے تو کیا عمدہ بات ہوتی ۔ اس وقت مجھ کو بے اختیار کسی شاعر کا یہ شعر یاد آیا :

در طوفِ حرم دیدم دی پیرِ مغاں میگفت
ایں خانہ بایں خوبی آتش کدہ بایستے

تیسرے پہر کو سید صاحب حسبِ درخواست ممبرانِ مجلسِ اسلامیہ ، امرتسر کے مدرسۂ اسلامیہ میں تشریف لے گئے ، جس کے سالانہ انعام کی تقسیم سید صاحب کی تشریف آوری پر ملتوی تھی ۔ جس وقت سید صاحب اس محلے کی حد پر پہنچے ، جہاں وہ مدرسہ تھا ، تو حاجی غلام حسن صاحب ، منشی حکیم الدین صاحب ، میاں اسد اللہ صاحب ، شیخ شاہ محمد صاحب ، خواجہ احمد حسن صاحب نے استقبال کیا ۔ جس وقت سید صاحب نے مدرسے کے اندر

قدم رکھا تو تمام طلبہ نے نہایت بلند آواز اور دلی جوش سے چیرز دی ۔ مدرسہ نمونہ جات دستکاری سے اور فرش و فروش ، میز و کرسی سے آراستہ تھا ۔ اس مدرسے میں پنجاب کے مڈل اسکول تک بالفعل پڑھائی ہوتی ہے اور ایک جماعت مذہبی علوم کے پڑھنے کی بھی ہے ۔ لوئر پرایمری کلاس میں ایک سو نو لڑکے اور اپر پرایمری میں آنچاس اور مڈل میں بتیس اور مذہبی کلاس میں پچیس ، کل دو سو پندرہ لڑکے حاضر تھے ، اور رجسٹر میں دو سو پچاس لڑکوں کے نام درج تھے ۔ پینتیس لڑکے بہ وجوہات مختلف غیر حاضر تھے ۔ سید صاحب کو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ اس اسکول میں صرف اٹھارہ لڑکے مشنری اسکول کو چھوڑ کر آئے ہیں اور چھیاسٹھ لڑکے گورنمنٹ اسکول کو چھوڑ کر آئے ہیں ، کسی قدر دل تنگی ہوئی ۔ آن کا خیال تھا کہ مشنری اسکول سے بہت کم لڑکے آئے ۔ اور گورنمنٹ اسکول سے جو لڑکے آئے ان کی نسبت سید صاحب کو یہ تردد تھا کہ اسکول کے ماسٹر گورنمنٹ اسکول کے ماسٹروں سے عمدہ ہیں یا نہیں ۔ مگر آنھوں نے اس وقت اپنے اس خیال کو کچھ ظاہر نہیں کیا ۔ سید صاحب کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ اس مدرسے میں سنی اور شیعہ اور ہندو سب داخل ہیں ، نہایت خوشی ہوئی ۔ مجھ کو اس بات کا افسوس ہوا کہ مڈل کلاس میں صرف چودہ مسلمان تھے اور چوبیس ہندو اور اپر پرایمری کلاس میں آنتیس مسلمان تھے اور چھبیس ہندو اور لوئر پرایمری کلاس میں ایک سو اکیس مسلمان تھے اور بارہ ہندو ، جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کی تعلیم کس قدر گھٹی ہوئی ہے ۔ ہر جگہ اعلیٰ کلاس میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم دکھائی دیتی ہے ۔

خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب بھی اس مجلس میں بطور سرپرست مدرسہ موجود تھے ۔ جب سید صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو خواجہ یوسف شاہ صاحب نے اس طرح پر تقریر کی :

تقریر خواجہ یوسف شاہ صاحب منجانب
ممبران مدرسۂ اسلامیہ امرتسر

''جناب آنریبل سید صاحب بہادر !

مجھ کو ممبروں نے ہدایت کی ہے کہ کچھ مختصر سا حال اس مدرسے کا آپ کی خدمت میں عرض کروں ۔ دس بارہ برس ہوئے کہ امرتسر کے بعض معزز لوگوں کو یہ خیال ہؤا ہے کہ دنیوی تعلیم کے سوا دینی تعلیم میں بھی ضعف آتا جاتا ہے ، اس لیے ایک سرمایہ ایسا جمع کیا جاوے جس سے ایک مدرسہ یہاں اس غرض سے قایم ہو کہ بچوں کو دونوں طرح کی تعلیم دی جائے ۔ مگر سرمایہ کافی نہ ہونے کے سبب سے کوئی قاعدہ یا ضابطہ تعلیم کا جاری نہ ہو سکا ۔ لیکن مسجد میں ایک مدرسہ قایم کیا گیا جس میں مروجہ علوم دینی و دنیوی جاری کیے گئے ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیوی ترقی بغیر انگریزی دانی کے نہیں ہو سکتی ، مگر ہم لوگوں سے کچھ بن نہیں پڑتا تھا ۔ خوش قسمتی سے جناب نواب صاحب بہاول پور یہاں تشریف لائے اور ہم لوگوں نے آن کی خدمت میں مدرسے کا حال ظاہر کیا اور آنھوں نے براہ مہربانی سو روپیہ ماہواری اس کے صرف کے واسطے منظور فرمایا ۔ وہ مدد ہم لوگوں کو ملنے لگی اور امید ہے کہ جاری رہے گی ۔ آمدنی کی ترقی ہونے کے سبب سے انگریزی کی تعلیم بھی جاری کر

دی گئی - اس وقت یہاں پر منجملہ دو سو پچاس طلبہ درجِ رجسٹر کے دو سو پندرہ حاضر ہیں - کل طلبہ میں سے ایک سو اٹھتر سنی ، گیارہ شیعہ اور اکسٹھ ہندو ہیں - ہم لوگوں نے گورنمنٹ سے بھی مدد کی درخواست کی ہے - جناب سر چارلس ایچیسن صاحب ، اس ملک کے لفٹننٹ گورنر ، جن کو تعلیم کا بہت خیال ہے ، یقیناً براہِ مہربانی مدد کریں گے اور اس خیال سے ایک سال میں اس مدرسے میں انٹرنس تک کی تعلیم جاری ہونے کا خیال ہے - محتاج مسلمان طالب علموں کے لیے ، جو صرف دینی تعلیم چاہتے ہیں ، انتظام کرنا ضروری تھا - اس سے انجمنِ اسلامیہ امرتسر نے ایک مذہبی تعلیم کی جماعت قایم کرنے کی تجویز کی ہے - اس ملک میں دینی تعلیم میں ترقی کرنے سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پنجاب یونی ورسٹی میں امتحان دے کر مولوی یا مولوی عالم کا درجہ حاصل کر سکتا ہے - اس مدرسے میں جو طلبہ کے واسطے سالیانہ انعام تجویز ہؤا تھا ، وہ اب تک آن کو دیا نہیں گیا ، اور آرزو تھی کہ وہ انعام آپ کے ہاتھ سے تقسیم کیا جائے - میں ممبروں کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ براہِ مہربانی اپنے ہاتھ سے طالب علموں کو تقسیم فرمائیں -''

سید صاحب نے بسم اللہ کر کے ، جو لڑکے انعام پانے والے تھے ، اور آن میں سے مندرجہ ذیل حاضر تھے ، ان کو انعام تقسیم کیا :

شاہ ہدایت ، حافظ رحمان ، اللہ دین ، غلام حیدر ، گوپی رام ، احمد اللہ ، مولا بخش ، رحمت اللہ ، نراین داس ، رام سنگھ ، حسین بخش ، مہر بخش ، رحمت اللہ ثانی ، غلام مصطفیٰ ، یوسف شاہ ، مہر دین -

بعد تقسیمِ انعام کے سید صاحب کھڑے ہوئے اور یہ تقریر

فرمائی :

تقریر سید صاحب

''جناب پریسیڈنٹ اور ارکانِ مجلس !

میں انجمنِ اسلامیہ کے ممبروں کا ، جو اس مدرسے کے بانی ہیں اور جو وہ ابھی چھوٹا دکھائی دیتا ہے مگر جس کی نسبت خدا سے اُمید ہے کہ اُس کے فضل سے کسی وقت بڑا مدرسہ ہو جائے گا ، نہایت شکر کرتا ہوں کہ اُنھوں نے مجھ سے عاجز آدمی سے درخواست کی کہ میں یہاں حاضر ہو کر انعام تقسیم کروں ۔ گو میرے ہاتھ اس انعام کے تقسیم کرنے کے لایق نہیں ، مگر انجمنِ اسلامیہ کے ممبروں کے ارشاد کی تعمیل سے میں نے اس کو تقسیم کیا ہے ۔ خدا کرے یہ تقسیم اس اسکول کو اور اسکول کے لڑکوں کو مبارک ہو (چیرز) ۔ میرے دوست خواجہ یوسف شاہ صاحب نے اس اسکول کا کچھ حال اور اُس کی بناء اور قیام کا کچھ تاریخی حال بیان کیا ہے ۔ مجھے اس کے سننے سے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی ہؤا ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ خوشی کے اظہار سے پہلے افسوس کا بیان کروں تاکہ آپ کو منتظر نہ رہنا پڑے ۔ معلوم ہؤا کہ مدت سے یہاں کے بزرگوں کو ایک ایسے اسکول کے قایم کرنے کا خیال تھا ، جیسے روشن ضمیر ممبر اور اپنی قوم کے لیے دین و دنیا کی ترقی چاہنے والے اس شہر میں ہیں ، جو شہر کہ چھوٹا بھی نہیں ہے اور مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے ، تجارت گاہ ہونے کے سبب سے بمقابلہ اور مقاموں کے کم آباد اور کم دولت مند بھی نہیں ہے ، کسی اور شہر میں کم تر ہوں گے ۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس

کی امید آگے چل کر کچھ زیادہ ہو ۔ مسلمانوں کا شہر ، مسلمان
نیک لوگوں کی آبادی ، مسلمانوں کی تجارت‌گاہ ہونے کے لحاظ سے
یہ امر بڑے افسوس کا ہے کہ یہ مدرسہ ریاست بہاول پور کی
مدد سے چل رہا ہو اور پھر اس پر گورنمنٹ کی مدد کی بھی حاجت
ہو ۔ اگر میں سنتا کہ شہر کے مسلمانوں نے فیاضی سے اس قدر مدد
دی کہ اخراجات سے بھی زیادہ روپیہ ہو گیا تو میں بہت خوش
ہوتا ۔ آپ مجھ کو معاف کیجیے گا ۔ میں اپنے اس خیال کے اظہار
سے باز نہیں رہ سکتا کہ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ کسی دن اس
طرف متوجہ ہو کر اپنے معمولی اور خصوصاً غیر ضروری اخراجات
اور اپنے آرام کے مصارف ، اپنی رسومات کی فضول خرچیوں
کو کم کر کے ، اپنے بچوں کے حال پر رحم کر کے ، آپس کی
امداد سے اس مدرسے کو غنی کریں گے اور اعلیٰ درجے تک
پہنچاویں گے ۔ اے میری قوم کے لوگو ! کیا ہماری قوم ایسی
بھی نہیں رہی ہے کہ اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا بھی بغیر
بہاول پور کی ریاست اور گورنمنٹ کی مدد کے بندوبست نہ کر سکے؟
کیا اب ہماری قوم کے لوگ اپنے بچوں کی روٹی اور کپڑے کے
واسطے بھی گورنمنٹ کو تکلیف دیں گے اور اس سے مدد مانگیں
گے ؟ آپ خوب خیال رکھیے کہ گورنمنٹ کی مدد ہمارے آزادانہ
انتظام میں کچھ نہ کچھ مخل ہوتی ہے ۔ جو ہم کرنا چاہتے ہیں اس
میں بہت سی پابندیاں کرنی پڑتی ہیں ۔ تمھاری ذاتی مدد میں تم کو
کسی کی پرواہ نہ ہوگی ۔ جب تم اپنی مدد سے اپنا مدرسہ جاری
کرو گے ، تم کو اختیار ہوگا ، چاہو قرآن پڑھاؤ ، چاہو مذہب کی
تعلیم کرو ، چاہو فارسی کا درس دو ۔ غرض کہ جو چاہو سو کرو ۔
یہ باتیں ہرگز تم کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکیں گی جب

تک تم گورنمنٹ کے ایڈ پر اپنا مدرسہ چلانا چاہو ۔ کچھ شک نہیں ہے کہ تم اس لایق ہو اور ضرور ہو کہ یہ کیا ایک اسکول ہے ، تم بہت بڑا اسکول قایم کر سکتے ہو ۔ قوم کے حال پر یہی امر بڑا افسوس دلانے والا ہے کہ ہم لوگ قوم کے سوا گورنمنٹ کی مدد ڈھونڈھتے ہیں ۔ مگر یہ افسوس اسی اسکول پر نہیں ہے بلکہ ہر جگہ یہی افسوس ہے ۔ ہم خود بھی اسی افسوس میں شامل ہیں ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ جب ہماری قوم چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی بیرونی امداد پر بھروسا کرتی ہے تو یہ افسوس زیادہ ہو جاتا ہے ۔ مجھے جس بات کی خوشی ہوئی وہ یہ ہے کہ ہماری قوم ، جو بالکل غفلت میں پڑی تھی اور اس کو ذرا بھی خیال نہ تھا کہ اپنی اولاد کے واسطے ، اپنے بچوں کے لیے کیا کرنا چاہیے ، اس پر اب لوگ متوجہ ہوئے ہیں ۔ زیادہ خوشی اس بات سے ہے کہ یہ امر کچھ امرتسر ہی میں نہیں ہے بلکہ اور مقاموں میں بھی اسی قسم کی کارروائی ہو رہی ہے ۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امرتسر نے بھی اس معزز کام کو اختیار کیا ہے اور آپ لوگوں کی کوشش امرتسر میں ایک اسکول قایم کرنے کی طرف مایل ہوئی ہے اور اس میں مذہبی تعلیم کی بھی بنیاد پڑی ہے ۔ یہ وہ خیال ہے جو بارہ برس پہلے میرے خیال میں آیا تھا ۔ میں نے خیال کیا تھا کہ ہر مسلمان ، جو خدا پر یقین رکھتا ہے اور جو اسلامی مذہب رکھتا ہے ، اس پر فرض ہے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے بھی غافل نہ ہو ۔ میں نے جو انعام آپ کے کہنے سے تقسیم کیا اور شاید یہ پہلی عزت ہے جو آپ نے مجھ کو دی ہے ، تو اس بات کے دیکھنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی کہ چھوٹی عمر کے لڑکے بھی انعام پانے والوں میں شامل تھے ۔ جس قدر ایسے

لڑکے اس قسم کے انعام پانے والوں میں شامل ہوں ، اسی قدر قوم کو ، ملک کو ، اسکول کو ، مبارک باد دینا چاہیے - اسی سے آیندہ ملک کی بہبودی اور ترق کی امید ہے - مجھے امید ہے کہ یہ جاعت روز بروز ترق کرے گی - آپ مجھے معاف کریں گے اگر میں کچھ اپنا خیال بچوں کی مذہبی تعلیم کی نسبت بیان کروں - کتب مذہب اسلامیہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مسایل عقاید اور ادنیٰ سے ادنیٰ باتیں بھی بیان ہوئی ہیں - بہت سے ایسے مسایل بھی ہیں جو اس لیے کتابوں میں مندرج ہیں کہ اگر اتفاقیہ ضرورت پیش آوے تو جس کو ضرورت ہو دیکھ لے یا پوچھ لے - جب اس قدر جزئیات آن کتابوں میں مندرج ہیں تو ضرور ہے کہ آن میں بہت سے مسایل ایسے بھی ہیں جن کو بھائی بہن سے ، باپ بیٹے سے ، صاف صاف بیان نہیں کرسکتا - مذہب اسلام میں جہاں اور بہت بڑے بڑے اصول ہیں وہاں یہ بھی بہت بڑا اصول ہے کہ الحیاء من الایمان - اس لیے میں مذہبی کتابوں کے معلموں سے نہایت عاجزی سے کہتا ہوں کہ آن مسایل کی تعلیم اس طرح پر ہونی چاہیے کہ لڑکوں کی حیا باقی رہے اور یہ نوبت نہ آ جائے کہ لڑکوں میں بے غیرتی آوے اور ان کے ساتھ کے غیر مذہب کے لڑکے بلکہ خود اس مذہب کے لڑکے باہر جا کر دل لگی کی طرح پر ہنسی اوڑائیں - حجاب اور شرم جس چیز سے باقی رہے ، اسی طرح پر تعلیم ہونی چاہیے اور اس کا خیال رکھنا نہایت ضرور ہے -

اب میں اسکول کے مسلمان طلبہ کی نسبت چند لفظ کہنا چاہتا ہوں - اگرچہ اکثر لڑکے بہت چھوٹی عمر کے ہیں جو شاید اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکیں لیکن کچھ لڑکے زیادہ عمر کے بھی ہیں ، اس لیے میرا یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ ہماری قوم

کے لڑکے اس بات کو یاد رکھیں کہ ہمارا باعثِ نجات طریقہ اسلام کا ہے ، اس کو ہم قایم رکھیں - اسلام نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ سلوک رکھیں - میں اس اسکول کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں قوم کے لڑکے شامل ہیں - ہندو ہمارے ہم وطن بھائی ہو گئے ہیں - جس نے جامۂ انسانیت پہنا ہے ، اس کی یہ خواہش ہوگی کہ ہندوستان میں دونوں قومیں برابر ترقی کریں - ہندو ہوں یا مسلمان یا ہندوستان کی کوئی قوم ہو ، ملک کی بہتری کے لیے سب کو ایک ہونا چاہیے - اسکول کے طالب علموں میں علاوہ ہم وطن بھائی ہونے کے اسکول بھائی ہونے کی بھی صفت ہوتی ہے - امید ہے کہ یہ طالب علم پبلک لیف (لائف) کے زمانے کو پہنچ کر باہم محبت رکھیں گے جس سے ملک کو ترقی ہوگی - اب میں دوبارہ شکریہ کرتا ہوں اس عزت کا جو ممبروں نے مجھے دی ہے اور جس سے مجھ کو ان چند الفاظ کے کہنے کا موقع ملا -" (چیرز)

اس کارروائی کے ختم ہونے پر اسی جلسے میں جملہ مدرسینِ مدرسہ کی جانب سے مندرجہ ذیل اڈریس بطور شکریہ سید صاحب کی خدمت میں پیش ہوئی :

شکریہ

جو مدرسینِ مدرسۃ المسلمینِ امرتسر نے جناب آنریبل

سید احمد خاں صاحب خان بہادر سی - ایس - آئی -

کی خدمت میں پیش کیا

''عالی جناب !

ہم جملہ مدرسین مدرسۃ المسلمین امرتسر ، ہندو و مسلمان ، آپ کی تشریف آوری سے ، جس کے لیے ہم کیا بلکہ ہر شخص بہت دنوں سے اور دل سے مشتاق و منتظر تھا ، اپنی آمیدوں کے حسب منشاء پورا ہونے پر اعلیٰ درجے کی خوشی اور مؤدبانہ شکریے کا اظہار کرتے ہیں ۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے وہ بزرگ آج ہمارے سامنے موجود ہیں جو تھوڑا عرصہ گزرا کہ مقام پٹنہ میں ایک جمّ غفیر کے سامنے بآواز بلند ہندو اور مسلمانوں کو ہندوستان کی دلھن کی دو رسیلی آنکھیں قرار دے کر آس کی خوبی اور قدر و منزلت کے لیے یہ ضروری تصور فرماتے تھے کہ برابر دونوں کی غور و پرداخت ہو ، برابر دونوں کو فروغ ہو ۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے غریب اور کس مپرس ملک کی ترقی کے وہ سچے خیرخواہ ہمارے سامنے موجود ہیں ، جو اپنے قلم جادو رقم سے لارڈ مکالے کی روح میں جان ڈالتے ہیں اور اپنی تحریروں سے آن لوگوں کی تحریروں اور تقریروں کو رد کرتے ہیں جو اہل ہند کی تعلیم کو مشرقی علوم کی متعدد کتابوں اور پرانے اور ناتکمل خیالات پر محدود رکھنا چاہتے ہیں ۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے مدرسے میں ہمارے اور ہماری آیندہ نسلوں کی علمی اور عقلی اور اخلاقی ترقی کے وہ سچے مربی رونق افروز ہیں جنھوں نے اپنی کبھی جنبش نہ کھانے والی ہمّت اور استقلال اور اپنی تحریر و تقریر کے پُر زور اثر سے ہندو ، مسلمان بلکہ بڑے بڑے مقتدر فاتح قوم کے اراکین سے بھی بلا قید مذہب چندہ لے کر مقام علی گڑھ میں وہ عالی شان اور مشہور و معروف کالج قایم کیا جس

میں ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹی کی انتہائی تعلیم تک کا بندوبست ہے ، اور جو اپنی حیرت انگیز ترقی سے اس ملک کے تمام پرانے کالجوں سے سربرآوردہ ہوتا جاتا ہے ، اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے پچیس کروڑ ہندوستانیوں کے وہ فصیح البیان خیرخواہ آج یہاں تشریف فرما ہیں جو اپنے ملک کے وکیل ہو کر، کلکتہ کونسل ہال میں کھڑے ہو کر بے دھڑک اپنے بے زبان مؤکلوں کی وکالت کرتے تھے ۔ ان کے حقوق کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلاتے تھے ، آن کی شکایات سے گورنمنٹ کو مطلع کرتے تھے ، آن کی امن و آسایش کے لیے نیک قوانین بنانے میں صلاح دیا کرتے تھے، تو ہمارے دل آس حقیقی خوشی اور احسان مندی سے لبریز ہو جاتے ہیں جو ہر شخص کے دل میں اپنے مربی اور محسن کی تشریف آوری سے ایک زبردست اثر پیدا کیا کرتی ہے جس کے روکنے سے وہ قدرتاً عاجز ہوتا ہے ۔ کیا ممکن ہے کہ جس وقت ہم یہ خیال کریں کہ وہ سب کارنمایاں ، جن کا گننا بھی اس وقت بہت مشکل معلوم ہوتا ہے ، ہمارے ملک ہی کے ایک عالی دماغ اور بلند ہمت عالی وقار کے ہیں تو ہمارے دل میں خوشی اور فخر نہ ہو ؟ کیا ممکن ہے کہ وہ مرد خدا ، جس کا نام آن سب کارنمائیوں کے سبب سے ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھا ہؤا ہے ، ہمارے شہر میں تشریف فرما ہو اور ہمارے مدرسے تک قدم رنجہ فرماوے اور ہم اس میں اپنا اعزاز و امتیاز سمجھ کر آس کا شکریہ نہ بجا لاویں ؟ نہیں ، ہرگز نہیں ۔ بلکہ ہم اسے اپنی خوش قسمتی و فخر سمجھ کر بڑے ادب سے یہ دعا کرکر ختم کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ آپ کی عمر کو درازی بخشے اور آپ کے قوائے جسمانی اور دماغی کو ، جو اپنی قوم و ملک کی بہتری کو اپنا اعلیٰ

فرض جان کر اُس کی ترقی و بہبودی میں مصروف رہنا اپنا فخر جانتے ہیں ، تقریب دے اور جس قدر خیر خواہی اورہمدردی آپ کے دل میں ہے اُس کو اور بھی زیادہ کرے اور اس کے اظہار و تکمیل کا پورا پورا سامان آپ کے در دولت پر ہمیشہ مہیا رکھے۔
آمین ثم آمین : تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار''

تقریر سید صاحب بجواب اڈریس مدرسۂ اسلامیہ امرتسر

''حضرات مدرسانِ مدرسۂ اسلامیہ !
میں آپ کا دلی شکریہ اس اڈریس کے پیش کرنے کا ، خصوصاً اُن الفاظ کا جو آپ نے براہ عنایت میری نسبت ظاہر کیے ، ادا کرتا ہوں ۔ آپ نے اپنی اڈریس میں مدرسۃ العلوم کا کچھ ذکر کیا ہے اور میری کوششوں کا کچھ بیان کرکے مجھ کو اُس کا بانی قرار دیا ہے ۔ مگر حقیقت میں میں اُس کا مستحق نہیں ہوں کیوں کہ میں نے تنہا کچھ نہیں کیا اور نہ کر سکتا تھا ۔ اس تعریف کے[1] اور بانی ہونے کے لقب پانے کے اور بہت سے لوگ مستحق ہیں جنھوں نے اس میں کوشش کی اور مدد دی ہے ۔ جن میرے دوستوں نے اُس میں مدد کی اور جو بانی ہونے کے لقب کے سزاوار ہیں اُن میں سے دو دوست وہ ہیں (حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس دتاولی اور راقم آثم اقبال علی کی طرف اشارہ کیا) جو یہاں بیٹھے ہیں اور وہی بشمول اور دوستوں کے اس تعریف کے مستحق ہیں ۔ آپ نے ہندوؤں کے ساتھ ہمدردی کرنے جو بیان کیا ہے اُس کے متعلق میں اپنا خیال چند مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہتا ہوں ۔

۱- یہاں لفظ ''مستحق'' زائد تھا جسے حذف کر دیا گیا - مرتّب

میرا خیال یہ ہے کہ مذہب اسلام کا سب سے بڑا اصول خدا کو ایک جاننا اور انسانوں کو بھائی سمجھنا ہے ۔ آپ خیال کیجیے کہ انسان کی زندگی دو حصوں میں بسر ہوتی ہے ۔ ایک مذہب کے متعلق دوسرا دنیوی امور کے متعلق ۔ مذہب کی رو سے نہ میں کسی ہندو کی چتا پر جلوں گا ، نہ کوئی ہندو میری قبر میں دفن ہوگا ، مگر جو مخلوق کہ ایسی پیدا ہوئی ہے جیسے کہ ہم ، جیسی صورت خدا نے ہماری بنائی ہے ویسی ہی ان کی بھی بنائی ہے ، جس طرح کہ ہم آنکھ ، ناک ، کان رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی آنکھ ، ناک ، کان رکھتے ہیں ۔ پس جو مخلوق اس صورت کی ہو ان کے آپس میں بھائی ہونے میں کچھ شک نہیں ۔ اور یہی سبب ہے کہ ایک کا دوسرے سے دنیوی امور میں بہت کچھ تعلق ہے ۔ پس ان سب کے ساتھ اس طرح سے ملنا لازم ہے جس طرح اپنے بھائی سے اور ان کو بھی ایسا پیار کرنا انسانیت کا مقتضا ہے جیسا اپنے بیٹے کو ۔'' (چیرز)

خواجہ یوسف شاہ صاحب نے تحریک کی کہ سید صاحب کی تشریف آوری کی تقریب میں مدرسے میں دو دن کی تعطیل کی جاوے ۔ حاجی غلام حسن صاحب نے تائید کی اور تعطیل منظور ہوئی ۔

اس کے بعد جلسہ برخاست ہؤا اور جس طرح پر لوگوں نے سید صاحب کا استقبال کیا تھا ، اسی طرح پر مشایعت کی ۔

اس جلسے کے ختم ہونے کے بعد خواجہ یوسف شاہ صاحب اور حاجی غلام حسن صاحب اور شیخ غلام حسن صاحب ، سید صاحب اور ان کے ساتھی دوستوں کو امرتسر کے سرکاری باغ کی سیر دکھانے کو لے گئے ۔ باغ نہایت ہی خوبی اور عمدگی سے

آراستہ ہے اور نہایت پُر فضا اور دلکشا ہے ۔ سکھوں کے زمانۂ حکومت کے اکثر مکانات ، جو اُن کی حکومت کو یاد دلاتے ہیں ، وہاں موجود ہیں اور تصرفاتِ جدیدہ سے ایسے ہی زیادہ تر مفید ہو گئے ہیں جیسے کہ حکومت کی تبدیلی پنجاب کو مفید ہوئی ہے ۔ وہاں ایک دوحاشمہ مکان بنا ہوا ہے ۔ اس کے ایک طرف اُوپر کے درجے میں کتب خانہ ہے ، باقی درجے آرام و آسایش کے لیے مہیا ہیں ۔

ایک امر ، جو قابلِ غور اور لایقِ عبرت ہے اور جس سے ایک جھلک اس بات کی دکھائی دیتی ہے کہ قومی ترقی کس طرح ہوتی ہے ، اس مکان میں مشاہدہ ہوتی تھی ؛ یعنی اُس کے نیچے کی منزل کا بڑا ہال ایک یورپین گرانڈ افسر کی تجویز سے بطور تھیٹر کے آراستہ کیا گیا ہے ۔ جب کسی کارِ خیر یا قومی رفاہِ عام کے کام کی ضرورت ہوتی ہے تو لایق انگریز اور عالی خاندان قابل لیڈیاں اس میں تماشا کرتی ہیں اور گاتی ہیں ۔ اور تماشا دیکھنے والوں کو ، جن میں یقین ہے کہ بجز گورے منہ والوں کے کالے منہ والا کوئی نہیں ہوتا ، دام دے کر ٹکٹ خریدنا ہوتا ہے اور اس طرح پر جس قدر روپیہ جمع ہوتا ہے اُس کام میں صرف کیا جاتا ہے ۔

سید صاحب ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے مدرسۃ العلوم کے لیے روپیہ جمع کرنے کی ہر طرح پر کوشش کی ۔ امیروں سے التجا کی ، والیانِ ملک سے درخواست کی ، قوم سے بھیک مانگی ، غیرت کو طاق پر رکھا اور غیر قوموں کے سامنے گداگری کے لیے ہاتھ پھیلایا ، لاٹری کا جؤا کھیلا مگر پوری کامیابی نہیں ہوئی ۔ قوم کی اور ملک کی حالت یہ ہے کہ کھیل تماشے ، ناچ رنگ ، مسخرا پن سے روپیہ وہ دیتے ہیں ۔ پس اگر کالج کیمٹی کے

ممبر بھی مل کر ایک تھیٹر بنائیں اور خود مقدس مقدس ممبر اُس میں گانے والے اور تماشا کرنے والے ہوں تو صرف تین چار شہروں میں تماشا کرنے سے کافی روپیہ ہاتھ آ جاوے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ خیال کرو کہ جب ہماری یہ قومی تھیٹر کی پارٹی کسی شہر میں پہنچے اور اشتہار دیا جاوے کہ مولوی سمیع اللہ خاں بہادر سب جج علی گڑھ اس طرح کا سوانگ بھریں گے اور مولوی سید فرید الدین احمد خاں بہادر سب جج کانپور یوں یوں روپ بدلیں گے ، مولوی سید زین العابدین خاں بہادر سب جج آگرہ اس طرح ٹھٹول کریں گے ، مولوی سید مہدی علی خاں منیر نواز جنگ بہادر ریونیو سکرٹری گورنمنٹ نظام حیدر آباد یہ غزل گاویں گے ، مولوی مشتاق حسین صاحب ممبر صدر بورڈ ریونیو حیدرآباد کے ہاتھ میں دُرہ ہوگا اور محتسب کا سوانگ دکھاویں گے اور لوگ تکرار کریں گے کہ ''محتسب را درون خانہ چہ کار'' ، منشی محمد ذکاء اللہ صاحب پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد ''چہ غم'' کا تماشا دکھاویں گے ، مولوی سید اقبال علی اس طرح سے ہنس مکھ جوان رعنا کا سوانگ بھریں گے ، مولوی سید مہدی حسن صاحب ''یاد فراموش'' کی نقل کریں گے اور سید میر تراب علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر ایٹہ پھواڑ بڑھیل کے روٹھ بیٹھنے کا تماشا کریں گے ، مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب وکیل علی گڑھ کفایت شعاری کے ساتھ سوداگروں کی دکانوں اور نیلاموں کے مجمع میں اسباب خریدنے کی نقل کریں گے ، نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر پرستان کے بادشاہ بن کر آویں گے ، وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر پرنس بسمارک کی نقل اتاریں گے ، مولوی الطاف حسین صاحب حالی اپنا مسدس گاویں گے اور

فلاں صاحب یہ نقل کریں گے اور فلاں صاحب وہ نقل کریں گے ، ان صاحب کے گلے میں ڈھولک ہوگی اور وہ صاحب سارنگی بجاویں گے ، ان کے ہاتھ میں مجیرے ہوں گے اور آن کے پاس دوتارا اور آنریبل سید احمد خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ بمصداق اس شعر کسی شاعرِ تجربہ کار کے کہ :

رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا دادِ خود از کہتر و مہتر بستانی

ہر ایک مجلس کے مسخرے ہوں گے تو کس قدر لوگ تماشا دیکھنے کو آویں گے اور کس قدر روپیہ ہاتھ آ جاوے گا ۔ اگر ہم لوگ ایسا کریں اور اس طرح پر اپنی قوم کی بھلائی کے لیے روپیہ جمع کریں تو دنیا میں کوئی قومی عزت ایسی نہیں ہے جو اس پارٹی کو نصیب نہ ہو اور عقبیٰ میں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ ثواب کا ایسا باق نہ رہے جو یہ پارٹی حاصل نہ کرے ۔

اگرچہ میں نے اس تحریر میں بہت گستاخی کی ہے مگر مجھ کو معاف کیا جاوے گا کیونکہ سید صاحب ہی کے یہ الفاظ ہیں جو میں نے لکھے ہیں ۔

اس مقام پر امرتسر کی ایک خاص بات کا بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا ۔ امرتسر میں مسلمانوں نے بھی مثل پارسیوں کے تھیٹر بنایا ہے ۔ سنا ہے کہ وہاں عمدہ نقلیں ہوتی ہیں اور گانا بھی اچھا ہوتا ہے ۔ تھیٹر بنانا اور مردوں کو عورتوں کے کپڑے پہنا کر عورت بنانا جیسے کہ پارسی تھیٹر والے کرتے ہیں ، نہایت حماقت کی بات ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ ''جب ناچنے نکلے تو گھونگھٹ

کاہے کا'' - یا تو کوئی ایسی نقل نہ ہو جس میں عورتوں کی نقل بنانے کی ضرورت ہو ورنہ تھیٹر میں عورتوں کی جگہ عورتوں ہی کا(کو)ہونا چاہیے - میں نے سنا ہے کہ امرتسر کے تھیٹر میں درحقیقت عورتوں کو بھی شامل کیا ہے -

لوگوں نے بیان کیا کہ اس تھیٹر میں مسلمانوں کے قومی تنزّل کی بھی نقل ہوتی ہے اور ''مسدس حالی'' کے بند گائے جاتے ہیں - اس نقل میں ایک مقام نہایت مؤثر آتا ہے اور لوگوں کے دل پر بہت اثر کرتا ہے - ایک پردہ کھولا جاتا ہے جس میں سمندر لہریں مارتا ہؤا اور ایک جہاز جس میں لوگ سوار ہیں طوفان میں آیا ہؤا اور ڈوبتا ہؤا دکھائی دیتا ہے - اس وقت ''مسدس حالی'' کا یہ بند گایا جاتا ہے:

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے

نکلنے کا رستہ ، نہ بچنے کی جا ہے
کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہے

جو سوتے ہیں وہ مستِ خوابِ گراں ہیں
جو بیدار ہیں اُن پہ خندہ زناں ہیں

کوئی اُن سے پوچھو کہ اے ہوش والو!
کس اُمید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو

بُرا وقت بیڑے پر آنے کو ہے جو
نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو

بچھو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

گانے والا یا گانے والی ان بندوں کے گانے میں موقع بہ موقع اس جہاز کی طرف ، جو ڈوبنے کو ہو رہا ہے ، اشارہ کرتی جاتی ہے - اس کا ایسا سماں بندھ جاتا ہے کہ لوگوں کی آنکھوں میں سے آنسو نکل پڑتے ہیں -

مجھ کو اس تھیٹر کے دیکھنے کا نہایت شوق تھا مگر سید صاحب نے ایسی باتیں کہیں جن سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا - سید صاحب نے کہا کہ ہر ملک میں کچھ تفریح کا بھی سامان ہونا چاہیے جس سے وہ لوگ ، جو اپنے دماغ کی قوت مفید اور عمدہ کاموں میں صرف کرتے ہیں ، کسی وقت تفریح بھی حاصل کریں - تھیٹر میں ایک لازمی امر یہ ہے کہ نصیحت آمیز باتوں اور بد اخلاق کے عیوب دکھانے کے ساتھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو بد اخلاق یا بد نفسی کی باتوں کو بھی یاد دلاتی ہیں یا سکھاتی ہیں - پس تھیٹر ایسے ملک میں ہونا چاہیے کہ جہاں تعلیم نے اور سوسائٹی نے لوگوں کے دل پر ایسا اثر کر دیا ہو کہ ان کے دل پہلی قسم کی باتوں سے مؤثر اور دوسری قسم کی باتوں سے ذہول کرنے کے قابل ہیں ۔ ہندوستان کی حالت ایسی نہیں ہے - یہاں مفید کام تو کوئی نہیں کرتا ، پھر اگر تفریح ہی تفریح ہو تو کیا ہوگا ؟ علاوہ اس کے دل میں نہایت مختلف اثر پیدا ہوتا ہے - بجائے اس کے کہ پہلی قسم کی باتوں سے وہ مؤثر اور دوسری قسم کی باتوں سے ذہول کریں ، وہ دوسری قسم کی باتوں سے مؤثر ہوتے ہیں اور پہلی قسم کی باتوں سے ذہول کرتے ہیں - سید صاحب نے

فرمایا کہ جب میں قاہرہ ، دارالسلطنت مصر میں تھا تو ایک دن وہاں کے عجایب خانے کو ، جس میں قدیم مصریوں کی نہایت قدیم چیزیں اور ممیاں موجود ہیں ، دیکھنے گیا تھا ۔ اتفاقاً وہاں مصر کے ایک پاشا بھی ، جن کا نام مصطفیٰ تھا یا اور کچھ ، تشریف لائے ۔ اسمٰعیل پاشا خدیو سابق مصر نے جو تھیٹر قایم کیا تھا اور اُس کے لیے نہایت عمدہ عمارت بنائی تھی اُس کا ذکر ہؤا ۔ سید صاحب نے نہایت مختصر لفظوں میں کہا کہ پہلے ملک کی حالت درست کر لو تب تھیٹر بناؤ ۔

اسی رات ٹنٹون ہال میں بزرگان امرتسر کی جانب سے ایک اڈریس سید صاحب کو دیا گیا ۔ یہ اڈریس نہایت عمدہ و خوشخط لکھا ہؤا تھا اور بہت خوبی سے اس پر طلائی کام بنایا گیا تھا ۔ دو سو پچاس عاید امرتسر ، جن کے سرگروہ جناب خان بہادر خان محمد شاہ خاں صاحب تھے ، اس اڈریس کے پیش کرنے کو ٹنٹون ہال میں جمع ہوئے تھے ۔ حاجی غلام حسن صاحب رئیس امرتسر نے نہایت دلی جوش سے اور بہت خوبی سے اُس کو پڑھا ۔ جو لفظ ان کے منہ سے نکلتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ دل سے نکلتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اثر کرتا ہے ۔ وہ اڈریس پڑھے جانے کے بعد خریطۂ زرنگار میں رکھ کر سید صاحب کی نذر کی گئی ۔ سید صاحب نے دونوں ہاتھوں سے لے کر اس کو سر پر رکھا اور ایک مختصر مگر پُر مطلب اس کا جواب دیا ، چنانچہ وہ اڈریس اور سید صاحب کا جواب دونوں ذیل میں مندرج ہیں ۔

اڈریس انجمنِ اسلامیہ امرتسر

بمقام ٹَون ہال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

بعالی خدمت جناب آنریبل سید احمد خاں صاحب بہادر
سی - ایس - آئی -

''بیا کہ منتظرِ مقدمِ تو یارانند
نہادہ چشم بـراہِ تو دوست دارانند
کنوں کہ گرم شدہ بزم ہم نوائی ہا
بہر طرف کہ روی بلبلاں ہزارانند

عالی جناب !

اراکینِ انجمنِ اسلامیہ امرتسر آج کسی ایسے شخص کے سامنے اڈریس دینے کو حاضر نہیں ہوئے جو بہ باعث گورنمنٹ کے اشفاق کے کسی اعلیٰ عہدے پر مامور ہو یا صرف بلحاظ اپنی خاندانی عظمت کے زمانے کی آنکھوں میں ممتاز ہو ، بلکہ انجمن اپنا اڈریس اُس شخص کے سامنے پیش کرنے کو ہے کہ جس نے علاوہ اعزازِ سرکاری اور شرفِ خاندانی و لیاقتِ ذاتی کے اپنے اعلیٰ درجے کی ہمدردی اور جانفشانی سے فنا فی القوم کا رتبہ حاصل کیا ـ آپ کے کارنامے اپنی عالمگیر شہرت کے سبب محتاجِ بیان نہیں ـ وہ قیامِ

عالم تک سنہری حروف میں تاریخ کے صفحوں پر روشن رہیں گے - مسلمانوں کو اس موجودہ تباہ حالت میں آپ جیسے بیدار مغز سرپرست کی بہت ضرورت تھی جس کو مسبب الاسباب نے آن کی خوش قسمتی سے پیدا کیا - قوم کی مصلحت اندیشی و خیر طلبی ، جو آپ کے وجود باجود میں پائی جاتی ہے ، کوئی نئی بات نہیں ، بلکہ یہ آس اعلیٰ خاندان کا ، جس کے آپ ذریات سے ہیں ، جبلی خاصہ اور آپ کا جدّی ورثہ ہے - آپ نے جو اس مسلمانوں کی سقیم حالت میں آن کی درستی اور اصلاح پر کمر باندھی ، یہ آپ کی شان کے بہت ہی مناسب اور موزوں ہے - یہ روز افزوں ترق اور آپ کے مساعیِ جمیلہ کا اس جلدی سے بارور ہونا جو نظر آ رہا ہے محض آپ کی حسن نیت اور خالصةً للہ کوششوں کا نتیجہ ہے ورنہ کس کا حوصلہ تھا کہ ایسے اہم کام کے انجام دہی کا کفیل ہو سکے اور پھر آس کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے کر دکھائے جیسا کہ آپ سے ظہور میں آیا - غرض کہ ہر طرح اس قوم کی قافلہ سالاری آپ ہی کے لیے زیبا ہے -

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مدرسة العلوم مسلمانان ، جس کے بانی مبانی آپ ہیں ، آن لا انتہا جان کاہیوں اور عرق ریزیوں کا ثمرہ ہے جس کو آپ نے اپنی درماندہ قوم کی بہبودی کی غرض سے رفیق حجرہ و جلیس انجمن بنا رکھا تھا - یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو یہ شادابی اور سرسبزی نصیب ہوتی جو آج اس کو حاصل ہے ، اگر آپ کے اعلیٰ دماغ کو ، جسے دست قدرت نے اسی اور ایسے ہی کاموں کے واسطے موضوع کیا تھا ، اس میں دخل نہ ہوتا - اس کالج کی بنیادوں کے استحکام کے ساتھ جو خیر جاری ہے ، آپ کی یادگار دائمی قایم رہے

گی اور صلۂ گراں مایہ اس کا، کہ جزائے خیر ہے، حق تعالیٰ آپ کو بخشے گا۔ آپ کی ایجاد پسند طبع نے اسی خیر جاری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انڈین سول سروس فنڈ کی فراہمی کا نیا قاعدہ آپ کی عمدہ تجاویز کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے جس میں اگر حسب مراد کامیابی ہوگئی تو اہل اسلام بہت کچھ اُمیدیں اپنی فلاح کی رکھ سکتے ہیں۔ انجمن اسلامیہ امرتسر نے بھی اس فنڈ کی تائید میں کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ اُمید ہے کہ عنقریب اطلاع مفصل اس کی آپ کی خدمت میں کی جائے گی۔ آپ کی اس قدر کوشش اور عرق ریزیوں کا اتنا فائدہ تو ضرور ہؤا ہے کہ قوم نے خواب غفلت سے کروٹ لی ہے۔ جابجا تعلیم مغربی کی اشاعت پیش نظر ہے۔ چنانچہ اس جگہ بھی ایک مدرسہ موسومہ بہ مدرسة المسلمین یہاں کے مسلمانوں نے قایم کیا ہے جس کی وسعت بحالت خاطر خواہ ہونے کے مسلمانوں کے حق میں فائدہ سے خالی نہ ہوگی۔ حق تو یوں ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو کچھ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا جس کی آئندہ ہونے کی امید ہے، یہ صرف آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ شاعرانہ مبالغے بھی آپ کے محامد کثیرہ کو بتفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ اب ہم اراکین انجمن اس اڈریس کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔"

از طرف انجمن اسلامیہ امرتسر بالتاریخ ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۶ جنوری سنہ ۱۸۸۴ع۔

پریسیڈنٹ انجمن اسلامیہ
حاجی خان محمد شاہ خان بہادر

آنریری سکرٹری انجمن اسلامیہ
شیخ غلام حسن

سید صاحب کا جواب اڈریس

''صدر انجمن و ممبران مجلس اسلامیہ و دیگر برادران و دوستان!

آج یہ دوسری عزت ہے جو امرتسر میں میری عزیز اور پیاری قوم نے مجھ کو دی ہے۔ گو میں اُس عزت کا مستحق نہیں ہوں مگر جو ہمدردی اورمسافر نوازی میرے ہموطن اور میری قوم کے بزرگوں نے امرتسر میں مجھ ناچیز کے ساتھ کی،اُس سے مجھے امید ہے کہ ہماری قوم میں اب یہ بات پیدا ہو چلی ہے کہ وہ جس شخص کو اپنے خیال میں ملک کی بھلائی یا قوم کی خیرخواہی کرنے والا سمجھتے ہیں اُس کی قدر کرتے ہیں۔ میں قبول کرتا ہوں کہ یہ اڈریس، جو مجھے دی گئی، میں اُس کا مستحق نہیں ہوں مگر اس جوش سے، جو اس وقت ظاہر کیا گیا ہے، میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس عزت کے مستحق ہوں گے (چیرز)۔ میں سب سے زیادہ اپنے حالات جانتا ہوں۔ میں ایک گنہگار شخص ہوں۔ میرے اعمال اچھے نہیں ہیں مگر میرا دل خدا کی رحمت اور اُس کی بخشش سے مایوس نہیں ہے۔ ایسے گنہگار کو مجلس اسلامیہ سے، جس کا نام ہمیشہ مقدس ہے اور ہمیشہ مقدس رہے گا، اڈریس کا دیا جانا اُس کی بڑی امیدوں کا باعث ہے۔ مجھ کو اُمید پڑتی ہے کہ جس طرح بندوں نے میرے گناہوں سے چشم پوشی کرکے مجھ کو عزت دی ہے، خدا بھی میرے ساتھ اُسی طرح پیش آئے گا اور میرے گناہوں کو معاف کرے گا۔ آپ نے اس اڈریس میں کچھ قومی ہمدردی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دعویٰ کرنا یا اس کا مستحق ہونا بہت مشکل اور اہم امر ہے۔ میں اپنے تئیں نہ اس کے لائق سمجھتا ہوں نہ اس کا مستحق۔ نہ اپنے میں ایسا مقدور دیکھتا ہوں کہ میں

ایسا کام کروں جس سے میں اس کا مستحق ہوں ۔ لیکن بے شک میرے دل میں ایک جوش اور ایک آرزو ہے کہ میری قوم ، جو ذلّت میں پڑتی جاتی ہے ، دولت سے محروم ہوتی جاتی ہے ، شان و شوکت کو ، جو باپ دادا کی کمائی تھی ، غارت کرتی جاتی ہے ، اُس کو پھر حاصل کرے ۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے میں اُس میں کوشش کرتا ہوں ۔ مدرسۃالعلوم بے شک ایک ذریعہ ترقیِ قومی کا ہے ۔ یہاں پر قوم سے میری مراد صرف مسلمانوں ہی سے نہیں ہے بلکہ ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے ۔ مدرسۃ العلوم بلاشبہ مسلمانوں کی ابتر حالت کے درست کرنے کے لیے اور جو افسوس ناک محرومی اُن کو یورپین سینز اور لٹریچر کے حاصل کرنے میں تھی ، اُس کے رفع کرنے کو قایم کیا گیا ۔ مگر اُس میں ہندو مسلمان دونوں پڑھتے ہیں ۔ اور تربیت ، جو ہندوستان میں مقصود ہے ، دونوں کو دی جاتی ہے ۔ ہم لوگ آپس میں کسی کو ہندو ، کسی کو مسلمان کہیں مگر غیر ملک میں ہم سب نیٹو یعنی ہندوستانی کہلائے جاتے ہیں ۔ غیر ملک والے خدا بخش اور گنگا رام دونوں کو ہندوستانی کہتے ہیں ۔ غیر ملکوں میں جب ہم جاتے ہیں تو ہندو اور مسلمان کے نام سے نہیں پکارے جاتے ہیں بلکہ نیک دل لوگوں سے نیٹو یعنی ہندوستانی کا اور تنگ دل لوگوں سے نیگرو یعنی کالے منہ یا وحشی ہندوستانی کا لقب دونوں کو برابر ملتا ہے ۔ اور یہی سبب ہے کہ ہندوؤں کی ذلّت سے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کی ذلّت سے ہندوؤں کی ذلّت ہے ۔ پھر ایسی حالت میں جب تک یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پرورش نہ پاویں ، ساتھ ساتھ یہ دونوں دودھ نہ پییں ، ایک ہی ساتھ تعلیم نہ پاویں ، ایک ہی طرح کے وسائلِ ترقی دونوں کے لیے موجود

نہ کیے جاویں ، ہماری عزت نہیں ہو سکتی ۔ مدرسۃ العلوم کے قایم کرنے میں میرا یہی مطلب تھا ، مگر میرا کیا مقدور تھا کہ میں اُس کو انجام دے سکتا ۔ میں اُن لوگوں کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اُس میں مدد کی ۔ اس مدد میں ؔمیں مسلمانوں کا اس قدر مشکور نہیں ہوں جس قدر ہندوؤں کا ہوں ، جنھوں نے بطور خیرات کے اپنے بھائیوں کی مدد کی ۔ مدرسے کی عمارت کی دیواروں اور محرابوں پر بہت سے ہندوؤں کے نام کندہ ہیں جس سے ہمیشہ کو یہ یادگار قایم رہے گی کہ ہندوؤں نے اپنے درماندہ مسلمان بھائیوں کی کس فیّاضی سے مدد کی تھی ۔

سرکاری نوکری کی بھی نسبت مجھ کو یہ کہنا چاہیے کہ کوئی وقار اور کوئی عزت کسی قوم کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک وہ حکمران قوم کے ساتھ درجہ حاصل نہ کرے اور اپنے ملک کی حکومت میں حصہ نہ لے ۔ دوسری قومیں مسلمانوں یا ہندوؤں کو محرری یا ادنیٰ عہدوں پر دیکھ کر عزت نہیں کرتیں اور نہ کر سکتی ہیں ۔ بلکہ جو گورنمنٹ اپنی رعایا کو اس قسم کے اعزاز سے محروم رکھے ، وہ بھی عزت کی نظر سے نہیں دیکھی جا سکتی ۔ عزت تبھی حاصل ہو گی جب ہمارے ملکی بھائی حکمران قوم کے ساتھ برابر کے عہدے رکھتے ہوں ۔ گورنمنٹ نے صداقت اور نیک نیتی ، نیک دلی اور انصاف سے اپنے ہر ملک کی رعایا کو اُن عہدوں کے پانے کے لیے برابر کا حق دیا ہے ، البتہ ہندوستانیوں کے لیے بہت سی مشکلات اور بےانتہا موانع ہیں ، مگر ہم کو استقلال کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے ۔ کسی تکلیف کے ، کسی مشکل کے ، کسی مصیبت کے خوف سے پیچھے نہ رہنا چاہیے ۔ ہمارے ہندوستان کے بھائی بنگالیوں نے ، جو

اس زمانے میں ہندوستان کی تمام قوموں کے فخر اور سرتاج ہیں ، کوشش کرکے ایک درجن بنگالی سویلین بنا لیے ہیں۔ مگر اُن کے بھائیوں کو ، کسی ملک کے ہوں ، خواہ پنجاب کے یا ہندوستان کے مسلمان ہوں یا ہندو ، اُن کو شرم نہیں آتی کہ وہ پیچھے رہے جاتے ہیں اور اپنی قوم کی آنکھوں میں ، غیر قوم کی آنکھوں میں ذلیل ہوتے ہیں ۔ بنگالیوں کے بعد میں اور ہندو بھائیوں کی بھی قدر کرتا ہوں کہ اُنھوں نے بہت کچھ کیا ہے ، گو میں اس کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اُنھوں نے ابھی کام پورا نہیں کیا ۔ ابھی ان کو بہت کچھ کرنا چاہیے ۔ ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ غیرت کرنی چاہیے کہ وہ سب سے پیچھے ہیں ۔ اگر اُن کو یہ خیال ہے کہ اُن کے بزرگ بڑے معزز اور ممتاز تھے تو اُن کو اور بھی زیادہ غیرت کرنی لازم ہے ۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ کوشش کرکے اپنے ملک میں ایسے عہدے حاصل کریں جن کے حاصل کرنے کا حق گورنمنٹ نے اُن کو بخشا ہے ۔ گو میں نے یہ جملہ خاص مسلمانوں کی نسبت کہا لیکن اگر میں لال بہاری ، گنگا رام ، خدا بخش میں سے کسی کو مجسٹریٹ یا کمشنر یا اسی طرح کے کسی عہدے کی کرسی پر بیٹھا دیکھوں تو مجھ کو برابر خوشی ہو گی کیونکہ اُسی وقت ہمارے ملک کے لوگوں کی دوسری قوم کی نظروں میں کسی قدر عزت ہو گی ۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ تعلیم کے ساتھ کچھ اس طرف بھی رغبت ہو کہ ہمارے ملک کے لوگ مقابلے کا امتحان دے کر سول سروس میں داخل ہوں ۔

آپ نے براہِ مہربانی میرے اُس ذریّت میں سے ہونے کا ، جو مقدس اور پاک ہے ، اس اڈریس میں ذکر کیا ہے ۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں اُس پاک شخص کی ذریّت میں ہوں جس کے

لب مبارک ، جو آخری وقت پر ہلتے تھے تو ''آستی آستی'' کہتے تھے ۔ میں اس ذریّت میں ہونے کا نہ اس وقت بلکہ جب تک میں اس دنیا میں ہوں فخر کروں گا اور مرنے کے بعد بھی مجھ کو اس کا فخر ہوگا ۔ مگر میں ٹھیک اس ذریّت میں ہونے کا اور اپنے فخر عالم دادا کے پوتے ہونے کا حق اس وقت ادا کروں گا جب میں بھی مرتے وقت ایسی حالت میں ، کہ سانس کو سینے میں گنجایش نہ رہی ہو اور ہونٹ بھی نہایت آہستہ اور خفیف حرکت کرتے ہوں ، '' قومی قومی'' کہتا ہؤا مروں ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ایسا ہی کرے ۔ آمین ۔'' (بہت زور سے چیرز)

باوجودیکہ بزرگانِ امرتسر نے سید صاحب کی مہمانی کا خوب انتظام کیا تھا اور نہایت عمدہ اور لطیف کھانے ہر وقت کھلاتے تھے اور شیخ غلام حسن صاحب ، خواجہ یوسف شاہ صاحب ، حاجی غلام حسن صاحب نہایت اخلاق و محبت سے ہر وقت بذاتِ خود سید صاحب کی مہمان داری میں مصروف رہتے تھے ، مگر سید صاحب '' نقدہ حرمتہ '' ہی کے مشتاق تھے ۔ بزرگانِ امرتسر نے اس کو بھی پورا کیا اور اڈریس کے بعد چمکتے ہوئے سفید سفید مبلغ ایک ہزار پچاس روپے بہ تقریب دعوت اسی وقت پیش کیے اور ساڑھے چار سو روپے کے اور عطا فرمانے کا وعدہ کیا جو وفا بھی ہؤا ۔ سید صاحب اس پیش کش کو ، جسے وہ '' ایفِ نورانی'' کہا کرتے ہیں ، لے کر نہایت خوش ہوئے اور شکریہ ادا کیا اور یہ تجویز کی کہ اس روپے سے مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں ایک پختہ بورڈنگ ہوس بنایا جاوے جس پر مندرجہ ذیل کتبہ لگے :

" از زرِ عطیہ

ممبرانِ انجمن اسلامی و دیگر احباب امرتسر صوبہ پنجاب

کہ بتاریخ بست و ششم جنوری سنہ ۱۸۸۳ع بمقام امرتسر بتقریبِ دعوت سید احمد خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی را عطا فرمودند

تعمیر یافت "

ستائیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۳ع تاریخِ روانگی گورداسپور قرار پا چکی تھی اور وہاں سے پھر امرتسر میں واپس آنے پر ایک لیکچر دینا ٹھہرا تھا ۔ چنانچہ سید صاحب اسی تاریخ امرتسر سے گورداسپور روانہ ہوئے ۔ اکثر احباب اسٹیشن پر رخصت کرنے کو تشریف لائے ۔ حاجی غلام حسن صاحب ، خواجہ یوسف شاہ صاحب اور شیخ غلام حسن صاحب نے سید صاحب کو نہیں چھوڑا ۔ وہ بھی ہم سب کے ساتھ گورداسپور کو راہی ہوئے ۔ اب ہم گورداسپور کو جاتے ہیں اور وہاں سے واپس آنے کے بعد پھر امرتسر کے حالات لکھیں گے ۔

حالات مقام گورداسپور

ہم سب امرتسر ہی میں تھے کہ سردار شیر سنگھ صاحب منصف گورداسپور ، نجم الہند سردار محمد حیات خاں بہادر کا خط لے کر گورداسپور سے امرتسر میں تشریف لائے اور تاریخ و وقت پہنچنے گورداسپور کا دریافت فرما کر گورداسپور چلے گئے - ہم سب لوگ بھی ستائیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو روانۂ گورداسپور ہوئے - جب سید صاحب بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچے تو رائے رام داس صاحب تحصیلدار اور منشی ٹیک چند صاحب نایب تحصیل دار اور شیخ ناصرالدین صاحب اور شیخ محمد بخش صاحب اور شیخ برکت علی صاحب رئیسان بٹالہ سید صاحب کی ملاقات کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے - رئیسان ممدوح نے مبلغ پندرہ روپے بہ طریق دعوت سید صاحب کو عنایت کیے - سید صاحب نے اُس کو شکون بخشی سمجھا اور نہایت احسان مندی سے اُن کو لیا اور مختصر مگر دل چسپ لفظوں میں اُن کا شکریہ کیا -

الفاظِ شکریہ جو سید صاحب نے کہے

''حضرات !

شاید ریل کی روانگی میں بہت تھوڑا عرصہ باقی ہے - اس سبب سے میں کچھ زیادہ شکریہ آن کی عنایت کا ادا نہیں کر سکتا - لیکن

آپ صاحبوں کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مہربانی کرکے میرے واسطے تکلیف فرمائی اور ایک قومی کام کی غرض سے چندہ بھی عطا کیا ۔ آپ صاحبوں کو خیال کرنا چاہیے کہ ہماری قوم کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور ہر قسم کی ترقی میں وہ سب سے پیچھے ہے ۔ آپ صاحبوں کو کوشش کرکے اس کو آگے بڑھانا چاہیے ۔ آپ صاحب بہت سے مشہور کام کرتے ہیں ، مسجدیں بنواتے ہیں اور اَور بھی نیک کام کرتے ہیں ، لیکن وہ سب اس لیے کیے جاتے ہیں کہ آن کاموں کی وجہ سے آپ کو بہشت میں جگہ ملے گی ۔ وہ سب کام آپ کے دین کے ہیں ۔ جب کہ آپ دنیا میں بھی ہیں اور اُس سے آپ کو کسی طرح چھٹکارا نہیں ، تو اس کے فائدے کے واسطے بھی آپ کو کچھ کرنا چاہیے ۔ دنیا میں عزت ایک بڑی چیز ہے مگر وہ ہر شخص کو فرداً فرداً کسی طرح سے نہیں مل سکتی جب تک کہ اُس قوم کو ، جس میں کا وہ شخص ہے ، عزت حاصل نہ ہو ۔ اگر ایسی قوم میں سے ، جو ذلیل ہے ، کسی خاص شخص کو عزت حاصل ہو تو اُس سے قوم کو تو کیا عزت ہوگی ، وہ خود اس وجہ سے کہ وہ خود اُسی ذلیل قوم میں کا شخص ہے ، ہمیشہ ذلیل ہی رہے گا ۔ پس جو لوگ اپنی عزت چاہتے ہیں اُن کا یہی فرض ہے کہ قوم کی عزت بڑھانے میں کوشش کریں ۔ جب قوم ذلّت سے نکل جاوے گی اور پھر اُس میں سے کوئی شخص کسی قسم کی عزت حاصل کرے گا تو اُس کی اصلی عزت ہو گی اور وہ بھی کل قوم کی عزت کا باعث ہوگا ۔ اُمید ہے کہ مجھ مسافر کی اس صدا کا آپ ہمیشہ خیال رکھیں گے ۔''

بٹالہ کے رئیسوں کی بہت خواہش تھی کہ سید صاحب وہاں چلیں مگر فرصت اور وقت نہ تھا ۔

گورداسپور کے سول اسٹیشن پر منشی گور چرن داس صاحب پلیڈر چیف کورٹ پنجاب اور شیخ احمد علی صاحب پلیڈر سے ، جو بتقریب استقبال تشریف لائے تھے ، ملاقات ہوئی ۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ گورداسپور کا اسٹیشن ، جہاں ہم کو اترنا تھا ، آ گیا ۔ پلیٹ فارم پر کثرت سے لوگ جمع تھے جن میں نجم الہند سردار محمد حیات خاں بہادر مثل کوکب اقبال دور سے نمایاں اور درخشاں تھے ۔

گاڑی کے پہنچتے ہی گورداسپور کے اسکول کے تمام طلبہ نے ، جو کثرت سے پلیٹ فارم پر ایک طرف جمع تھے ، اور نیز تمام لوگوں نے ، جو وہاں موجود تھے ، نہایت جوش دلی سے چیرز دی اور ہرّے ہرّے کا غل مچایا ۔ سیّد صاحب نے گاڑی پر سے اترتے ہی اپنے قدیم دوست مکرم خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ سے ملاقات کی ۔ میں نے کہا : ''خوب قران السعدین ہوا ۔ نجم الہند سے نجم الہند ملے ۔ اگر گھٹا کر کہو تو یوں کہو کہ نجم ہندوستان کا نجم پنجاب سے خوب اقتران ہوا ، اور اگر سچ سچ کہو تو یوں کہو کہ ہندوستان کا آفتاب پنجاب کے آفتاب سے مل گیا ۔''

نجم الہند نے نجم الہند سے سردار محمد حیات خاں صاحب پوپل زئی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور سردار پرتاب سنگھ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور رائے بوٹا مل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ، منشی منو لال صاحب تحصیلدار ، مولوی محمد شفیع صاحب صدر منصف ، سید عنایت علی صاحب منصف ، لالہ بشن داس صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ، بابو من موہن سرکار صاحب ہیڈ ماسٹر ، شیخ

نبی بخش صاحب پلیڈر ، شیخ سبحان علی صاحب رئیس ، بابو نرنجن لال صاحب اسسٹنٹ انجنیر ، ڈاکٹر لوری خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن ، سردار شیر سنگھ صاحب منصف ، مولوی محمد علی صاحب منصف ، باوا کرم سنگھ صاحب سپرنٹنڈنٹ ، لالہ نرائن داس صاحب ڈسٹرکٹ انجنیر ، بابو گھوسن صاحب سکنڈ ماسٹر ، نتھے خاں صاحب رئیس ، منشی صاحب مرزا صاحب مسل‌خواں ، پنڈت نگر رام صاحب پلیڈر ، بابو شوق محمد صاحب مسل خواں ، باوا لچھمن سنگھ صاحب شرف ، منشی نبی علی صاحب نایب تحصیل‌دار ، مہنت بشمبر ناتھ صاحب گدی نشین گوردواره گورداسپور ، منشی فضل داد خاں صاحب انسپکٹر پولیس ، میاں فیض محمد صاحب ، باوا پرتاب سنگھ صاحب ہیڈ کلرک دفتر انگریزی ، نراین سنگھ صاحب ڈپٹی انسپکٹر کی اور آور صاحبوں کی ، جو وہاں موجود تھے ، ملاقات کرائی - خوب مصافحے ہوئے - نجم‌الہند نے نجم‌الہند اور آن کے ساتھی احباب کو پھولوں کے گلدستے عنایت کیے -

مینہ برس چکا تھا - پلیٹ فارم پر کسی قدر کیچڑ ہو گئی تھی - سب صاحبوں نے ایسی حالت میں ، کہ ابر محیط تھا اور ترشح کے بھی آثار باقی تھے اور سردی بھی خوب چمک رہی تھی ، نہایت گرمجوشی سے اسٹیشن پر تشریف لانے کی ، جہاں کچھ سایہ بھی نہ تھا ، تکلیف گوارا کی تھی - بزرگان گورداسپور نے پلیٹ فارم ہی پر اڈریس کا پیش کرنا قرار دیا تھا ، چنانچہ وہ اڈریس نہایت مطلا و مذہّب ، خوشخط و خوشنما ، خریطۂ اطلسین زرین میں پیش کی گئی - نجم‌الہند خاں بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب نے ایک آونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اس اڈریس کو پڑھا - سید صاحب نجم‌الہند آن کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور جو لوگ نیچر کے

برخلاف امورات کے واقع ہونے کے منکر ہیں ، وہ دو آفتابوں کو گورداسپور کے پلیٹ فارم پر چمکتے ہوئے دیکھ کر تعجب کرتے تھے ۔ اڈریس پڑھے جانے کے بعد سید صاحب کو نذر کی گئی اور سید صاحب نے لطف آمیز اس کا جواب دیا جو ذیل میں مندرج ہے :

سپاسنامہ از جانب باشندگانِ ضلع گورداسپور
ملک پنجاب

بعالی خدمت جناب آنریبل سید احمد خان بہادر
نجم الہند سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ دام اقبالہٗ

''جنابِ معلیٰ ! آپ کی تقریبِ رونق افروزیِ گورداسپور کو باعثِ فخر و مباہات سمجھ کر ہم سب لوگ بہ شوقِ دل آپ کو خیرمقدم کہنے کے واسطے حاضر ہوئے ہیں ۔

گو ہم میں سے اکثروں کو آپ کی زیارت کرنے کا موقع اس سے پیشتر حاصل نہیں ہؤا ، الا جناب کا نامِ نامی جو بہ سبب فنا فی القوم ہونے اور قومی خدمات کے سبب سے نہ صرف خطۂ ہند میں بلکہ دور دراز مملکت میں بھی اظہر من الشمس ہے ، اس کے دل افروز پرتو سے یہ گوشۂ پنجاب بے نور نہیں تھا ۔ اور اس لیے جو محبت اور عقیدت ایک سچے اور راست باز محبِ قوم اور خیرخواہ ملک سے قدرةً قوم اور باشندگانِ ملک کو ہونی چاہیے اس کے ثبوت کے لیے آج کے روز کسی خاص اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ قوم کے اس طریقِ عمل اور جوشِ محبت سے ، جو آپ اپنے گرد و پیش دیکھ رہے ہیں ، یہ مقصود حاصل ہے ۔

آپ کے لا انتہا ، انتھک اور مسلسل رفاہ عام کے کاموں اور خصوصاً مسلمانوں کے ڈوبتے قومی جہاز کو بھرنا آمیدی سے کنارۂ مراد کی طرف تن تنہا دلیرانہ ''فمن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ'' پڑھ کر دھکیلنے سے جو جو محنتیں ، تکالیف ، مزاحمتیں جناب نے آٹھائیں ہیں ، اُس سے ہم لوگ ناواقف نہیں ہیں ۔

تشریحاً اُن سب امور رفاہ عام کو ، جو آپ کی ذات والا صفات سے ظہور پذیر ہوئے ہیں ، ذکر کیا جاوے تو ہمارا یہ اڈریس طول ہو جائے گا ، اس لیے مختصراً عرض ہے کہ آپ کی وفادارانہ خدمات سلطنت ایام نازک سنہ ۱۸۵۷ع میں باعث فخر قومی ہیں ۔ آپ کا معدلانہ طریق ایام حکومت جوڈیشل ضرب المثل رہے گا ۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بناء اور اُس کا عدم سے حالت موجودہ تک پہنچانا اور اُس کی ترقی میں بہ دل و جان ساعی رہنا قوم پر وہ بھاری احسان ہے کہ نہ صرف موجودہ نسلوں کے لیے بلکہ خدا کے فضل و کرم سے آیندہ ابدالابد تک قوم کی خوشحالی ، سرسبزی دنیاوی اور روحانی نعمتوں کا ذخیرۂ لازوال آپ نے مہیا کر دیا ہے جس کا شکریہ فرزندان ہند کی ہر ایک نسل پر دائماً لازم ہے ۔

شخصی کام ہمیشہ معرض زوال میں رہتے ہیں مگر جس عاقلانہ اور مدبّرانہ تدبیر سے آپ نے اس قومی گھر کی قوم کی طرف سے بنیاد رکھی ہے ، ہم بہ صدق دل خدا سے التجا اور دعا کرتے ہیں کہ جب تک خاک ہند کی نسلیں دنیا پر قایم ہیں، یہ قومی ملجا ہمیشہ قایم رہے گی ۔ آمین!

طریق تعلیم اور نگرانی اخلاق طلبہ اور انتظام مدرسۃ العلوم نہایت قابل اطمینان سنے جاتے ہیں ، جس کے تحسین اور مبارکباد کے

مستحق عموماً منتظان و ارکان مدرسۃالعلوم اور خصوصاً آپ ہیں ۔

ایک اور امر ، جس کی طرف آپ کا صلح کل خیال ہمیشہ مبذول رہا ، قابل نہایت طانیت و شکر گزاری عامہ ہے اور وہ اتحاد مابین ہر فرقۂ بشر اور خصوصاً ہندو اور مسلمان گروہان عظیم ہند کا ہے ۔ آپ کی تقریر سنہ ۱۸۷۳ع بمقام لاہور اور سال گزشتہ کا لیکچر بمقام پٹنہ ایک مؤثر ہدایت اور کامل ثبوت آپ کی دل پذیر نیکوئی کا ہے جس کو ہم کبھی نہیں بھولیں گے ۔ جو نعمتیں اور برکتیں اس اتحاد سے ایک با امن اور عادل سلطنت قیصر ہند میں ہم باشندگان ملک کو حاصل ہو سکتی ہیں ، آن کا اظہار آپ کے عالی خیالات سے بخوبی ہوتا ہے ، اور یہ آس پاک خیال کا نتیجہ ہے کہ آپ نے خوان نعمت مدرسۃالعلوم علی گڑھ بلا تمیز ملت ہر فرقۂ اہل ہند کے واسطے عام کیا ہے ۔

لیجسلیٹف کونسل ہند کے آنریبل ممبر ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ملک کو فوائد آپ کی رفاہ ُجو اور منصفانہ وکالت سے پہنچے ہیں ، آن کا ہم لوگ تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ آپ کی تقاریر بہ اجلاس لیجسلیٹف کونسل کو ہم نہایت غور اور توجہ سے پڑھتے اور سنتے تھے اور اطمینان کے ساتھ فخر کرتے تھے کہ ہمارا راست باز وکیل نہایت مؤثرانہ اور مؤدبانہ ہمارے حقوق ، ہماری دلی خواہشوں اور فوائد کو آس عالی کونسل میں پیش کر رہا ہے جس کی نظیر دنیا میں بہت کم ملتی ہے ۔

اخیر پر ہم اپنے اس ناچیز سپاسنامے کو اس سپاس پر ختم کرتے ہیں کہ خداوند کریم قوم اور ملک کے بھاگوں سے آپ کو عرصۂ دراز تک زندہ و تندرست اور خوشحال رکھے اور ہمیشہ آپ

کا مددگار ہو - آمین!''

اس اڈریس پر علاوہ دستخط خان بہادر سردار محمد حیات خان صاحب سی - ایس - آئی - کے پچاس بزرگوں کے اور دستخط تھے جن میں سے اکثر کے نام نامی اوپر مذکور ہوئے ہیں -

سید صاحب کا جواب اڈریس

''بزرگان من!

آج اس پلیٹ فارم پر ایسے مقام میں، جو پنجاب کے کونے پر واقع ہے، اس ہمدردی سے جو میری عزت کی گئی ہے، ہمیشہ جب تک میں زندہ رہوں گا، اس کو یاد رکھوں گا - سچ بات تو یہ ہے کہ جن چیزوں کا آپ نے براہ مہربانی مجھ کو مستحق تصور کیا، بے درحقیقت میں اس کا مستحق نہیں ہوں - (لوگوں نے کہا: ''نہیں نہیں -'') لیکن جو کچھ آپ نے کیا، یہ آپ کی برادرانہ شفقت، سچی محبت، ہمدردی اور جوش حب قومی کا سبب ہے - آپ نے جو کچھ ذکر خدمات سنہ ۱۸۵۷ع کا کیا، اگرچہ جس شخص نے میرے سامنے یہ اڈریس پڑھی اس کی خدمتیں مجھ سے بہت زیادہ ہیں اور وہ مجھ سے بہت زیادہ تعریف کا مستحق ہے، لیکن میں خوش ہوں کہ کچھ خدمتیں برٹش گورنمنٹ کی اس مکروہ زمانے میں مجھ سے بھی ہوئیں - میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان پر بلکہ ہر رعایا پر، جو عادل گورنمنٹ کی رعایا ہو، ایسا ہی کرنا فرض ہے - مدرسۃالعلوم، جس کا آپ نے بہت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے، واقعی ہماری قوم کے لیے، جس میں ہندو اور مسلمان سب شامل ہیں، ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے اس کو خیال کیا، مگر خدا اس کو پورا کرے - اس کے بانی ہونے کا خطاب جو آپ نے مجھے

دیا ہے، اصل میں اس کا استحقاق آنھی لوگوں کو حاصل ہے جنھوں نے روپے اور محنت سے اس میں مدد کی اور مدد دیتے جاتے ہیں ۔ قومی کام میں واقعی اس وقت تک مدد نہیں ہو سکتی جب تک کہ لوگوں کے دلوں میں ملک کی بھلائی ، قومی ہمدردی ، اپنے ملک کے تمام بچوں کی تربیت کا جوش نہ آ جائے ۔ بے شک میں اس قدر کہوں گا یہ جوش میرے دل میں ہے ۔ میں ضرور کہوں گا اور یقین دلاؤں گا کہ میرے دل میں یہ جوش شاید زیادہ ہے ۔ اسی کے سبب سے میں نے قوم کی کچھ خدمت کی ہے ۔ اس کے قوم بنانے کی مجھے تمنا ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ ہندوستان میں ، جس میں خدا نے ہم کو اور ہمارے ہندو بھائیوں کو آباد کیا ہے ، جس سے اس کا منشا پایا جاتا ہے کہ ہم دونوں گروہ بھائی ہو کر اور ایک دوسرے کو بھائی سمجھ کو ایک دوسرے کو مدد دیں ، روز بروز ترقی کرے گا ۔ پنجاب اور پلیٹ فارم گورداس پور پر یک جائی مجمع ان دونوں گروہوں کا دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے ۔ اسی چیز کی ہندوستان میں ضرورت ہے ۔ میرے یہاں آنے میں دونوں گروہوں نے ایک ساتھ خوشی کی اور ایک ہی ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ، جس سے میری اُمید کو بہت تقویت ہوتی ہے ۔ میری دعا ہے کہ خدا ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی مدد کا خیال پیدا کرے اور ایک کو دوسرے کا حامی کرے ، آمین ۔ اب میں اس عنایت و محبت کا ، جو آپ جیسے بزرگوں اور سرداروں نے مجھ جیسے ناچیز کے ساتھ اس پلیٹ فارم پر کی ہے ، دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں ۔''

اس کے بعد ہم سب لوگ اپنی اپنی سواریوں میں سوار

ہوئے اور جناب خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب سی ۔
ایس ۔ آئی ۔ کی کوٹھی میں پہنچے ۔ کوٹھی نہایت خوبی و خوش
سلیقگی سے آراستہ تھی ۔ کوٹھی کے قریب متعدد خیمے ، جن میں
قالینوں کا فرش تھا ، مہمانوں کے لیے کھڑے ہوئے تھے ۔ کوٹھی
میں متعدد آتش خانے اور خیموں میں آتش دان مہیا تھے ۔ بارش
کے سبب سردی زیادہ ہو گئی تھی ، اُس وقت آتش خانے گلزارِ
بہشت کا مزا دیتے تھے ۔

اسی تاریخ چار بجے سید صاحب گورداسپور کے ضلع اسکول
کو دیکھنے تشریف لے گئے جہاں ایک مختصر لیکچر دینا قرار پایا
تھا ۔ اسکول نہایت خوبی و خوشنمائی سے آراستہ کیا گیا تھا ۔
مختلف رنگوں کی جھنڈیاں لگائی تھیں ۔ کالج کے بڑے ہال میں عجب
قسم کی جھنڈیاں لٹک رہی تھیں ۔ کسی جھنڈی پر سنہری حرفوں
میں لکھا تھا : '' مرحبا سیّدی '' ، کسی پر یہ مصرع لکھا ہوا
تھا : ''مقدمت خیر و بس ہایوں باد'' ، کسی جھنڈی پر لکھا
تھا ''نالج از پاور'' (knowledge is power) ، کسی جھنڈی پر لکھا
تھا: ''اکسلسیر'' (Excelsior) ، کسی جھنڈی پر اُفق سے آفتاب طلوع
ہوتا ہؤا بنا تھا ۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا تھا کہ کس خوشی
اور دلی جوش سے ان بزرگوں نے سید صاحب کی تشریف آوری اور
ادائے تعظیم کے لیے سامان کیے تھے ۔

سید صاحب کے اسکول میں پہنچنے پر بہت زور سے چیرز
دی گئی ۔ جب گونج کم ہوئی اور سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں
اور بنچوں پر بیٹھ گئے تو نجم الہند سردار محمد حیات خاں بہادر سی ۔
ایس ۔ آئی ۔ نے حسبِ درخواست ارکانِ مجلس صدر انجمن کی کرسی
کو رونق بخشی اور اپنی کرسی پر سے اُٹھ کر یہ تقریر کی :

تقریر نجم الہند سردار محمد حیات خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ۔

''حضرات! میں آپ لوگوں کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے میر مجلس ہونے کی عزت دی اور میں نجم الہند نہیں بلکہ آفتاب ہند آنریبل سید احمد خاں بہادر کا ممنون ہوں کہ وہ یہاں کچھ بیان کریں گے ۔ آپ لوگ ان کی عمدہ نصائح اور بے بہا پندوں کو ، جو جوہر بے بہا اور گوہر بے قیمت ہوں گی ، تحمّل اور دل کے کان لگا کر سنیے ۔ ہمارے ہونہار بچے نئی پود کے اور ہمارے بزرگ سیرت ہیڈ ماسٹر من موہن سرکار ان باتوں کو زیادہ غور کے ساتھ سنیں گے ۔ ہمارے بچے اس کے سننے سے سیدھی راہ پر ہو جائیں گے اور وہ نصیحتیں اور پند ، جو سید صاحب کی زبان سے ادا ہوں گی ، ہم لوگوں کے لیے بہت مفید ہوں گی اور ان سے بہت عمدہ تعلیم حاصل ہوگی ۔''

اس کے بعد سید صاحب اپنی کرسی پر سے آٹھے اور ایک دلپذیر لکچر دیا جو ذیل میں مندرج ہے :

سید صاحب کا لکچر مدرسۂ گورداسپور میں

''پریسیڈنٹ و دیگر بزرگان و طالب علمان !

اس وقت میں آپ صاحبوں کی خدمت میں تعلیم اور اتّفاق پر چند الفاظ بیان کروں گا ، جیسا کہ مجھ سے ارشاد کیا گیا ہے ۔ اے صاحبو ! میں اس لائق نہیں ہوں کہ اس ہال میں ، جو ایک

تعلیم گاہ ہے ، جس میں لائق ہیڈ ماسٹر اور ٹیچر موجود ہیں اور اور بھی بہت سے لائق لوگ تشریف رکھتے ہیں ، تعلیم و تربیت کے باب میں کچھ کہنے کی جرأت کروں ـ مگر میں اپنے خیال نسبت تعلیم اور اتحاد کے ، جو کچھ کہ ہیں ، اس لیے بیان کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جو کچھ اس میں غلطیاں ہوں گی اس کی اصلاح ہو جائے گی ـ اے صاحبو! ہمارے ملک ہندوستان میں ، جو کہ غالباً صدیوں سے ان دو قوموں سے ، جو ہندو اور مسلمان کے لفظ میں تقسیم کی گئی ہیں ، آباد ہیں ـ آن کے بزرگوں کی عظمت اور فضیلت اور ناموری ایسی نہ تھی جو بھولی جائے ـ ہندوؤں کے بزرگ جس قدر کہ آنھوں نے تمام علوم ریاضیات ، ہندسہ ، حساب ، لاجک ، فلاسفی ، مارل سینس میں ترقی کی ، آج تک ان کی کتابیں ان کی یادگار نشانیاں ہیں ، جس سے ان کی اولاد کو فخر ہے ـ مسلمان بعد کو اس ملک میں آکر آباد ہوئے ـ وہ بھی اپنے بزرگوں کی عمدہ تحریرات ، عمدہ تالیفات اور تصنیفات پر فخر کرتے ہیں ـ انھوں نے علم کی ہر شاخ میں ترقی دی ـ گو یہ علم یونانیوں سے حاصل ہوئے [1] مگر آنھوں اس کو ایسے درجے

۱ـ یہ صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے سارے علوم وفنون یونانیوں سے حاصل کیے ـ صرف ہیئت ، فلسفہ اور طب کی بعض کتابوں کے تراجم البتہ یونانی سے عربی میں ہوئے ـ اور یونان پر کیا موقوف ہے جس زبان اور جس قوم سے بھی کوئی اچھی اور عمدہ اور مفید بات مسلمانوں کو ملی وہ آنھوں نے لے لی ، کیونکہ ان کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا حکم تھا کہ ” اطلبواالعلم و لو کان

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۳ پر)

تک ترقی پر پہنچایا کہ یونان اور انگلستان دونوں کو ان کی شاگردی سے فخر حاصل ہوا ۔ یہ باتیں یقیناً بہت سے لڑکے اور جوان یاد کرکے فخر کرتے ہوں گے ، مگر اے دوستو! بزرگوں کی بات یاد کر کے فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲)

بالصین ۔'' (یعنی علم حاصل کرو خواہ چین جیسے دور دراز علاقے میں ملے) اور '' الحکمة ضالة المومن حیث وجدھا فھو احق بھا ۔'' (یعنی ہر ایک عمدہ بات مومن کا گم شدہ مال ہے ۔ وہ جہاں بھی آسے پائے ، اس کا حق ہے کہ وہ آسے لے لے) ۔ پس محض چند کتابوں کے تراجم سے یہ کس طرح فرض کر لیا گیا کہ سارے علوم اور کل فنون مسلمانوں نے یونانیوں سے لیے ؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے زمانے میں جو علوم و فنون ایجاد کیے اور تہذیب و شائستگی اور صنعت و حرفت میں جو ترقی کی آس سے آس وقت سارے یورپ نے فیض آٹھایا ۔ فرانس کے مشہور مستشرق موسیو سدیو نے اپنی کتاب '' تاریخ عرب '' میں ان متعدد ایجادوں کا تفصیلی بیان کیا ہے جو یورپین سائنس دانوں نے اسپین کے مسلمانوں سے حاصل کیں اور پھر اپنے نام سے آن کو دنیا میں شایع کیا ۔

بھلا مسلمان یونانیوں سے کیا لیتے ؟ جس وقت مسلمانوں کو ترقی کا خیال آیا آس وقت یونان کے قدیم علوم و فنون مردہ ہو چکے تھے اور ساری دنیا پر علم و فن اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے اندھیرا چھا رہا تھا ۔ توحید مفقود ہو چکی تھی، بُت پرستی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی جس میں یونانیوں کو امامت کا درجہ حاصل تھا،

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۴ پر)

حمیّت کے خلاف ہے ۔ بلکہ اپنی جہالت اور کم علمی سے اُن بزرگوں کے نام کو بھی بٹّہ لگانا ہے ۔ نہایت افسوس ہے ان دونوں قوموں پر ، جن کے بزرگ ایسے گزرے ، اور یہ جہالت میں پڑ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳)

چنانچہ علم الاصنام جیسا یونانیوں کا وسیع تھا اتنا شاید ہی کسی قوم کا ہو ۔ وہاں کے زمین و آسمان خیالی دیوتاؤں سے بھرے پڑے تھے ۔ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے سب سے اول دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری کا اعلان کیا ۔ اور پھر علم و ہنر ، تہذیب و شائستگی ، صنعت و حرفت ، تجارت و زراعت ، تعمیرات و تعلیمات ، فلکیات و ارضیات ، ہیئت و ہندسہ ، فلسفہ و طب اور حساب و الجبرا وغیرہ تمام علوم میں ایسی محیرالعقول ایجادیں کیں کہ یونان و روم ، مصر و شام ، ایران و چین اور ہندوستان کی قدیم تہذیبیں اُن کے سامنے گرد ہو گئیں ۔ سرسید کے رفیق اعظم حضرت شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی مشہور عالم ''مسدس'' میں مسلمانوں کی ترقی علوم و فنون اور اُس کے مقابلے میں اقوام یورپ کی جہالت و بربریت کا جو نہایت ہی دلچسپ اور عجیب نقشہ کھینچا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے ۔ نمونے کے طور پر صرف ایک شعر یہاں لکھتا ہوں ۔ مولانا فرماتے ہیں :

وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنونڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

خود سرسید نے بھی اپنے ایک دوسرے لکچر میں ، جو ٹاؤن ہال امرتسر میں دیا ، اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے ۔ یہ لکچر آگے آتا ہے ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

کر بزرگوں کو بھی بد نام کریں ۔ اس زمانے میں علم کا بہت چرچا ہو رہا ہے ، لیکن ہم کو تعلیم کے معاملے میں اول غور کرنا چاہیے کہ کیا چیز ہے جس کو ہم سیکھیں اور کیا چیز ہے جس کا سیکھنا ہم کو مفید نہ ہوگا ۔ میں اُس بزرگ زبان کو ، جو سنسکرت ہے ، جس کو ہمارے ملک کے باشندوں کا ایک حصہ عزیز رکھتا ہے ، اور واقعی وہ اپنا ثانی بھی نہیں رکھتی ہے ، یا اس مقدس زبان کو ، جو عربی کہلاتی ہے ، جس کو میں دل سے مقدس سمجھتا ہوں اور جو اس قابل بھی ہے کہ تمام علوم اور سینس اس میں لائے جا سکتے ہیں ، دل سے پسند کرتا ہوں ۔ مگر باوجود ان سب خوبیوں کے ، جو ان زبانوں میں ہیں ، سوال یہ ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے ؟ اگر ہم بغیر غور اور خیالِ ضرورت کے تعصّب یا نیچرل خواہش سے اپنی ان دونوں زبانوں کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیں تو یقین کرنا چاہیے کہ جس چیز کے حاصل کرنے کی ہم کو ضرورت ہے اس کو چھوڑ بیٹھیں گے (چیرز) ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مقدس اور پرانی زبانوں کو بالکل چھوڑ بیٹھیں ۔ سمجھنے کی یہ بات ہے کہ بالفعل ہم کو ضرورت کس چیز کی ہے اور کون زبان ہم کو علوم کے اعلیٰ مطالب کی طرف لے جا سکتی ہے ؟ اُس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ انگلش لینگوج ۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ہاں کی کتابیں علوم اور فنون سے بھری ہوئی تھیں ، مگر اب دیکھنا چاہیے کہ علوم اور فنون نے کہاں تک ترقی کی ۔ میں سمجھتا ہوں کو جن علوم کے بیج ہمارے بزرگوں نے بوئے تھے وہ اب برومند اور تناور درخت ہو گئے ہیں اور ان میں ایسے پھل پھول لگے ہیں اور ایسی خوشنما شاخیں نکلی ہیں اور ایسے لذیذ میوے

لٹکے ہیں کہ وہ ایک نئے درخت معلوم ہوتے ہیں ۔ علومِ جدیدہ ، جو بالکل نئے ہوں اور جن کا وجود مطلقاً ہمارے بزرگوں کے زمانے میں نہ پایا جاتا ہو ، واقعی تھوڑے ہیں اور زیادہ وہی ہیں جو اگلے بزرگوں کے پاس تھے ، مگر حقیقت میں اس وقت وہ بیج تھے اور اب وہ پھل دار درخت ہوگئے ہیں ۔ پس اب ہمارا ان بیجوں پر ہی فخر کرنا ، ان بارآور درختوں کے سائے سے فایدہ نہ اٹھانا اور اُن لذیذ میووں کے ذائقے سے محروم رہنا ہم کو نہ کچھ فایدہ دینے والا ہے نہ کچھ عزت بخشنے والا ۔ اگر ہم ہی علوم میں ترقی کرتے جاویں تو اُن بیجوں کا ، جو ہمارے باپ دادا نے بوئے تھے ، ہم کو فایدہ حاصل ہوگا ۔ نہیں تو ہم اُن پرانے ، کہنہ ، گلے ہوئے بیجوں کو ، جن میں بسبب کہنگی کے نمو کی بھی طاقت نہیں رہی ہے ، ہاتھ میں لیے بیٹھے رہیں گے ۔ ہم کو اب ہری ہری شاخیں اور میوے دار ٹہنیاں لینی چاہییں ، جو میووں کے گچھے اس میں لٹک رہے ہیں ان سے تمتّع حاصل کرنا چاہیے ۔ پس اب یہ بات قابل دیکھنے کے ہے کہ وہ علوم کن کن زبانوں میں ہیں اور ان میں سے ہم کو کس زبان کو اختیار کرنا چاہیے ۔ تمام یورپ میں فرنچ زبان سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ شیریں اورسب سے زیادہ پولیٹ (پولائٹ) ہے ۔ علومِ جدیدہ بھی فرنچ زبان میں بہت زیادہ ہیں اور قریب زمانہ آنے والا ہے کہ جرمن زبان بھی اس سے زیادہ علوم کے لیے مخزن ہو جاوے گی ۔ مگر وہ دونوں زبانیں ہمارے اختیار سے باہر ہیں ۔ یہ علوم انگلش لینگوج میں بھی ہیں اور ہم جو کچھ ترقی کر سکتے ہیں ، اسی زبان کے ذریعے سے کر سکتے ہیں ۔ ہم انگلش گورنمنٹ کے زیر سایہ بستے ہیں جس میں ہم کو ہر طرح کا امن و امان حاصل ہے ۔ ہم کو اپنی گورنمنٹ کا بہت شکرگزار ہونا چاہیے کہ اُس نے ہم

کو امن و امان کے سوا تعلیم میں بھی ایسی مدد دی ہے کہ کوئی سلطنت ، کوئی بادشاہت ایسی ہم کو نظر نہیں آتی جس نے اپنی رعایا کی تعلیم میں ایسی مدد کی ہو اور عمدہ سامان تعلیم کا مہیا کر دیا ہو - ہندو اور مسلمان ، دونوں مجھ کو معاف کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ بنارس کے گھاٹوں کی سیڑھیوں پر دریوزہ گری کر کے یا مسجد یا خانقاہوں میں بھیک کے ٹکڑے کھا کر پڑھنے اور ان عمدہ تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے میں کس قدر فرق ہے - گورداس پور کوئی بڑا مقام نہیں ہے مگر دیکھیے کہ گورنمنٹ کی طرف سے تعلیم گاہ موجود ہے - پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم شکرگزاری کے ساتھ تعلیم کا فائدہ نہ اٹھاویں (چیرز) - مگر اے دوستو! میری رائے اور میرا خیال یہ ہے کہ کوئی گورنمنٹ ہر ایک قوم کی تعلیم کا ذمہ اپنے اوپر نہیں لے سکتی ہے - بلکہ میں مضبوطی سے اس رائے پر ہوں کہ ممکن نہیں کہ گورنمنٹ اپنی تمام رعایا کی تعلیم کر سکے - اس سے بھی سخت میری رائے یہ ہے کہ کوئی قوم ، جس کو اپنے بچوں اور قوم کی تعلیم کی خواہش ہو ، جب تک وہ تعلیم کو اپنے ہاتھ میں نہ لیوے اس کی خواہش کا پورا ہونا غیر ممکن ہے - جو کچھ مجھے افسوس ہے یہی ہے کہ ہماری قوم کو ہر جگہ یہی خواہش ہے کہ گورنمنٹ اسکول قائم ہو ، مگر یہ خواہش کسی طرح پوری نہیں ہو سکنے کی ، کیوں کہ گورنمنٹ کی آمدنی بلحاظ اس کے اور مصارف کے کسی قوم کی تعلیم کے واسطے کافی نہیں ہو سکتی - ہندوستانیوں کو ترقی اسی وقت ہوگی جب وہ اپنے باہمی چندے ، اپنے انتظام ، اپنی قوت سے بلا مداخلت گورنمنٹ اور اس کے افسروں کے اپنی خودسری اور اپنی مرضی کے موافق اپنے بچوں کی تعلیم کریں (چیرز) - اے دوستو! تم اس بات کو خیال کرو کہ گورنمنٹ

جو ایسی وسیع مملکت ہندوستان میں حکومت کرتی ہے ، جس میں مختلف قومیں ، مختلف اغراض کے لوگ بستے ہیں ، وہ کسی ایک قوم کی طرف داری یا بہتری کی کوشش نہیں کر سکتی - اس کو لازم ہے کہ اس کے قواعد تعلیم ایسے ہوں جو یکساں سب سے متعلق ہو سکتے ہوں ، اور جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ ہر قوم کی ضرورتیں مختلف ہیں ، پس گورنمنٹ اپنی دور اندیشی کے قاعدے سے کسی خاص فرقے کی خاص ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی اور ہرگز نہیں کر سکتی - ایک بات اور خیال کرنے کی ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کی کچھ ہی تعریف کی جاتی ہو ، کچھ ہی عمدگی اس میں ہو مگر سب سے زیادہ عمدگی جو اس میں ہے وہ یہی ہے کہ وہ تعلیم مذہبی سے بالکل علاحدہ ہے - اگر گورنمنٹ کسی مذہبی تعلیم میں دخل دے ، گو کہ وہ نیک نیتی اور نیک دلی ہی سے کیوں نہ ہو ، ہم کو شبہ میں ڈالے گا اور بہت بُرا خیال ہمارے دل میں پیدا ہوگا - اس سبب سے بچوں کی تعلیم مذہبی گورنمنٹ کی مصلحت ، اس کی پالیسی اور اس کے انتظام حکومت کے بالکل خلاف ہے - پس اگر گورنمنٹ کے اسکول ہماری دنیوی تعلیم کے واسطے کافی ہوں تب بھی ایک ضروری جزو مذہبی تعلیم کا رہا جاتا ہے - پس ہمارے ہم وطن اور ہم قوم لوگوں کو گورنمنٹ پر بوجھ تعلیم کا نہ ڈالنا چاہیے اور تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے - گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ وہ ہم کو مدد دے - اس سے زیادہ گورنمنٹ سے مانگنا بے غیرتی ہے - جہاں تک مجھے معلوم ہے ، گورنمنٹ ہر اسکول میں مدد دینے کو تیار ہے - ہم کیوں کہیں کہ فلاں قسم کی تعلیم ہم کو چاہیے اور فلاں قسم کے مدرسے یا کالج ہماری تعلیم کے لیے ضرور ہیں - کیوں نہ تعلیم کو ہم لوگ اپنے ہاتھ میں لیں اور جس

طرح کی تعلیم کی ضرورت سمجھیں اُس طرح کی تعلیم دیں ۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ابھی ایک لیڈی نے ایک نیا کالج قائم کیا ہے ۔ اس فیّاض لیڈی نے اُس کالج کے لیے اپنے پاس سے اٹھارہ لاکھ روپے دیے ہیں جو یہاں کے حساب سے بیس لاکھ ہوتے ہیں ۔ میرے خیال میں ہمارے ملک کے ہر ضلعے اور ہر قصبے کے لوگ مدرسہ قائم کر سکتے ہیں ۔ یہاں کی مردم شماری کچھ ہی ہو مگر دو دو روپے اوسط فی کس دینے سے یہاں کے لوگ لاہور کالج سے زیادہ عمدہ ایک کالج گورداسپور میں تیار کر سکتے ہیں ۔ لیکن ہمت اور ارادے کی کمی ہے ۔ تعلیم کے متعلق میں اس وقت یہ بحث کرنا نہیں چاہتا کہ کون کون علوم اور فنون عمدہ ہیں اور کون کون تعلیم میں شامل ہونے چاہییں ۔ یہ بہت بڑا وسیع میدان ہے اور بہت لوگوں نے اُس پر رائے دی ہے ۔ اس وقت میں اُس تعلیم کا ذکر کروں گا جس کو میں ادنیٰ درجے کی تعلیم کہتا ہوں اور جس کی عموماً ملک کے لوگوں کو ضرورت ہے ۔ وہ یہ ہے کہ انگریزی زبان عمدہ طور پر جاننا ، عمدہ گفتگو کرنا ، انگریزی اخباروں کا بخوبی پڑھنا ، قانونِ انگریزی کو خوب سمجھنا ، اپنے خیالات کو انگریزی تحریر میں اچھی طرح ظاہر کر سکنا ، اسی تعلیم کی اشد ضرورت ہے ۔ مگر اُسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تعلیم سے تربیت جدا نہیں ہوسکتی ہے (چیرز) ۔ اگر ہمارے ملک کے لڑکے اس قدر تعلیم پا جائیں اور ایسی تحریر کر سکیں جس سے وہ لارڈ مکالی کا خطاب پا سکیں اور تربیت اُن میں نہ ہو تو وہ کسی کام کے نہیں ۔ لارڈ مکالی میرے خیال میں وہ شخص ہے جس نے ہندوستان میں بھلائی کے درخت کا یا یوں کہو کہ علم کے درخت کا بیج بویا ۔ کوئی گورنر جرنل (جنرل) اور کوئی ویسرائے ہندوستان میں

ایسا نہیں گزرا جس نے لارڈ مکالی سے زیادہ ہندوستان کو بھلائی پہنچائی ہو ۔ گو یقیناً اس نے جو کچھ کیسا اپنی گورنمنٹ کی خیرخواہی اور بھلائی کے لیے کیا مگر اُس کے ساتھ اصلی خیرخواہی اور بھلائی کی اصلی جان اُسی نے ہمارے ملک میں بھی ڈال دی ۔ اے دوستو ! تربیت اور تعلیم دو چیزیں ہیں ۔ صرف تعلیم سے آدمی انسان نہیں بنتا بلکہ تربیت سے بنتا ہے ۔ بولنے میں تو یوں آتا ہے کہ تعلیم اور تربیت مگر تربیت میری سمجھ میں تعلیم پر مقدم ہے ۔ ہماری قوم کے لوگوں کو اس پر خیال کرنا چاہیے کہ اگر لڑکوں کی تعلیم کا گورنمنٹ کے اسکولوں پر بھروسا کرتے ہیں تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ تربیت بھی پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ۔ تعلیم کا اصلی مقصد مارل کی درستی ہے ۔ بہت سے تعلیم یافتہ ہیں جن کا طرز اخلاق ایسا خراب ہے جس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کاش وہ بے تعلیم ہی رہتے تو اچھا ہوتا ۔ میں تمام ہندوستان میں جہاں تک خیال کر سکتا ہوں اور جن بڑے بڑے شہروں میں میں پھرا ہوں اور وہاں کے حالات سے واقف ہؤا ہوں ، نہایت زور سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی کو اولاد کی تربیت کا خیال نہیں ہے ۔ اے عزیزو ! سمجھو کہ اگر لڑکے کسی گورنمنٹ اسکول میں پانچ گھنٹے تعلیم پا کر آتے ہیں تو اُن کا باقی حصہ زندگی کا ، جو بالکل سادہ اور مثل ایک پودے کی نرم شاخ کے ہوتا ہے کہ جس طرح پر چاہو ٹیڑھی یا سیدھی کر سکو ، کس طرح بسر ہوتا ہے ۔ گھر کے نوکروں کی صحبت ، گلیوں میں بازاری لونڈوں کے ساتھ کھیلنا، اُن کی صحبت میں بداخلاق کی باتیں سیکھنا اور فحش اور بد اخلاق کے الفاظ جو وہ لونڈے بولتے ہیں اور بکتے ہیں اُن کو سننا ۔ اسی قسم کے غارت کُن رذایل میں اُن کی زندگی کا پاک حصہ بسر ہوتا

ہے ۔ اور بجائے اس کے کہ وہ فرشتہ سیرت ہوتے شیطان سے بدتر اُن کے اخلاق ہوجاتے ہیں ۔ جب کہ لڑکوں کا چہارم حصہ ماسٹر کے پاس اور اُس سے زیادہ حصہ خراب حالت میں گزرتا ہے تو کیا اس سے اُن کی تربیتِ اخلاق کی توقع ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اور ہمارے بچے تربیت یافتہ اور مہذب ہوں ، دوسری نیشن میں عزت پاویں تو اُن کا پہلا فرض یہ ہے کہ تربیت کی فکر کریں (چیرز) ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ میرے ہی خیال کے موافق کریں ۔ تم لوگ مجھ کو جانے دو، میرے خیال کی پیروی نہ کرو ، تم خود سوچ کر کوئی تدبیر نکالو ۔ دیکھو یہ یورپین بچہ (ایک کم عمر لڑکا جو اُس وقت موجود تھا اس کی طرف اشارہ کیا) ، جو اس وقت موجود ہے ، کیا تم کوئی ایسا بچہ اپنی قوم میں نکال سکتے ہو؟ گو یہ بچہ اب تک سوسائٹی میں نہیں ملا مگر یہ اپنے ماں باپ کی تربیت سے کیسا نیک عادتوں کا نمونہ ہؤا ہے ۔ اگلے زمانے میں ہماری اولاد بھی اپنے باپ اور اُس کے دوستوں کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتی تھی ۔ اُن کے اخلاقِ حسنہ سیکھتی تھی ۔ واقعی وہ بہت اچھا طریقہ تھا ۔ مگر وہ تیلیاں جس ڈورے سے بندھی تھیں ٹوٹ گیا ۔ اب دوسرا ڈورا اُن کے باندھنے کو ہونا چاہیے ۔ اب جو نسلیں موجود ہیں ، آپ مجھ کو معاف کیجیے گا ، وہ اس لایق نہیں کہ بچے اُن سے تربیت پاسکیں ۔ پس مناسب ہے کہ اولاد کی تربیت کی فکر اور تدبیر کی جاوے ۔ گورنمنٹ پر بوجھ نہ ڈالیے ۔ اُس سے صرف مدد لیجیے ، جو اُس کا فرض ہے اور جس کے ادا کرنے پر وہ موجود ہے ۔ اس وقت ہندوستان میں خدا کے فضل سے دو قومیں آباد ہیں اور اس طرح سے ہیں کہ ایک کا گھر دوسرے سے ملا ہے ۔ ایک کی دیوار کا سایہ دوسرے

کے گھر میں پڑتا ہے - ایک آب و ہوا کے شریک ہیں ، ایک دریا یا کنؤیں کا پانی پیتے ہیں - مرنے جینے میں ایک دوسرے کے رنج و راحت کا شریک ہوتا ہے - ایک کو دوسرے سے بغیر ملے چارہ نہیں - پس کسی چیز کو ، جو معاشرت سے علاقہ رکھتی ہے ، ان دونوں کا علحدہ علحدہ رکھنا دونوں کو برباد کر دیتی ہے - ہم کو ایک دل ہو کر مجموعی حالت میں کوشش کرنی چاہیے - اگر ایسا ہوگا تو سنبھل جائیں گے ، نہیں تو ایک دوسرے کے اثر سے دونوں قومیں تباہ اور بگڑ جاویں گی (چیرز) - پرانی تاریخوں میں ، پرانی کتابوں میں دیکھا اور سنا ہوگا اور اب بھی دیکھتے ہیں کہ قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے - افغانستان کے مختلف لوگ ایک قوم کہے جاتے ہیں - ایران کے مختلف لوگ ایرانی کہلاتے ہیں - یورپین مختلف خیالات اور مختلف مذاہب کے ہیں مگر سب ایک قوم میں شمار ہوتے ہیں - گو آن میں دوسرے ملک کے بھی لوگ آ کر بس جاتے ہیں مگر وہ آپس میں مل جل کر ایک ہی قوم کہلائے جاتے ہیں - غرض کہ قدیم سے قوم کا لفظ ملک کے باشندوں پر بولا جاتا ہے ،گو آن میں بعض بعض خصوصیتیں بھی ہوتی ہیں - اے ہندو اور مسلمانو ! کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو ؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے ؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے ہو یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے ؟ اسی پر مرتے ہو اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی بھی ، جو اسی ملک میں رہتے ہیں ، اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں (چیرز) - جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں ، جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ، ایک ہونا چاہیے -

اتفاق کی خوبیاں مجھ کو زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ جو شخص اتفاق نہیں رکھتا وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ برا کرتا ہے ۔ جو لوگ کہ باہم برخلاف اور ایک دوسرے کے دشمن ہیں وہ بھی جب دل میں سوچتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بری بات ہے ۔ جو چیز نہایت عمدہ اور خوب ہے وہ اتفاق ہی ہے ۔ اتفاق کرکے جو کچھ کیا جائے گا وہ ہی عمدہ ہوگا ۔ پس اس امر پر خیال کرکے باہم اتفاق کرنا چاہیے اور اس اتفاق کے ذریعے سے قومی تعلیم اور تربیت حاصل کرنا چاہیے ۔ میں کچھ اور زیادہ بیان کرتا مگر آپ مجھے معاف رکھیں کہ میں آج ہی ابھی آیا ہوں اور سفر کی تکان سے خستہ ہو رہا ہوں (بہت زور سے چیرز) ۔''

اس لیکچر کے ختم ہونے پر خان بہادر نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب نے سید صاحب کا شکریہ ایک نہایت عمدہ تقریر میں ادا کیا :

تقریر نجم الہند

سردار محمد حیات خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی

''آنریبل سید صاحب بہادر! میں چیئرمین ہونے کی حیثیت سے آپ کا شکریہ اپنی طرف سے اور کل حاضرین کی طرف سے ادا کرتا ہوں کہ آپ اس عاجز بستی میں تشریف لائے اور اپنی پند و نصائح دلپذیر کے ظاہر کرنے سے ہم سب پر احسان کیا ہے ۔ میں آپ سے کچھ اور نہ کہوں گا ، نہ کچھ کہنے کی اس وقت ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ اس کی ضرورت کا وقت وہی تھا جس وقت ہم لوگوں نے آپ کا خیر مقدم کیا ہے ۔ مگر آن سب کو ، جو یہاں موجود ہیں

اور جو اس وقت موجود نہیں ہیں مگر کسی طرح سے آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں شریک ہوچکے ہیں ، بہت فخر ہے کہ آپ نے سفر کی زحمت برداشت کی اور یہاں تشریف لائے ۔ آپ کا تشریف لانا یہاں ہم لوگوں کی بڑی عزت کا سبب ہے ۔ آپ کی تمام زندگی رفاہِ عام اور فوایدِ خلایق کے کام میں گزری اور نہ صرف وہ اُس حصۂ ہندوستان میں ، جہاں آپ رہتے ہیں ، بلکہ میرے خیال میں خیبر کی گھاٹی سے بحیرۂ بنگال تک سب پر آپ کے احسان ہیں اور آپ کو اپنا مربّی اور پورا پورا راست باز رفیق نہ صرف اس وقت کے لوگوں کا بلکہ آیندہ نسلوں کا سمجھتے ہیں ۔ ایسے شخص کا یہاں تشریف لانا میری عاجز رائے میں لوگوں کو بہت فائدہ بخش ہؤا اور ہوگا ۔ لوگ آپ کے مشتاقِ زیارت بھی ہیں اور آپ کی نہایت مفید اور دلپذیر پند و نصایح سے اُنھوں نے فائدہ اُٹھایا ۔ ہمارے ہونہار نوجوانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ اُن کا مصلح ، اُن کا رفارمر اور ہمدرد یہاں آیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ ہندو اور مسلمان ، جن کا چولی دامن کا ساتھ ہے ، بھائی ہو کر رہیں ۔ یہ لفظ ہم کو یاد رہیں گے اور یہ بڑا اصول تربیت کا ، جو آپ نے بتایا ہے، اُن کے خیال میں رہے گا اور وہ نہ بچوں کو بلکہ اُن کے والدین کو اور جہاں تک وہ مشتہر ہوگا تمام ملک اور قوم کو مفید ہوگا ۔ میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنی تقریر کو طول کرنا نہیں چاہتا اور ان الفاظ پر اُس کو ختم کرتا ہوں کہ خدا چاہے گا تو آپ کے الفاظ ہندو خواہ مسلمان خواہ عیسائی سب پر مؤثر ہوں گے (چیرز) ۔"

اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور ہم سب لوگ اپنی اپنی سواریوں میں سوار ہو کر سردار بہادر نجم‌الہند کی کوٹھی میں

پہنچے - گروہ کے گروہ لوگوں کے سید صاحب کی ملاقات کو آتے تھے اور لطف‌آمیز باتیں ہوتی تھیں - جو صاحب ملاقات کو تشریف لائے تھے منجملہ اُن کے سید شاہ محمد صادق صاحب کا بالتخصیص ذکر کرنا مناسب ہے - یہ شاہ صاحب خانقاہ رترچھتر شریف کے ، جو پنجاب میں نہایت مستند و متبرک خانقاہ ہے ، سجادہ نشین ہیں - ان کے ساتھ ان کے دونوں صاحب‌زادے بھی تھے - سید صاحب سے نہایت مہربانی سے ملے اور اُن کی کوششوں کا ، جو وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کرتے ہیں ، شکر ادا کیا اور دعاے خیر دی - ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب میں ہر قسم کے لوگوں میں قومی بہتری کا ایک جوش پیدا ہوگیا ہے اور ایسے شخص کی ، جو قوم کے لیے کچھ بہتری کرنا چاہتا ہے ، بہت عزت کرتے ہیں - پنجاب میں جو سید صاحب کی اس قدر تعظیم ہوئی ، جس کو دیکھ کر تعجب آتا ہے ، اُس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا -

اٹھائیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو بوقت سہ پہر سید صاحب گورنمنٹ اسکول گورداسپور کا بورڈنگ ہـوس ملاحظہ کرنے کـو گئے - بورڈنگ ہـوس بلحاظ اس کے کـہ ایک اسکول کا بـورڈنگ ہـوس ہے اچھا ہے - دو تین معمولی لینیں بنی ہوئی ہیں اور اُن میں برابر برابر معمولی چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں - ہر چارپائی کے سرہانے ایک چھوٹا سا صندوق ہے جس میں بورڈروں کے کپڑے رہتے ہیں - قریب اُس کے ایک اور مکان بورڈروں کے پڑھنے کے لیے ہے - صفائی اچھی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منتظم بورڈنگ ہـوس صفائی کی نگرانی بخوبی رکھتا ہے -

وہاں سے سید صاحب سکھوں کی ایک سنگھت میں گئے جس

کو ہماری طرف کی زبان میں گوردوارا کہنا چاہیے - مشہور تھا کہ وہاں دالان کی ایک دیوار ہے جو ہلانے سے ہلتی ہے اور گویا ایک کرامات کے طور پر سمجھی جاتی ہے - سید صاحب کا مقصد وہاں جانے سے اُس دیوار کا دیکھنا تھا - یہ مکان بسبب اس جنبان دیوار کے ''جھولنا محل'' کے نام سے مشہور ہے -

ہم سب وہاں گئے اور دیکھا کہ اُس جگہ پختہ دو دالان آگے پیچھے بنانے تجویز ہوئے تھے - دونوں دالانوں کی چاردیواری اور دَر بن گئے تھے - پچھلے دالان کی چھت پٹ گئی ہے اور اگلے دالان کی چھت کسی سبب سے نہیں پٹی مگر اُس کی روکار ، جس میں متعدد در لدے ہوئے ہیں ، نہیں پٹے - جب کوئی آدمی اس روکار پر چڑھ کر اور اُس کے طول کے وسط میں بیٹھ کر ہلاتا ہے تو وہ روکار اس سبب سے کہ اُس میں دَر زیادہ ہیں دو ڈھائی انچ کے قریب جھوکا کھاتی ہے اور ہلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے - جو دیوار اس طرح کی بنی ہوئی ہو جس میں متعدد دَر ہوں اور اُس پر چھت کا بوجھ یا اور کسی قسم کا دباؤ نہ ہو اسی طرح پر ہلے گی - مگر وہاں کے لوگوں نے اُس کو گرو کی کرامات میں خیال کیا ہے - وہاں سے واپس آنے کے بعد اُسی طرف کے ایک مسلمان صاحب نے کہا کہ گرو صاحب کی کرامات نہیں ہے - جہاں یہ مکان ہے پہلے وہاں ایک شاہ صاحب کا تکیہ تھا - سکھوں نے اپنی عملداری میں اُن کو نکال دیا اور سکھ مذہب کی سنگھت بنا لی - یہ اُن شاہ صاحب کی کرامات ہے - سید صاحب نے کہا کہ اگر آپ اس کو گرو صاحب ہی کی کرامات رہنے دیں تو آپ کا کیا ہرج ہے -

یہ مکان سنگھت کا کچھ عمدہ مکان نہیں ہے - اُس کے ایک

طرف گرو نانک صاحب کی گرنتھ رکھی ہوئی ہے جس کا نہایت ادب کیا جاتا ہے اور ہر روز اُس کا کوئی حصہ پڑھا جاتا ہے۔ جب کوئی بڑا حاکم یا راجہ یا رئیس وہاں جاتا ہے تو سنگھت کی جانب سے اُس کو ایک دستار اور کچھ میوہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ بابا صاحب نے ، جو وہاں کے گدّی نشین ہیں ، سید صاحب کو بھی ایک دستار اور خشک و تر میوہ عطا کیا۔ سید صاحب نے اخلاق و ادب سے اُس کو لیا۔ تھوڑی دیر ہم سب وہاں ٹھہرے اور پھر رخصت ہو کر چلے آئے۔

رات کو نجم الہند سردار مجد حیات خاں صاحب نے سید صاحب کو ڈنر دیا تھا جس میں بعض یورپین بھی شریک تھے۔ کھانے نہایت نفیس تھے اور میز نہایت عمدگی و خوبی سے آراستہ کی گئی تھی۔ اخیر کو امپرس آف انڈیا کے ٹوسٹ کے بعد ہمارے مفخر میزبان نے اپنے معزز مہمان کا ٹوسٹ پرپوز کیا جو نہایت گرم جوشی سے چائے بھرے ہوئے پیالے سے پیا گیا۔ افسوس ہے کہ اُن اسپیچوں کے لکھنے کا مجھے موقع نہیں ملا ، مگر اس قدر یاد ہے کہ خان بہادر نجم الہند نے ٹوسٹ پرپوز کرتے وقت نہایت محبت آمیز الفاظ میں اپنے مہمان کے فنافی القوم ہونے اور ملک و قوم کے مفید کاموں میں اپنی عمر و دولت اور محنت کے صرف کرنے کا ذکر کیا۔

سید صاحب نے اُس کا نہایت دلچسپ جواب دیا جو میز پر کی اسپیچوں کی عمدگی کا نمونہ تھا۔ اُن کا اخیر فقرہ مجھ کو یاد رہ گیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ''میں نہایت شکرگزار ہوں اپنے تمام دوستوں کا جنھوں نے پنجاب میں مجھ پر اس قدر مہربانی کی ہے۔ خصوصاً اپنے دوست حیات کا اس قدر ممنون اور زیر بار احسان

ہوگیا ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ جب واپس جاؤں تو اسٹیشن ماسٹر مجھ کو بہت زیادہ بوجھل دیکھ کر ریل کا دوگنا محصول طلب کرے۔'' اس فقرے پر نہایت قہقہہ ہؤا اور چیرز کی صدائیں بلند ہوئیں۔

ڈنر کے بعد خاتونانِ پنجاب کی طرف سے ایک اڈریس سید صاحب کی خدمت میں پیش ہؤا۔ معلوم ہؤا کہ خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب کی بیگم صاحبہ کے دل میں یہ خیال ہؤا کہ ایسے شخص کو، جو ہماری اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے اس قدر جانفشانی کرتا ہے، عورتوں کی طرف سے بھی اڈریس دیا جاوے۔ انھوں نے ایک کمیٹی قائم کی اور اَور شریف خاندانوں کی عورتوں کو اپنے ساتھ شریک کیا اور سید صاحب کے لیے ایک جداگانہ چندۂ دعوت جمع کیا۔ میں نے سنا تھا کہ یہ تجویز ہوئی تھی کہ نجم الہند خان بہادر کی صغیرالسن صاحب زادی اس اڈریس کو پیش کرے گی، مگر یا تو اس سبب سے کہ سید صاحب اس کو پسند نہیں کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ اس بچی کو ایسی جرأت نہ ہوئی یا اس سبب سے کہ بسبب زیادہ رات جانے کے سو رہی تھی، نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب نے اس اڈریس کو از جانب خاتونانِ پنجاب پیش کیا۔

جب کہ سید صاحب کو معلوم ہؤا کہ خاتونان کی طرف سے اڈریس پیش ہوگی تو انھوں نے اس کو[1] دیکھنا چاہا تاکہ اس کا تحریری جواب دیں اور اس کی نقل ہر ایک خاتون کی خدمت میں بھیج دی جاوے، جن کو اس سے تعلق ہو۔ غرض کہ وقتِ معیّن پر نجم الہند سردار محمد حیات خاں صاحب نے اس تمام مجمع میں

۱- اصل میں ''کا'' چھپا ہؤا ہے۔ مرتّب

خاتونان کی جانب سے وہ اڈریس پڑھا ۔ اسی مجمع میں سید صاحب نے اپنا تحریری جواب پڑھا اور درخواست کی کہ یہ جواب خاتونان کی خدمت میں بھیج دیا جاوے ۔ وہ اڈریس اور اس کا جواب بجنسہ ذیل میں مندرج ہے:

اڈریس[1] از جانب خاتونانِ پنجاب
بعالی خدمت آنریبل سید احمد خاں بہادر نجم الہند
دام اقبالہ

''سید صاحب! دنیا کی اخلاق رسم ہے کہ کسی پر جب کبھی کوئی بزرگ احسان کیا کرتا ہے تو محسن کا شکریہ وہ شخص، جس پر احسان کیا جاوے، اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے ۔ ہم عاجز فرقے پر آپ کے احسان کا بوجھ (نہ صرف اس وجہ سے کہ اپنی موجودہ نسل کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں سعی بلیغ فرمائی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ آئندہ نسلوں کی بہبود اور ترقی کی ایک مستحکم بنیاد ہندوستان میں قایم کی ہے) ایسا نہیں ہے کہ صرف باتوں باتوں ہی سے ٹل سکے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے کہ آپ

۱- یہ سب سے پہلا اڈریس ہے جو اس ملک کی پردہ دار خواتین اور معزز غیر مسلم مستورات نے کسی مرد لیڈر کی خدمت میں پیش کیا ۔ مگر اس وقت کسی عورت کو جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ آزادانہ بے پردہ سٹیج پر آتی اور سید صاحب کے سامنے اڈریس پڑھتی ۔ یہ اڈریس عورتوں کی طرف سے خان بہادر محمد حیات خاں صاحب نے پڑھا ۔ (محمد اسماعیل)

کا شکریۂ ماواجب ادا کر سکیں۔

۱- حضور نے ہماری قوم کی اولاد پر وہ وہ مہربانیاں اور مربیّانہ سلوک کیے ہیں جو چاند سورج کی طرح دنیا پر روشن ہیں۔ جب ہم سنتے ہیں کہ مدرسۃالعلوم علی گڑھ کے بورڈنگ ہاؤس میں ہماری قوم کے ننھے ننھے بچے بھی داخل ہیں اور آن کی تعلیم ، تربیت اور آسایش کے واسطے حضور کی توجہ سے ایسی عمدہ عمدہ تجویزیں کی گئی ہیں کہ بچے داخل ہونے کے بہت تھوڑے عرصے بعد نہ صرف اپنے گھر کے آرام کو بھول جاتے ہیں بلکہ جو نقص ہماری اکثر بہنوں کے ناتعلیم‌یافتہ ہونے کی وجہ سے ہمارے بچوں کی ابتدائے تربیت میں اثر پذیر ہوجاتے ہیں وہ ایسی خوش اسلوبی سے رفع کیے جاتے ہیں کہ جس کے سننے سے بے اختیار ہمارے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

۲- اللہ اللہ ! ایک وہ دن تھا کہ قومی ترقی کو فروغ دینے میں ہماری قوم کی خاتونان تیرہ سو برس ہوئے اپنے وارثوں کو کیا کیا امدادیں دیتی تھیں اور آن کے رنج و راحت میں کس کس ہمدردی سے شریک ہوتی تھیں کہ آن کے مالک آن کا یہ حال دیکھ دیکھ کر مال و جان قوم کی بہبودی پر تصدق کرتے رہے۔ سیدا! آج وہ دن ہے کہ ہم اپنی بے بسی اور قوم کی حالت دیکھ کر آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکتیں۔ اے خدا ! ایک وہ زمانہ تھا کہ خاتونانِ عرب و ہند اپنے گھر کے مردوں کی قومی ترقی اور تعلیم کے معاملات میں اس قدر حوصلہ اور ہمدردی ظاہر کرتی تھیں۔ آج ہم ، جو انھی کی اولاد ہیں ، ایک بزرگ محسنِ قوم کے شکریے کے لیے چند موزوں الفاظ بھی نہیں سوچ سکتیں۔

۳- گو زمانے کے انقلاب کے باعث آن باوقار خاتونان کی عالی حوصلگی اور استقلال کا دعویٰ کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے ، تاہم انسانی فرض کو ہم نہیں بھول سکتیں اور آمید کرتی ہیں کہ آپ ہمارے اس باعقیدت دعائیہ اڈریس کو ، جو غالباً اس قسم کا سب سے پہلا ہی اڈریس ہوگا ، قبول فرما کر خاتونان پنجاب پر احسان فرماویں گے -

۴- اخیر میں ہماری یہ بھی التماس ہے کہ ہمارا ناچیز ہدیہ ، جو اس اڈریس کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ، آن نادار یا یتیم طلبۂ مدرسۃالعلوم علی‌گڑھ کے واسطے قبول فرمایا جاوے جن کے والدین یا ورثا بہ سبب افلاس آن کی مدد نہیں کرسکتے - ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا ! ہمارے محسن سید کو ہماری قوم پر صد و سی سال سلامت رکھ اور وہ دن دکھا کہ جس طرح ہندوستان کے مردوں کی بہتری کے واسطے سید صاحب کو تونے اپنے فضل و کرم سے ایک ذریعہ بنا دیا ہے ، ایسے ہی ہماری موجودہ حالت پر رحم کرکے ہمارے عاجز فرقے کی بھی سن اور ہماری قوم کے مردوں کو وہ عزم اور استقلال رفاہ عامہ میں عطا کر جو آن کی قومی میراث ہے - آمین !''

جواب اڈریس

بخدمت خاتونان پنجاب

''اے میری بہنو !

آج کی رات میرے لیے شب قدر سے کچھ کم قدر کی نہیں -

جو اڈریس تمھاری طرف سے مجھ کو دی گئی ، وہ میرے لیے ایک ایسی عزت ہے جو آج تک ہندوستان میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی - میں تمھاری اس شفقت کا دل سے شکر گزار ہوں -

اے میری بہنو ! میں اپنی قوم کی مستورات کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں - ہماری قوم کے مردوں نے اپنے باپ دادا کی بزرگی کو خاک میں ملا دیا ہے مگر خدا کے فضل سے تم میں ہمارے باپ دادا کے بزرگ نشان بدستور موجود ہیں - یہ سچ ہے کہ ہم مردوں میں شبلی اور جنید موجود نہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ تم میں ہزاروں لاکھوں رابعہ بصری موجود ہیں -

تمھاری نیکی ، تمھاری بردباری ، تمھاری محبت ، ہر قسم کی مشکلات کی برداشت اور اُس پر صبر ، بچوں کی پرورش ، گھر بار کا انتظام ہمارے فخر کا باعث ہے - اگر کوئی قوم تمام دنیا میں اپنے تئیں کسی قسم کا فخر دے سکتی ہے تو ہم اپنی قوم کی مستورات کو دنیا کی قوموں پر فخر دے سکتے ہیں - یہ ہمارا فخر تمھارے ہی سبب سے ہے -

اے میری بہنو ! میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پروا نہیں ہوں - میں دل سے اُن کی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں - مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اُس طریقۂ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر اس زمانے کے کوتاہ اندیش مایل ہیں - میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقۂ تعلیم اختیار کرنے پر کوشش کرو - وہی طریقہ تمھارے لیے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا -

اے میری بہنو ! جس قدر کہ تم اس وقت موجود ہو ، شاید
میں تم سب سے ، بلکہ اُن سے بھی جو اڈریس میں شامل ہیں اور اس
وقت میں موجود نہیں ہیں ، اُن سب سے بھی عمر میں بہت بڑا ہوں ۔
میں نے تم سب سے بہت زیادہ زمانہ دیکھا ہے ۔ تمہاری دادیوں ،
تمہاری نانیوں کے حالات تم سے زیادہ مجھ کو معلوم ہیں ۔ تم غور
کرو کہ تمہارے خاندانوں میں مستورات کی تعلیم کا کیسا قاعدہ
تھا ۔ یہ قاعدہ تھا کہ ہماری قوم میں ، ہماری رشتے داری میں ،
ہمارے محلوں میں جو معزز اور باوقار گھر ہوتا تھا ، جس گھر کی
مستورات عمدہ فضیلت ، عمدہ اخلاق میں فایق ہوتی تھیں ، اپنی
قوم کی ، اپنے رشتے داروں کی ، اپنے محلے والوں کی لڑکیوں کی
تعلیم کا انتظام اُس کے سپرد ہوتا تھا ۔ اُن کا گھر اُن لڑکیوں کا
گھر بھی ہوتا تھا اور تعلیم کا مکتب بھی ہوتا تھا ۔ اُسی گھر میں
قوم کی بزرگ مستورات اُن پر نگاہ شفقت رکھنے والی ہوتی تھیں ۔
کوئی شریف خاندان کی معلمہ اُن کی تعلیم پر نوکر ہوتی تھی اور
اُس گھر کی بزرگ مستورات درحقیقت اُن کی تعلیم دینے والی اور اپنے
اخلاق و نیکی کے مجسّم نمونے سے اُن کو نیکی و اخلاق سکھانے
والی ہوتی تھیں ۔ شامتِ اعمال سے وہ سلسلہ برہم ہوگیا ۔ خاندان تباہ
ہوگئے ۔ ہمارے بزرگ ، جو اس تعلیم کی قدر کرتے تھے ، دنیا سے
جاتے رہے ۔ وہ بزرگ مستوراتیں ، جو اس کام کو انجام دیتی تھیں ،
دنیا سے اُٹھ گئیں ۔ تمام خاندانوں کے مرد جاہل و نادان رہ گئے ۔
جو ذلّت کہ تمہارے خاندانوں کے مردوں پر خدا کی مرضی سے
آئی ، ضرور تھا کہ اُس کا حصہ تم کو بھی ملے ۔ پس وہی بدبختی
تمہارے خاندان کے مردوں کی ہے جس کا حصہ تم کو بھی ملا
ہے اور جس کا ذکر تم نے پردے سے اس اڈریس میں کیا ہے ۔

اے میری بہنو ! تم یقین جانو کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں مردوں کی حالت درست ہونے سے پہلے عورتوں کی حالت میں درستی ہوگئی ہو - اور کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں ہے جس میں مردوں کی حالت درست ہوگئی ہو اور عورتوں کی حالت درست نہ ہوئی ہو - ان سچے واقعات نے میرے دل میں بہت کچھ اثر کیا ہے - میں نے تمہارے لڑکوں کی تعلیم پر جو کوشش کی ہے آسے تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی پیاری بیٹیوں کو بھول گیا ہوں - بلکہ میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کوشش کرنا لڑکیوں کی تعلیم کی جڑ ہے - پس جو خدمت میں تمہارے لڑکوں کے لیے کرتا ہوں ، درحقیقت وہ لڑکوں لڑکیوں دونوں کے لیے ہے -

میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم آن مقدس کتابوں کے بدلے ، جو تمہاری دادیاں اور نانیاں پڑھتی آئی ہیں ، اس زمانے کی مروجہ نا مبارک کتابوں کا پڑھنا اختیار کرو جو اس زمانے میں پھیلتی جاتی ہیں -

مردوں کو ، جو تمہارے لیے روٹی کما کر لانے والے ہیں ، زمانے کی ضرورت کے مناسب کچھ ہی علم یا کوئی سی زبان سیکھنے اور کیسی نئی چال چلنے کی ضرورت پیش آئی ہو ، مگر ان تبدیلیوں سے جو ضرورتِ تعلیم کے متعلق تم کو پہلے تھی ، آس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی -

تمہارا فرض تھا کہ تم اپنے ایمان اور اسلام سے واقف ہو - آس کی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو تم جانو - اخلاق میں نیکی

اور نیک دلی ، رحم و محبت کی قدر سمجھو اور ان سب باتوں کو
اپنے برتاؤ میں لاؤ - گھر کا انتظام اپنے ہاتھوں میں رکھو - اپنے گھر
کی مالک رہو - اُس پر مثل شہزادی کے حکومت کرو ، اور مثل
ایک لایق وزیر زادی کے منتظم رہو - اپنی اولاد کی پرورش کرو -
اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے کر اپنا سا بناؤ - خدا پرستی ، خدا
ترسی ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اپنا طریقہ رکھو - یہ تمام
سچی تعلیم نہایت عمدگی سے اُن کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمھاری
دادیاں نانیاں پڑھتی تھیں - جیسی وہ اُس زمانے میں مفید تھیں
ویسی ہی اس زمانے میں بھی مفید ہیں - پس اس زمانے کی نامفید
اور نامبارک کتابوں کی تم کو کیا ضرورت ہے ؟ ہاں یہ بات سچ
ہے کہ تمھارے خاندان کے مردوں کی نالائقی اور جہالت سے
تمھارے متعدد حقوق ، جو خدا کے حکم سے تم کو ملے ہیں اور
جن کا انسانیت کی رُو سے تمھارا حق ہے ، برباد ہوگئے ہیں -
وہ حق پھر تمھیں واپس دلانے کی یہی تدبیر ہے کہ تمھارے
لڑکوں کی تعلیم میں کوشش کی جائے - جب کہ وہ تعلیم یافتہ
ہو جاویں گے - وہ مغصوبہ حقوق از خود بے مانگے تم کو
واپس ملیں گے - اب میں تم کو دوبارہ یقین دلاتا ہوں کہ جو
خدمت میں اس وقت کر رہا ہوں نہ صرف تمھارے لڑکوں کی ہی
ہے بلکہ تمھاری لڑکیوں کی بھی ہے - اگر خدا نے چاہا تو اُس سے
دونوں برابر فائدہ اُٹھائیں گے اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں علم
کی روشنی سے روشن ضمیر ہوں گے - اس وقت تمھارا اُن غریب
بچوں کی پرورش کے لیے ، جو مدرسۃالعلوم میں پڑھتے ہیں ، امداد
دینا تمھاری اُس ذاتی خصلت اور مادرانہ محبت کا نمونہ ہے جو خدا
نے تم میں رکھی ہے - یہ تمھاری امداد اُن غریب بچوں کے لیے

مثل شیر مادر اثر رکھے گی اور آن کو اور مجھ کو اور مدرسۃالعلوم کو آس امداد سے ، جس طریقے پر دی گئی ہے ، قومی عزت اور قومی افتخار حاصل ہؤا ہے ۔ میں سب کی طرف سے آس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ خدا تم کو دین و دنیا میں بہ برکت سیدۃالنسا فاطمۃ زہرا علیہاالسلام کے خوش و خرم رکھے اور جیسی کہ تم اس وقت باعثِ افتخارِ قومی ہو آس وقت بھی ، جب کہ ہماری قوم کامل عروج پر ترقی کرے ، ہماری قوم کی باعثِ افتخار رہو ۔ آمین !

اے میری ہندو اور عیسائی بہنو ! تم نے جو اپنی محبت اور وطنی یگانگت سے اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ اس اڈریس میں اور اس امداد میں ، جو مدرسۃالعلوم کے غریب طالب علموں کو دی گئی ہے ، شرکت کی وہ ایک نمونہ تمھاری محبت و یگانگت کا ہے ۔ میں دل سے آس کے لیے تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا دیتا ہوں کہ تم پر بھی خداتعالی کی برکت ہو اور ہر طرح کی ترقی اور خوشی تم کو نصیب رہے ، آمین !

راقم

سید احمد ، گورداسپور

۲۸ جنوری سنہ ۱۸۸۴ع"

سید احمد خاں صاحب نے آج تک عورتوں کی نسبت اپنی کسی تحریر یا تقریر میں کبھی کچھ نہیں کہا تھا اور اس سبب سے لوگوں کو خاتونانِ پنجاب کی اڈریس کے جواب سننے کا حد سے زیادہ اشتیاق تھا ۔ وہ بیقراری سے منتظر تھے کہ اس کی نسبت سید صاحب کی رائے ظاہر ہووے ۔ جب کہ

سید صاحب نے خاتونانِ پنجاب کی اڈریس کا جواب دیا تو سب لوگ متحیّر ہوگئے ۔ جو لوگ پرانے فیشن کے تھے وہ سمجھتے تھے کہ سید صاحب کی رائے مستورات کی نسبت بھی اسی قسم کی ہوگی جیسی کہ مردوں کی نسبت ہے ۔ اور نئے خیال کے لوگ ، جو بے خیال اور بے سمجھے دوڑے چلے جانا اور اپنے ساتھ مستورات کی بھی چوٹی پکڑ کر گھسیٹتے لیے چلے جانا چاہتے ہیں ، وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خیالات کو سید صاحب کے جواب سے بہت کچھ مدد ملے گی ۔ مگر سید صاحب کا جواب دونوں فریق کے خیالات سے علحدہ تھا ۔ مستورات کی نسبت جو معتدل اور صحیح و سچی اور پریکٹیکل اور مستحکم اصول پر انھوں نے رائے ظاہر کی اس کا بہت بڑا اثر لوگوں کے دلوں میں ہوا ۔ حقیقت میں ہندوستان میں مستورات کی ترقیِ تعلیم کا ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کا حل ہونا بہت ہی دشوار نظر آتا ہے ۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کا حل ہونا ممکن ہے تو انھی اصولوں پر ممکن ہے جو سید صاحب نے بیان کیے ہیں ۔

ہم لوگ لاہور پہنچنے بھی نہیں پائے تھے ، ہم نے دیکھا کہ سید صاحب کا جواب نہایت خوش‌خط اور عمدہ کاغذ اور خوش تقطیع پر چھپ گیا ہے اور گھر گھر اس کی کاپیاں تقسیم ہو رہی ہیں ۔ لودھیانہ کے اخبار ''نور افشاں'' نے ، جو پادریوں کا اخبار ہے ، اس پر بہت نکتہ چینی کی ہے اور اس جواب سے ناراض معلوم ہوتا ہے ۔ اور اس کا ناراض ہونا اور نکتہ چینی کرنا بجا بھی ہے کیونکہ سید صاحب کے جواب سے مشنریوں کی وہ تمام اُمیدیں ، جو وہ مستورات کی نسبت اپنی کارروائیوں سے رکھتے ہیں ، برباد ہوتی معلوم ہوتی ہیں ۔

اسی جلسے میں مبلغ تین سو ستائیس روپیہ خاتونان پنجاب کی جانب سے بطور دعوت سید صاحب کی نذر کیا گیا اور جو خاتونان اس چندے میں شریک تھیں ان کی فہرست پڑھی گئی۔ سید صاحب نے اس کو نہایت احسان مندی سے قبول کیا۔ ہمارے منخّر میزبان خان بہادر سردار محمد حیات خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی نے خاص اپنی طرف سے ایک ہزار روپے کا کرنسی نوٹ پیش کش کیا اور پانسو روپے اور نذر کرنے کا وعدہ فرمایا۔ دیگر احباب ضلع گورداسپور کی جانب سے مبلغ آٹھ سو انیس روپے چار آنے بطریق دعوت پیش کش کیے گئے۔ جس قدر روپے پر روپے چلے آتے تھے سید صاحب خوش ہوتے جاتے اور شکریے پر شکریہ ادا کرتے تھے۔

خاتونان پنجاب نے جو روپیہ دیا تھا اس کی نسبت خود خاتونان نے تجویز کیا تھا کہ مدرسة‌العلوم کے غریب طالب علموں کی امداد میں صرف کیا جاوے۔ جو روپیہ کہ خاص خان بہادر سردار محمد حیات خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی نے عطا کیا تھا وہ ایک بورڈنگ ہئوس کی تعمیر کے لیے کافی ہے۔ پس یہ تجویز ہوئی کہ اس سے بیادگاری والد ماجد سردار صاحب موصوف ایک پختہ بورڈنگ ہئوس مدرسة‌العلوم میں بنے اور اس پر مندرجہ ذیل کتبہ لگایا جاوے:

"بیادگاری

سردار کرم خاں مرحوم فیروزال رئیس واہ

متصل حسن ابدال ضلع راولپنڈی

از طرف خلف‌الرشید شاں

سردار محمد حیات خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی

جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر پنجاب

تعمیر یافت"

باقی روپے کی نسبت یہ تجویز ہوئی کہ بشمول دیگر چندے کے تعمیر مکانات مدرسة‌العلوم میں صرف کیا جاوے ۔

اسی رات ایوننگ پارٹی قرار پائی تھی اور اس کا وقت اس حساب سے مقرر کیا تھا کہ اس سے قبل یہ سب کارروائیاں ختم ہو جاویں ۔ چنانچہ ایوننگ پارٹی کے معینہ وقت پر اور لوگ ، جو اس میں مدعو تھے ، آنے شروع ہو گئے اور ایک مجمع یورپین اور ہندوستانی احباب کا ، جس میں ہندو و مسلمان دونوں شامل تھے ، جمع ہو گیا ۔ آن سب کے نام نامیوں کا یاد رکھنا یا پوچھ پوچھ کر لکھنا محالات سے تھا ۔ یورپین احباب میں جناب کرنل ہارکوٹ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور ایک صاحب اسسٹنٹ کمشنر بہادر اور مسٹر ہارڈن صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولس اور دو پادری صاحبان ریورنڈ گارن صاحب ، ریورنڈ کالڈویل صاحب شامل تھے ۔ ہندو صاحبان میں رائے بوٹا مل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر ، بابو من‌موہن سرکار صاحب ہیڈ ماسٹر ، مہنت بالمیک

صاحب ، مہنت پشمبر ناتھ گدی نشین گوردوارہ گورداسپور ، مہنت گورکھ ناتھ صاحب ، منشی منو لال صاحب تحصیلدار ، منشی اورنگ رام صاحب منصف ، لالہ نراین داس صاحب ڈسٹرکٹ انجنیر ، لالہ گورچرن داس صاحب ، لالہ چنی لال صاحب ، لالہ رام سرن داس صاحب اور اور بہت سے صاحب شامل تھے ۔ مسلمان صاحبوں میں خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب پوپلزئی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر ، مولوی محمد شفیع صاحب منصف ، شیخ احمد علی صاحب پلیڈر ، منشی نبی بخش صاحب ، شیخ سبحان علی صاحب رئیس و ممبر میونیسپل کمیٹی ، نتھے خاں صاحب رئیس ، مولوی قمرالدین صاحب ، شیخ فضل اللہی صاحب ، شیخ غلام علی صاحب رئیس ، میر نبی علی صاحب نایب تحصیلدار اور اور بہت سے صاحب شامل تھے ۔

ایوننگ پارٹی کا جلسہ نہایت خوبی سے سجایا گیا تھا ۔ ایک کمرے میں عمدہ قسم کے میووں اور چائے و کافی اور اشیائے نقیس تنقل سے یورپین اور مسلمان دوستوں کے لیے میز آراستہ تھی اور ایک کمرے میں اسی طرح ہندو دوستوں کے لیے تکلف کیا گیا تھا ۔ سب لوگ ڈرائنگ روم میں نہایت خوشی سے ملتے تھے اور تنقل کے کمروں میں جا کر تنقل کرتے تھے ۔ سردار شیر سنگھ صاحب منصف کے اہتمام میں اس کا انتظام تھا جنھوں نے نہایت خوبی سے اس کو پورا کیا ۔ سردار شیر سنگھ صاحب نہایت متین اور نیک دل اور با اخلاق ، سادہ مزاج اور بے تکلف جنٹلمین ہیں جن سے مل کر نہایت ہی دل خوش ہوا ۔ بارہ بجے کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا ۔

گورداسپور ایک بہت چھوٹا قصبہ ہے ۔ جنوری سنہ ۱۸۸۴ع

میں وہاں ریل جاری ہوئی ہے جس سے اُمید ہے کہ اس کی تجارت اور اس کی آبادی کو ترقی ہو جاوے گی ۔ گورداسپور سے چند میل کے فاصلے پر مسٹر ہالسی صاحب بہادر نے ، جن کو اضلاع شمال و مغرب کے سب لوگ بخوبی جانتے ہیں اور مدت تک ان اضلاع میں خصوصاً کانپور میں کلکٹر و مجسٹریٹ تھے ، نہر کے کنارے اونی کپڑوں کے بننے کا کارخانہ جاری کیا ہے جس میں عمدہ عمدہ کمل اور قالین وغیرہ اونی چیزیں بنائی جاتی ہیں ۔ سوائے اس کے اور کوئی چیز یہاں قابل دید نہیں ہے ۔

انتیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو گورداسپور سے روانگی کی تاریخ مقرر تھی ۔ چنانچہ سید صاحب تاریخ معینہ کو بعد ادائے شکریہ اپنے میزبان مفخر کے مع اپنے ہمراہی دوستوں کے روانہ ہوئے ۔ سب احباب نے رسم مشایعت ادا کی ۔ شیخ غلام حسن صاحب اور خواجہ یوسف شاہ صاحب بھی ہمارے ساتھ روانہ ہوئے ۔ حاجی غلام حسن صاحب کی طبیعت بسبب سردی و مینہ کے علیل ہو گئی تھی ۔ وہ ہم سے ایک روز پیشتر روانہ ہو چکے تھے ۔ اب ہم گورداسپور سے رخصت ہوتے ہیں اور دوبارہ امرتسر کو چلتے ہیں ۔

حالات مقام امرتسر

(بر وقتِ مراجعت از گورداسپور)

آنتیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو سید صاحب مع اپنے ہمراہی دوستوں کے گورداسپور سے روانہ ہو کر امرتسر پہنچے ۔ ریلوے اسٹیشن پر اکثر احباب بطریقِ استقبال تشریف لائے تھے ۔ حاجی غلام حسن صاحب وہاں موجود تھے ۔ سید صاحب نے ریل پر سے اترتے ہی حاجی غلام حسن صاحب سے اُن کے مزاج کا حال پوچھا اور اس بات کے معلوم ہونے سے کہ اُن کی طبیعت بالکل اچھی ہے ، نہایت خوشی ہوئی ۔ ہم سب لوگ آسی ہوٹل میں پہنچے جس میں پہلے ٹھہرے تھے ۔ وہاں سب سامان آرام و آسایش اور مہمان نوازی کا درست تھا ۔ وہاں ہم سب نے آرام کیا ۔ آج ہی شام کو ٹون حال میں لیکچر دینا قرار پا چکا تھا ۔

جالندھر میں جو ہجوم لیکچر کے وقت ہوگیا تھا امرتسر کے بزرگوں کو اُس کا بہت خیال تھا اور اُس کے انتظام کے لیے انہوں نے ٹکٹ جاری کیے تھے تاکہ بے اندازہ ہجوم نہ ہو جاوے اور جس کے پاس ٹکٹ نہ ہو وہ ٹون حال میں داخل نہ ہو سکے ۔ اس تدبیر نے نہایت عمدہ فائدہ دیا اور ٹون حال میں باوصف کثرت سے لوگوں کے جمع ہونے کے قابل تعریف انتظام رہا ۔ جو غلطی کہ ازراہِ فیاضی بزرگانِ امرتسر سے ہوئی وہ صرف یہ تھی کہ ٹکٹ

بلا قیمت تقسیم کیے ۔ اگر ٹکٹ بقیمت دے جاتے تو کم سے کم دو ڈیڑھ ہزار روپیہ وصول ہو جاتا ۔

جو وقت لیکچر کے لیے معین تھا اُس وقت سید صاحب ٹون حال میں تشریف لائے ۔ ٹون حال لوگوں کی کثرت سے بالکل بھرا ہؤا تھا ۔ جناب خان بہادر خان محمد شاہ خاں صاحب اس مجلس کے پریسیڈنٹ تھے ۔ جب سید صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ لیے تو خان محمد شاہ خاں صاحب کھڑے ہوئے اور ایک مختصر تقریر میں انھوں نے سید صاحب سے تعلیم اور قومی اتفاق پر لیکچر دینے کی درخواست کی ۔

جب کہ سید صاحب لیکچر دینے کو کھڑے ہوئے تو تمام حاضرین نے ایک بڑے شوق سے اور بڑی خوشی کے جوش سے چیرز دی جس سے ٹاؤن حال گونج اٹھا ۔ جب گونج ٹھیر گئی تو سید صاحب نے لیکچر دینا شروع کیا ۔ ایسی خوبی اور فصاحت اور برجستہ فقروں سے یہ لیکچر دیا کہ لوگ متعجب ہوگئے ۔ اکثر لوگ آپس میں ذکر کرتے تھے کہ ایسی عمدہ اور مسلسل زبانی تقریر آج تک ہم نے نہیں سنی ۔ وہ لیکچر جو سید صاحب کی زبانی تقریر کے ساتھ میں لکھتا جاتا تھا ذیل میں مندرج ہے ۔ مجھے افسوس رہا کہ کسی صاحب نے میری اس زود نویسی کی ، کہ میرا قلم بھی سید صاحب کی زبانِ مبارک کے ساتھ ہی ساتھ چلتا تھا ، داد نہ دی ۔ مگر اُمید ہے کہ اب جو لوگ اس لیکچر کو پڑھیں گے وہ داد دیں گے اور سید صاحب مجھے معاف کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ جو کام آن کی زبانِ مبارک نے کیا ہے وہی کام میرے قلمِ بے زبان نے کیا ہے ۔

لیکچر ٹَون ہال امرتسر میں

''جناب صدرِ انجمن و دیگر صاحبان !

اس وقت میرا ارادہ ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت میں ، جیسا کہ صاحبِ صدرِ انجمن نے فرمایا ہے ، اتحادِ باہمی اور تعلیم کے باب میں اپنے خیالات ظاہر کروں ۔ صاحبانِ من یہ ملک ہندوستان ایسا ملک نہیں ہے جس میں لوگ تعلیم اور علم کو نہ جانتے ہوں ۔ یہ نہایت قدیم اور پرانا مقدس ملک ہے جس میں ایک قوم ، جو اس میں رہتی تھی ، ان میں بہت بڑے عالم ، بہت ذی رتبہ لوگ گزرے تھے جن کی زبان سنسکرت تھی ۔ جس کی خوبی اور عمدگی فواید علوم کے لیے بالتخصیص مشہور ہے (چیرز) ۔ سب کو معلوم ہے کہ اُس میں نہایت عمدہ اور نفیس کتابیں فلسفے اور لاجک کی موجود ہیں جو ایسی نہیں ہیں کہ جن پر ملک کو کچھ کم فخر ہو ۔ اُس کے بعد ایک زمانہ آیا جب ہم لوگ یہاں آئے ۔ ہمارے باپ دادا علم میں کچھ کم مشہور نہ تھے ۔ شاید ہندوستان میں اُنھوں نے بہت کچھ نہ کیا ہو مگر ہمارے اسلاف وہ لوگ تھے جنھوں نے علم کو بہت ترقی دی ۔ بغداد ، قرطبہ ، غرناطہ کے دارالعلوم کسی کو بھول نہ گئے ہوں گے ۔ ہمارے اسلاف ہی تھے جنھوں نے یونانی علوم کو زندہ رکھا ۔ وہ ایسے تھے جنھوں نے پرانے یونانی علوم کو ایسی ترقی دی کہ اگر مقابلہ کیا جاوے تو اُنھوں نے اُن پرانے علوم کو گویا ذرے سے آفتاب بنا دیا تھا ۔ یورپ اگرچہ اس زمانے میں علوم اور فنون میں مشہور ہے مگر پرانی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اسپین کے دارالعلوم نے اُس کو یہ نعمت بخشی ہے (چیرز) ۔ اور یورپ ہی پھر کیا ہے دنیا بھر کو

اُنھی سے یہ فیض پہنچا ہے ۔ اگر ہمارے اسلاف یونانی علوم کو زندہ نہ رکھتے تو آج تمام دنیا میں کوئی بھی فلسفے اور یونانی لاجک کا ایک حرف نہ جانتا ہوتا ۔ ایسے ملک میں ، جہاں دونوں قوم کے اسلاف ایسے مشہور ہوں اور جن کے سبب سے دنیا میں اب تک علوم قایم رہے ہوں ، علم کے فواید یا تعلیم کے متعلق کچھ بیان کرنا فضول ہوگا ۔ مگر میں دونوں قوموں کے فضایل تسلیم کرکے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب ہماری حالت کیا ہے اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس زمانے میں ، جس میں ہم ہیں ، ہماری اولاد کو کیا کرنا چاہیے ؟ اے صاحبو ! کسی انسان کی یہ خوبی نہیں ہے کہ بزرگوں کے نام پر فخر کریں اور خود کچھ نہ ہوں ۔ ہمارے ملک اور ہماری دونوں قوموں کی یہ حالت ہے کہ اسلاف کے نام پر شیخی کرتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے ۔ اُن لوگوں کو یہ غلط خیال ، کہ ہمارے اسلاف سب کچھ کر گئے ، اب ہم کو کچھ کرنا نہیں ہے ، دل سے نکال ڈالنا چاہیے ۔ زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے ۔ اگر زمانہ کسی حد تک منتہی ہو جاتا تو یہ خیال صحیح تھا کہ علوم منتہی ہو گئے ، مگر ہر کوئی جانتا ہے کہ زمانہ رکا نہیں ۔ وہ چلتا جاتا ہے ۔ ایسے حال میں یہ خیال کہ بزرگوں کے حاصل کیے علوم کافی ہیں ، بالکل غلط ہے ۔ گو یورپ ہمارے علوم سے روشن ہوا مگر دیکھو کہ اُنھوں نے کیا کیا ۔ اُنھوں نے علم کو جانچا اور پڑھا ۔ ذرہ برابر علم کو ایسی ترقی دی جیسے ایک بیج سے عالیشان درخت پیدا ہو جاتا ہے ۔ جو علوم پہلے ایجاد ہوئے تھے اس وقت ان کے ایجاد کرنے والوں کو زیادہ تحقیقات کا موقع نہ ملا تھا ۔ جو علوم اس وقت نکالے گئے تھے اور ان میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان سے وہ لوگ بخوبی آگاہ نہیں

ہونے پائے تھے - یورپ نے یہ احسان ان پر اور تمام دنیا پر کیا کہ ان غلطیوں کو نکالا اور صحیح مسایل اور صحیح علوم لوگوں کو بتائے۔ اور جو علوم نہ تکمیل کو پہنچے تھے اور نہ کارآمد تھے ان کو کارآمد کیا اور تکمیل پر پہنچایا - ایک احسان اور کیا کہ جدید علوم ایجاد کیے جو روزمرہ کی زندگی کے واسطے کارآمد ہیں - اب یہ حال ہے کہ اگر کسی ملک میں یا کسی حصۂ پنجاب میں تار برقی یا ریل نہ ہو تو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اندھیرے میں بےزبان اور دست پا شکستہ پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھیے یہ تمام چیزیں ، یورپ کی ایجاد کی ہوئی ، علوم کی برکت سے ہم کو ملی ہیں - جب زمانہ ایسی ترقی کر گیا ہے اور علوم نے یہ ترقی پائی ہے تو کیا ہمارا یہ کام ہے کہ ہم ان علوم پر نظر نہ ڈالیں یا جس قدر ہمارے اسلاف نے کیا ہے اُسی قدر ہم بھی کریں - اگر ہم اُسی پرانے علم کو رٹتے جائیں اور ہم اُتنا ہی کریں جتنا کہ ہمارے باپ دادا نے کیا تھا تو ہم مثل ایک جانور کے ہوں گے جو وہی کام کرتا ہے جو اُس کا دادا پردادا کرتا تھا (چیرز) - ہمارا کام دنیا میں یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہم سے علم لیے ہیں اور اُن کو ترقی دی ہے اب ہم اُن سے وہی علوم لیں اور اُن کے سیکھنے میں کوشش کریں - ہماری آیندہ نسلوں کو اور ہمارے واسطے بھی باعث فخر ہو سکتا ہے - اور ایسا ہی کرنا ہم پر لازم ہے تا کہ ہم جدید علوم سیکھیں جس میں کہ روز بہ روز ترقیاں اور کارآمد چیزیں موجود ہیں - یہ علوم جب تلاش کیے جاتے ہیں تو مختلف زبانوں میں یورپ کے ہم کو ملتے ہیں - مگر یورپ کی بہت سی زبانیں ہماری دسترس سے باہر ہیں - اور اگر ہم کسی طرح سے ان کو حاصل بھی کریں تو ضرور ہم اس میں ادھورے رہیں گے - ہم کو دیکھنا چاہیے کہ

خدا کی کیا مرضی ہے ۔ خدا کا حکم کوئی تحریری نہیں آتا مگر زمانے کے حالات سے پایا جاتا ہے ۔ اس زمانے میں ہم کو خدا کی یہ مرضی معلوم ہوتی ہے کہ انگلش نیشن ہندوستان میں حکومت کرے اور ہم ان کے زیر سایہ بسیں اور جو کچھ فائدہ ممکن ہو ان سے حاصل کریں ۔ خدا کی مرضی سے اس پر ہم کو دسترس بھی ہے ۔ اس زمانے میں جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم انگریزی زبان سیکھیں اور جو علوم اور فنون اس میں ہوں ان کو حاصل کریں ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو سنسکرت کو یا مسلمان عربی زبان کو چھوڑ دیں ۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ اس کو اعتدال کے ساتھ ، نہ افراط و تفریط کے ساتھ ، سیکھیں ۔ مسلمانوں کو بھی یہ لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں ۔ یہ ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہماری قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سمنک زبانوں میں لاثانی ہے ۔ مگر افراط و تفریط نہ ہو ۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں ۔ لیکن جب کہ ہماری معاش ، ہماری بہتری ، ہماری زندگی باآرام بسر ہونے کے ذریعے ، بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق انسان بننے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے ۔ یہ اغراض دنیوی ہم ہندو اور مسلمان سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور وہ کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے ۔ جو شخص ہماری انگریزی گورنمنٹ کے انصاف پر نظر ڈالے گا وہ خوش ہو گا اور شکر کرے گا کہ اس گورنمنٹ نے تعلیم کے متعلق بہت کچھ کوشش کی ہے ۔ کوئی سلطنت ، خاص کر ہندوستان کی ، جس پر ہم کو بہت فخر ہے ، ایسی نہیں گزری جس نے تعلیم میں اس قدر کوشش کی ہو ۔ مذہبی فیلنگ کو دخل نہ دینا چاہیے ۔ میں سچ

کہتا ہوں کہ مشنریوں نے بھی اپنے خیال کے موافق نیک دلی سے تعلیم کا بڑا فائدہ پہنچایا ہے '۔ گورنمنٹ کا شکریہ تو ہم سے ادا ہی نہیں ہو سکتا ۔ جو کچھ اس نے کیا ہے بے مثل اور بے نظیر ہے۔ لیکن ایک سوال ہے جو حل نہیں ہوتا ، بلکہ ایک نہیں دو سوال ہیں : پہلا سوال یہ ہے کہ کیا گورنمنٹ ایک ایسے ملک کو ، جس میں چوبیس پچیس کروڑ آدمی بستے ہوں ، تعلیم دے سکتی ہے؟ دوسرا یہ ہے کہ کیا گورنمنٹ ایسی پوری تعلیم کر سکتی ہے جس سے ہمارے پورے اغراض حاصل ہوسکیں ؟ ان سوالوں کا جواب بجز نفی کے اور کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ آپ مجھے معاف رکھیے گا اگر کوئی لفظ نا مناسب میری زبان سے نکل جائے ۔ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں کو کچھ بھی غیرت ہے جب کہ اپنی تعلیم کا بوجھ گورنمنٹ پر ڈال کر اسی پر بھروسا کریں۔ کوئی بے غیرتی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے واسطے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائیں ۔ گورنمنٹ کی حکومت مختلف فرقے اور مختلف مذہب کے لوگوں پر ہے اور کوئی اس سے بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ان لوگوں کے اغراض بھی مختلف ہیں ۔ پس ایسی حالت میں گورنمنٹ ہر خاص فرقے کے واسطے کچھ بندو بست نہیں کرسکتی (چیز) ۔ اس کا اصول تو یہی ہوگا کہ کُل کے

۱۔ عیسائی مشنریوں نے جو کچھ ملک کے لوگوں کو تعلیم دی وہ ہرگز اس غرض سے نہ تھی کہ ملک کی تعلیمی ترقی ہو بلکہ انھوں نے اس پردے میں عیسائیت کی تبلیغ کی ۔ اور مدرسے اور شفاخانے قایم کرنے سے پادریوں کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ اس ذریعے سے ملک میں عیسائیت کی اشاعت آسانی سے ہو ۔ (محمد اسماعیل)

ساتھ برابر برتاؤ ہو ۔ اس کا نتیجہ ضروری یہ ہے کہ ان مختلف فرقوں کے کچھ اغراض پورے ہوں اور کچھ نہ ہوں ۔ یہ حال ہندوستان میں عام ہے۔ہندوستان میں جس فرقے کے اغراض زیادہ پورے ہوسکتے تھے انھوں نے تعلیم کا زیادہ فائدہ اٹھایا ۔ جن کا نام میں بتاؤں گا یعنی ہندو ۔ مسلمانوں کو گورنمنٹ کے سررشتۂ تعلیم سے کم فائدہ پہنچا کیونکہ ان کے اغراض کم حاصل ہوئے تھے ۔ یہ بات ہندوستان کے ہر حصے کے سررشتۂ تعلیم پر نظر ڈالنے سے بخوبی معلوم ہوتی ہے ۔ جہاں سو برس عملداری کو گزرے وہاں بھی کالج اور مدرسوں میں مسلمان کم ہیں اور مسلمانوں کو تعلیم کم ہوئی ہے۔ یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں ہے ۔ یہ ہمارا ہی قصور ہے ۔ اگر ہم تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لیتے تو سب کچھ اچھی طرح سے کرسکتے تھے ۔ مجھ کو شبہ ہے کہ ہندوؤں میں کون لوگ ایسے تھے جن کو مذہبی اغراض زیادہ مدّ نظر تھے ، مگر کوئی مسلمان باپ ایسا نہیں ہے کہ اپنے بچے کو مذہبی تعلیم نہ دینا چاہتا ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ جب تک تم جان رکھتے ہو ، جب تک تمھارے جسم میں جان ہے ، جب تک تمھاری آنکھ کھلی ہے ، تم مذہب کو ہرگز نہ چھوڑو ۔ مگر دونوں پہلوؤں کو دیکھ کر چلنا چاہیے ۔ گورنمنٹ کی تو یہ نہایت عمدہ پالسی ہے کہ وہ مذہبی تعلیم سے علحدہ رہے ۔ پس جب تک تم خود اپنی تعلیم ، اپنے بچوں کی تعلیم اپنے ہاتھ میں نہ لو تم دونوں قسم کی تعلیم ان کو نہیں دے سکتے ۔ گورنمنٹ نہایت خوشی سے ہماری قوم کے لیے ، جو تعلیم گاہ ہماری کوشش سے قایم ہو ، اس میں مدد دینے کو موجود ہے ۔ تو ایسی صورت میں ، جب کہ گورنمنٹ مدد دینے کو موجود ہے اور ہماری غرض بغیر خود متوجہ ہوئے پوری نہیں ہوسکتی ، تو اگر

ہم ایسا بندوبست نہ کریں تو کیسے افسوس کی بات ہے اور بچوں کے لیے کیسے سخت افسوس کا معاملہ ہے (چیرز) - تعلیم کے باب میں چھوٹے چھوٹے اسکولوں سے ، خواہ وہ گورنمنٹ کے ہوں یا پرائیوٹ (پرائیویٹ) ہوں ، کچھ نہیں ہوسکتا - ادنیٰ درجے کی تعلیم کی نسبت میں صاف کہتا ہوں کہ آپ نے پرانی مثل سنی ہوگی : ''نیم ملا خطرۂ ایمان و نیم حکیم خطرۂ جان'' - یہی حال ادھوری تعلیم کا ہوگا - آدمی بنانے کے واسطے جب تک ہماری قوم میں ہائی ایجوکیشن نہ پھیلے گی ، ہماری قوم آدمی نہیں بن سکتی - ابھی چند روز کا زمانہ گزرا ہے جب ایجوکیشن کمیشن کا اجلاس کلکتے میں ہو رہا تھا اور میں بھی وہاں موجود تھا - سب یہی کہتے تھے کہ ہائی ایجوکیشن اٹھنے نہ پاوے - مگر یہ بات بہت کم کسی منہ سے سننے میں آئی تھی کہ اگر گورنمنٹ اپنا ہاتھ ہائی ایجوکیشن سے اٹھا لے گی تو ہم خود اس کو کر لیں گے - اس کا مجھے بہت افسوس ہے - اس میں شک نہیں کہ اس تعلیم کے واسطے زر خطیر چاہیے جس کو گورنمنٹ برداشت نہیں کر سکتی لیکن تم آپس میں مل کر وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو گورنمنٹ نہیں کر سکتی - گورنمنٹ جب تعلیم کی طرف توجہ کرتی ہے تو سب سے پہلے ہمارے دوست فنانشل ممبر یہ دیکھتے ہیں کہ روپیہ بجٹ میں ہے یا نہیں ؟ تم لوگ اگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی روپیہ جمع کرو تو تمھارا بجٹ کبھی خالی نہ ہوگا - تم چاہو تو امرتسر میں لاہور سے بڑا کالج قایم کردو - گورنمنٹ کے بہت اخراجات ہیں : فوج کا خرچ ، ملک کے انتظام کے اخراجات - پھر اگر گورنمنٹ کچھ کرے گی تو وہ اسی روپے میں سے کرے گی جو ہم سے لیا جاوے گا - اگر تم اس بات کو سوچ کر خود ہی تعلیم کا انتظام کرو

تو گورنمنٹ کو دکھا سکتے ہو اور فخر کر سکتے ہو کہ جو کام گورنمنٹ سے نہ ہو سکا وہ ہم نے کر دکھایا ۔ اکثر لوگ ہیں جن کے خیال میں یہ گزرتا ہے اور میں نے بہتوں کو کہتے بھی سنا ہے کہ تعلیم یا ہائی ایجوکیشن سے کیا نتیجہ ہوگا ؟ نوکری تو بہت کم ہے ۔ اگر بہت لوگ بی ۔ اے اور ایم ۔ اے ہو جائیں گے تو دس روپے کی نوکری بھی ان کو نہ ملے گی ۔ مگر آپ غور کریں ، اور جن لوگوں کا ایسا خیال ہو وہ مجھے معاف کریں ، کہ یہ خیال غلطی سے بھرا ہؤا ہے ۔ بے شک ہم ہندوستانی ، جو برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہیں ، ان کا حق ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ جس‌طرح اور لوگ اور قومیں اعلیٰ عہدے پانے کے مستحق ہیں ہم بھی اس کو حاصل کریں اور وہ عہدے لیں ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنا حق چھوڑ دیں اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہ مانگیں ، مگر یہ سچ ہے کہ گورنمنٹ سب کو اعلیٰ عہدے نہیں دے سکتی ۔ بلکہ کل تعلیم یافتہ کو ادنیٰ عہدے بھی نہیں دے سکتی ۔ مگر تم یہ دیکھو کہ کوئی اور نتیجہ بھی تعلیم کا ہے یا نہیں ؟ آپ خیال کیجیے کہ ہندوستان ، جس میں ہزاروں قسم کی چیزیں تجارت کے فائدے کے واسطے موجود ہیں اور پیدا ہوتی ہیں ، ہمارا ملک ہے اور وہ چیزیں ہمارے ہاتھ میں ہیں مگر اس کے نفع کا کیا حصہ ہمارے ہاتھ میں ہے ؟ ہندوستان میں تجارت کی بہت کچھ ترقی ہوئی مگر آپ خیال کیجیے کہ ملک کی تجارت اور دولت مندی کا اصول کیا ہے ؟ وہ ملک دولت مند نہیں ہوتا جس میں دوسرے ملک کی چیزوں کی تجارت ہوتی ہے ، بلکہ وہ ملک دولت مند ہوتا ہے جس کی چیزوں کی تجارت کو دوسرے ملکوں میں ترقی ہوتی ہے ۔ آج کل وہی ملک دولت مند ہو

رہا ہے جس کی چیزوں کی تجارت دوسرے ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہندوستان کی چیزیں اگرچہ دوسرے ملک میں جاتی ہیں مگر محنت کی قیمت بڑھا کر پھر اسی ہندوستان میں آجاتی ہیں۔ ہمارے ملک کی چیزوں کی نسبت بھی ہم لوگوں کی تجارت ایک بندرگاہ سے دوسرے بندرگاہ تک یا ایک شہر سے دوسرے شہر تک محدود ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی گرہ کاٹتا ہے۔ ہم لوگ اپنی چیز دوسرے ملک میں نہیں لے جاتے ، نہ دوسرے ملک کی چیز اپنے ملک میں لاتے ہیں۔ ہم دریا کے کنارے پر بلکہ اس زمانے میں اپنی دکان سے چند قدم فاصلے سے ریل کے اسٹیشن پر چار آنے کی چیز سوا چار آنے پر بیچ ڈالتے ہیں یا وہیں پر اس طرح سے خرید کر اپنے ملک میں بیچتے ہیں۔ سمندر کے اندر ہمارا کچھ حصہ نہیں ہے۔ غیر ملکوں سے ہمارا کچھ رشتہ نہیں ہے۔ ہم کو چاہیے کہ دوسرے ملک میں آڑھت اور کمپنیاں قائم کریں جس سے عالی درجہ کے تاجر ہوں۔ ملک کی پیداوار ، قدرتی چیزیں جو زمین میں گڑی پڑی ہیں ، ان سے فائدہ اٹھاویں۔ اس طریقے سے کہ اپنے ملک میں اپنے ہی ایک بھائی کا روپیہ لے کر فائدہ اٹھاویں ، ملک میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ روپے کو کبھی اس تھیلی میں اور کبھی اُس تھیلی میں ڈالنے سے روپیہ بڑھ نہیں جاتا ، جب تک کہ باہر سے لا کر اس میں روپیہ نہ ڈالا جاوے۔ جب تم ایسا کرو گے اس وقت بے شک جس طرح ہمارے ملک کا روپیہ دوسرے ملک میں جاتا ہے ہم بھی دوسرے ملک کا روپیہ اپنے ملک میں کھینچ لاویں گے۔ یہ سب باتیں ہم کو صرف ہائی ایجوکیشن کے نہ ہونے سے حاصل نہیں ہوتیں (چیرز)۔ امرتسر ، جو مشہور تجارتی شہروں میں ہے ، اس میں ایک وقت کیسی دھوم کی تجارت تھی مگر

اب ہم بڑے بڑے تاجروں کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھتے ہیں - کیا ہماری قسمت میں صرف پشمینے ہی کی تجارت لکھی ہوئی ہے اور اسی کے زوال پر ہمارا زوال مقدر میں لکھا تھا ؟ اگر علم ہوتا تو ہم زوال رسیدہ تجارت کی عوض دوسری تجارت اختیار کرتے اور ہم لوگ امریکا ، لندن ، جرمن ، فرانس میں جاتے اور وہاں اپنی نئی تجارت کی دکانیں کھولتے اور ہم اپنے ملک کی چیزوں سے پورا وہ فائدہ اٹھاتے جو دوسری قومیں ہمارے ہاں کی چیزوں سے اٹھاتی ہیں - اگر علم ہو جاوے تو یہ سب کچھ ہو اور ملک دولت سے مالامال ہو جاوے - ایک بات اور کہوں گا کہ انسان کو خدا نے تمام مخلوقات سے برتر بنایا ہے مگر ظاہر میں کوئی بات برتری کی اس میں نہیں ہے - کھانا پینا ، سونا اور بہت سے کام انسان جانوروں سے اچھے نہیں کرتا - شہد کی مکھی جیسا اپنا چھتّا بناتی ہے اور وہ ایک زرد جانور ، جس کو لوگ بیّا کہتے ہیں ، جیسا گھوسلا بناتا ہے ، بڑی صنعت کا کام ہے - یہ سب باتیں ان میں قدرتی رکھی گئی ہیں جو انسان میں نہیں ہیں - انسان کی خوبی و برتری یہی ہے کہ وہ جہاں تک چاہے ترقی کر سکتا ہے - حیوان حدّ معیّن سے زیادہ ترقی کچھ نہیں کر سکتا ، مگر انسان میں جوہر ترقی کرنے کا موجود ہے - خواہ اس کو اس کے دل کی بناوٹ کہو یا دماغ کی ساخت یا روح ، جو چاہو اس کا نام رکھو - بہرحال اس میں ایک ترقی کرنے والا مادہ ہے - پھر انسان اگر اس کو ترقی نہ دے تو حیوان میں اور اس میں تفاوت نہیں رہتا (چیرز) - علم ایسی چیز ہے جو صداقت کے سکھانے ، اخلاق درست کرنے ، زندگی کی راہ بتانے ، ابنائے جنس کے ساتھ بسر کرنے ، اپنے اور

دوسرے کے حق پہچاننے میں کارآمد ہے ۔ یہ تمام باتیں انسانیت کی ہیں مگر بغیر علم کے نہیں آتیں ۔ بحیثیت انسان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ اپنے تئیں انسان بنائیں ، نہ کہ مثل حیوان کے اپنی زندگی بسر کریں ۔ اے صاحبو ! ایک اور بات بھی میں تعلیم کے متعلق کہنا چاہتا ہوں ۔ کوئی شخص ، کوئی متنفس اس سے انکار نہ کر سکے گا کہ رعایا پر ، وہ کسی حاکم کی رعایا ہو ، کچھ فرایض ہوتے ہیں جن میں سے بڑا فرض یہ ہے کہ رعایا اپنے حاکم کی وفادار اور خیرخواہ ہو۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں یہ کہوں گا کہ یہ فرض صرف عقلی اور انسانیت ہی کا نہیں ہے بلکہ ہمارے مذہب ، ہمارے خدا کا حکم ہے ، رسول ؐ کا حکم ہے کہ حاکم کی اطاعت کرو ، گو وہ غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو ۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جو اصول ہماری برٹش گورنمنٹ کی حکومت کرنے کے ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی کرنا تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ ہے ۔ میری رائے ہے کہ ہائی اسکول ، مڈل اسکول نہیں ہائی ایجوکیشن جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر ہم اپنی گورنمنٹ کے اصول حکومت کو سمجھیں گے اور اس کی قدر کریں گے (چیرز) ۔ اگر گورنمنٹ نے ہمارے کچھ حقوق اب تک ہم کو نہیں دیے ہیں ، جن کی ہم کو شکایت ہو ، تو یہی ہائی ایجوکیشن وہ چیز ہے کہ خواہ نخواہ ، طوعاً و کرہاً ہم کو دلاوے گی (چیرز) ۔ غرض کہ تعلیم ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنی قوم کو ایسا بنا سکتے ہیں جو قابل عزت ہو ۔ ہاں ایک مشکل اور بھی تعلیم کے متعلق پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں : ایک اولڈ فیشن یا کہو زیادہ عمر کے جن میں سے ایک میں بھی ہوں ، لیکن ان میں بہت ایسے ہیں جن کے کان میں بچپن سے ایک بات

پڑتے پڑتے دل پر نقش ہو گئی ہے اور وہ دل سے نکل نہیں سکتی اور وہ اسی پر جمے ہیں - ایسے لوگوں کو خاص کر اس زمانے کے نوجوان اولڈ فیشن کے لوگ کہتے ہیں - ایک وہ ہیں جو کسی قدر تعلیم کے رستے میں پڑ گئے ہیں ، یا ایسے ہیں کہ پوری تعلیم تو نہیں پائی مگر باتیں سننے سے ایسے ہو گئے ہیں کہ زمانے کے حالات کو دیکھتے ہیں - ایسے لوگوں کو میں روشن ضمیر کہوں گا جن کو اور لوگ نئی روشنی والا کہتے ہیں یا نئی فیشن والا - اب ان دونوں گروہوں میں اختلاف پڑ گیا ہے - پرانے فیشن کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ نئی فیشن والے بغیر کسی دھکے کے دینے کے سیدھے جہنم میں جائیں گے اور دنیا میں بھی ان سے زیادہ کوئی بدچلن نہیں ہے - میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ ان نوجوانوں کا فرض ہے کہ بزرگوں اور اولڈ فیشن والوں کا ادب اور لحاظ کریں اور ترقی کے ساتھ اپنے اخلاق اور عادات کا بھی خیال رکھیں - مگر بزرگوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ٹوٹا یکّہ ، جس میں سیکڑوں ہچکولے لگتے تھے اور جس میں وہ سفر کرتے تھے ، اب بے کار ہو گیا ہے - ریل جاری ہوگئی ہے ، اب ریل کو چھوڑ کر یکّے پر لوگ سفر نہیں کریں گے - کوئی برائی اور کوئی دشمنی ان نوجوانوں کے ساتھ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ان کی ہارج ہوں اور نئے علوم کے سیکھنے میں ان کی مزاحمت کی جاوے - بزرگوں کو چاہیے کہ ان کو نہ روکیں اور ان کے حالات پر صبر کریں - اگر ان کو صبر نہ آوے گا تو بھی ان کے صبر نہ کرنے سے کچھ نہ ہو سکے گا - زمانہ چل نکلا ہے - ریل چھوٹ گئی ہے ، اب وہ نہیں رک سکتی - صرف اس قدر دیکھنا چاہیے کہ نوجوان ، جو ترقی کی ٹرین پر سوار ہیں ، ان میں

وہ نقص بھی ہیں یا نہیں جن کو اس زمانے کے لحاظ سے نقص کہنا چاہیے ۔ اگر وہ نقص ہے تو اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے لیکن اور مراسم کی نئی باتیں ، معاشرت کے طرز کی تبدیلی ، لباس کا تبادلہ ، ایسا نہیں ہے جس پر سختی سے مخالفت کی جاوے ۔ کیا پانچ پشت کے اس طرف تمام یہی مراسم اور یہی طریقے تھے جو اب ہم میں رایج ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔ ہم نے خود اپنے باپ دادا کی رسموں کو توڑا ہے ، تو اگر اب ہماری اولاد ہماری رسموں کو توڑے تو ہم کیوں ناراض ہوں ۔ میں مذہبی لوگوں اور مذہب میں ڈوبے ہوئے مقدس لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں مگر کیا جو طریقے عرب میں مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں اب رایج ہیں ، اور عرب جو وہاں سے آتے ہیں ان کے حالات سے ظاہر ہوتے ہیں ، وہ وہی طریقے ہیں جو رسول خدا صلعم ، صحابہ ، تابعین ، تبع تابعین یا ان کے بعد کے مقدس لوگوں میں تھے ؟ ایمان سے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ نہیں ۔ پس جس طرح زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی طرح عادات اور اخلاق اور طرزِ معاشرت میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں ترقی کا زمانہ آگیا ہے ۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور ہمارے نوجوان ترقی کریں اور ٹرین زیادہ تیز چلے اور جدید علوم ان میں خوب پھیل جائیں ۔ تعلیمِ علومِ جدیدہ پر ہمارے پرانے بزرگ ایک اور بھی شبہ ڈالتے ہیں اور اس شبہے میں ہمارے اکثر ہندوستانی دوست شریک ہیں ۔ وہ شبہ یہ ہے کہ انگریزی تعلیم اور علومِ جدیدہ کے سیکھنے سے مذہب جاتا رہتا ہے ۔ ابھی دس روز سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا کہ میں ایک قابل اور عالم کے لیکچر میں موجود تھا ۔ وہ مشہور عالم اور عمدہ جنٹلمین ہیں ۔ انھوں نے عام طور پر اور

مسلمانوں کو خاص طور پر مخاطب کرکے یہ بیان کیا تھا کہ انگریزی فلسفہ اور لاجک نہ پڑھو کہ مسلمانی مذہب میں خلل ڈالتا ہے اور بدعقیدہ کر دیتا ہے ۔ یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ۔ کتابوں کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ جب ہماری حکومت آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن تھی اور تمام دنیا میں اس کی شہرت تھی ، بنی امیّہ اور بنی عباس کے وقت میں جب یونانی فلسفہ رایج ہؤا تھا اُس وقت بھی بعض غیر دور اندیش عالموں کی ایسی ہی رائے تھی ۔ مگر انجام میں انھی علماء نے وہی اختیار کیا جس کو وہ منع کرتے تھے ۔ دیکھو کہ فلسفہ ، لاجک ، علوم طبعی وہ علوم تھے کہ جن عالموں کو سب سے بڑا عالم جانتے ہو ، انھوں نے بھی اس کو پڑھا اور اسی سے ان کو فخر ہؤا اور انھی لوگوں کی اولاد نے ، جو اس کو منع کرتے تھے ، اس کو مقدس علم جانا ، اس کو پڑھا اور پڑھایا ۔ اس وقت اس مجمع میں شیعہ اور سنی دونوں موجود ہیں ۔ کوئی بتاوے کہ کون مشہور عالم ان کے ہاں کا ایسا تھا جو فلسفے اور لاجک کو خوب نہ جانتا تھا ؟ اب بھی وہی پرانا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے مگر سچی بات ہمیشہ غالب آ جاتی ہے ۔ وہ روکنے سے کبھی نہیں رکتی ۔ اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کر لے اور آفتاب کی روشنی نہ دیکھے تو آفتاب پر کچھ اثر نہ ہو گا ۔ اور شاید ایسے کرنے والے بھی دو ایک سے زیادہ نہ ملیں گے ۔ اس کے سوا میں پکے اعتقاد اور سچے دل سے کہتا ہوں کہ کوئی علم ہو ؛ لاجک ، فلسفہ ، نیچرل فلاسفی ، یا کسی علم کا نام لو ، مذہب کے خلاف نہیں ۔ میں اس حیثیت سے ، کہ میں خود مسلمان ہوں ، اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ میری دانست میں اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ کسی طرح وہ جانچا

جاوے اور جھوٹا نکلے ۔ اس کو لاجک کے سامنے ، نیچرل فلاسفی کے آگے ڈال دو ، وہ سچا نکلے گا ۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ ان علوم کے پڑھنے سے مذہب جاتا رہتا ہے تو ایسے مذہب اور ایسے خیال کرنے والوں پر افسوس ہے ۔ اگر واقعی مذہب اسلام (میں اپنے ہی مذہب کو کہتا ہوں) ایسا ہی ہو کہ علوم جدیدہ کی صداقت کے سامنے زائل ہوتا ہے تو ایسے مذہب اختیار کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ۔ مگر جن لوگوں کا یقین ایسا ہے ، اور جو ایسا خیال کرتے ہیں ، میں سمجھتا ہوں کہ ان کو مذہب اسلام پر یقین نہیں ۔ وہ زبان سے تو کہتے ہیں مگر دل ہیں اس کی صداقت نہیں ۔ ہمارا فرض ہے کہ خدا کو ایک اور رسول ؐ کو برحق جانیں ۔ قرآن مجید کی خوبیوں پر یقین رکھیں ۔ اسی کے ساتھ نئے علوم کو سیکھیں ۔ اس سے دین بنتا ہے اور اس سے دنیا ۔ دائیں ہاتھ سے ہم دین کو پکڑیں اور بائیں سے دنیا کو اور ایک جوان مرد کی طرح دنیا کے میدان میں آئیں ۔ نہ ایسے ڈرپوک ہوں کہ پٹاخے کی آواز سن کر گھر میں گھس رہیں ۔ اے صاحبو ! جو کچھ میں نے بیان کیا علم اور تعلیم کی نسبت بیان کیا ہے لیکن حقیقت میں میں نے اس کے بیان سے قومی ترقی کی ایک نصف صورت دکھائی ہے ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ نصف سے بھی کم ۔ اکیلی تعلیم آدمی کو انسان نہیں بناتی ہے ۔ دوسرا حصہ اس کا تربیت بھی ہے ۔ اور اگر وہ نہیں ہے تو تعلیم بھی اکارت ہے ۔ مجھ کو افسوس ہے کہ تعلیم خواہ عربی ، سنسکرت ، انگریزی کی ہو مگر میں آن تعلیم دینے والوں سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان میں خواہ گورنمنٹ کالج یا اسکول یا مشنریوں کی تعلیم گاہیں یا پرائیوٹ (پرائیویٹ) انسٹیٹیوشن ، ان سب میں اولاد کی تربیت کا کیا بندوبست ہے ؟

ایک لڑکا ، جو چند گھنٹے ماسٹر کے سامنے پڑھ کر آتا ہے ، تمام دن اپنا کس صحبت میں بسر کرتا ہے ؟ وہی خراب صحبت بازاری لونڈوں اور خدمت گاروں کے لڑکوں کی اس کو نصیب رہتی ہے ۔ وہی خراب اور بد الفاظ ، جو ان بازاری لڑکوں کی زبان پر جاری ہوتے ہیں ، وہی نکمی عادتیں جو ان لڑکوں میں ہوتی ہیں یہ بھی سیکھتا ہے ۔ اسی سبب سے جب تک تعلیم کے ساتھ تربیت کا خیال نہ ہو ، امکان نہیں کہ لڑکا انسان بن سکے ۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ انگریزوں کے چھوٹے چھوٹے بچے باوجودیکہ ہمارے بچوں سے علم کی میزان میں کم ہوں مگر جو تربیت اور شایستگی ان میں ہوتی ہے وہ ہمارے بچوں میں نہ پاؤ گے ۔ آپ لوگوں نے ہندوستان کے انگریزوں کے لڑکوں کو دیکھا ہے جو صرف ماں باپ سے تربیت پاتے ہیں ، مگر جن لوگوں نے ولایت کے لڑکوں اور نوجوانوں کو آکسفورڈ اور کیمبرج میں دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیسی تربیت وہاں دی جاتی ہے ۔ تربیت تعلیم پر بھی مقدم ہے ، بلکہ انسان کا یہی زیور ہے ۔ جب تک یہ دونوں شامل نہ ہوں اولاد میں انسانیت نہ آسکے گی ۔ اے صاحبو ! ہماری زندگی قریب اختتام ہے ۔ چند سال ہماری تمھاری عمر میں اور باقی ہیں ۔ یہ سفید سفید داڑھیاں ، پوپلے پوپلے منہ زمین میں گڑ کر یا مرگھٹ پر جل کر خاک ہو جائیں گے ۔ مگر یاد رکھو کہ یہ بچے ، جن کو تم نوجوان چھوڑ جاؤ گے ، ان کا یہ حال ہوگا کہ روز بروز مفلس اور ذلیل و خوار ہوں گے ۔ جیل خانے ان سے بھرا کریں گے ۔ اے ہندوؤ اور مسلمانو ! اگر مرنے کے بعد روح قائم رہتی ہے تو مرنے کے بعد یہ حالت دیکھ کر تمھاری پاک روحیں گھاٹوں اور قبروں پر تڑپیں گی ۔ تربیت کے ساتھ ادب کا ذکر بھی

بے جا نہ ہوگا ۔ میں مسلمان ہوں ۔ کل مسلمانوں کا یہی خیال ہوگا جو میں ابھی بیان کروں گا ۔ ہندو صاحبوں سے بھی مجھ سے بہت دوستی ہے ۔ ان کے بہت سے عمدہ خاندانوں کو میں جانتا ہوں ۔ یہ سب ادب کو بڑی چیز سمجھتے ہیں ۔ کوئی شخص اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ ادب عزت کا باعث ہے ۔ ایک پرانے شاعر کا قول ہے :

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

لیکن میں تفتیش کرنا چاہتا ہوں اور بقدر اپنے خیال کے اس کو بیان کروں گا کہ ادب کیا چیز ہے ؟ ہمارے یہاں ادب کے معنیٰ یہ ہیں کہ لڑکا اپنے بزرگوں کے ڈر کے مارے سچی بات زبان سے نہ نکال سکے ۔ جھُک جھُک کے بلا ضرورت سلام پر سلام کرے ۔ یہ ویسا ادب ہے جیسا ایک بندر والا بندر کو سکھاتا ہے کہ ٹانگ اٹھا کر کھڑا رہے ، ہاتھ جوڑ کر گردن نیچی جھکا کر سامنے آوے ، اشارے کے ساتھ ڈگڈگی پر چڑھ بیٹھے ۔ ہمارے ملک میں جن بزرگوں کے ہاں کے لڑکے گھُٹنے جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور نہایت جھک کے سلام کرتے ہیں اور اشاروں پر کام دیتے ہیں ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بہت ادب سکھایا گیا ہے ۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ یہ ادب نہیں ہے ۔ ایسے ادب دینے والوں کو اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اولاد کے ایسے ادب سکھانے سے دلی جوش مر جاتا ہے ، ان کی عادت ذلیل ہونے کی ہو جاتی ہے ، ان کی جرأت ، دلیری اور شرافت کو کھو دیتی ہے ۔ تربیت بری باتوں سے بچنے کی ہونی چاہیے ۔ اندرونی قویٰ کے مارنے کی ضرورت نہیں ۔ اگر لڑکے اپنے باپوں کے سامنے اپنے جوشوں کو کام میں لاویں گے

تو وے آئندہ کو باعث فخر ہوں گے ۔ ہمارے ہاں بعوض اس کے کہ اُن کو صداقت اور آزادیِ رائے کی تعلیم ہو ، ہم کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑتی ہے ۔ زبان کھلنے کے ساتھ ہی ، جب کہ اُن کی زبانیں لکنت کرتی ہیں ، گالیاں سکھائی جاتی ہیں ۔ ان کی توتلی زبان کی گالیاں پیاری لگتی ہیں ۔ جب بڑے ہو جاتے ہیں تو دل کی سچائی ظاہر کرنے سے روکے جاتے ہیں ۔ کیا کوئی انصاف سے یہ بات کہے گا کہ یہ سچی تعلیم اور سچی تربیت ہے؟ صداقت ، آزادی سے سچی بات کہنے کی عادت اس سے پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ۔ البتہ آزادی اور بے ادبی میں تمیز کرنا چاہیے ۔ یہ دو چیزیں ہیں ۔ اصلی ادب کے ساتھ آزادی کا کام میں لانا باعث فخر ہے ۔ آپ لوگ یاد رکھیں کہ جو خیالات چھوٹی عمر سے دل میں بیٹھتے ہیں ان کا نکلنا بہت مشکل ہے ، بلکہ نہیں نکلتے ۔ اور اسی سبب سے ہمارے ہاں کے لوگ جوان ہو کر بھی اکثر باتیں اپنے دلی خیال کے خلاف کہتے ہیں ۔ یہ اسی خراب تربیت کا نتیجہ ہے (چیرز) ۔ میں یہاں کی میونسپل کمیٹی کے ذی رتبہ اور عالی درجہ ممبروں کا حال نہیں جانتا مگر اکثر جگہ یہی دیکھا ہے کہ بجز حضور اور ہاں میں ہاں ملانے کے ممبر اور کچھ بھی نہیں کہتے ۔ پھر باہر جا کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تجویز بہت خراب تھی مگر کیا کرتے ، کلکٹر صاحب کی بھی مرضی یہ ہی تھی ۔ یہ اسی بری تربیت کا اثر ہے ۔ اگر سچی آزادی کی تعلیم ہوتی تو کلکٹر کیا وہسرائے کے سامنے بھی یہ کہتے : ''مائی لارڈ ! آئی ایم ویری ساری ، آئی کانٹ اگری ود یور اکسلنسیز پرپوزل'(چیرز) ۔''

۱۔ محترم ! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتا ۔ (محمد اسماعیل)

آپ لوگ مجھ کو معاف کیجیے ، آزادی روکنے سے لوگ اولاد کے قوئ کو مضمحل کر دیتے ہیں - خیر جو گزر گیا وہ گز گیا - اب آیندہ نسلوں کا خیال کرنا چاہیے - شاید یہ سچی باتیں بری لگتی ہوں مگر دلوں میں سوچیے کہ یہ باتیں آپ کی بھلائی اور آپ کی اولاد کی بھلائی کے لیے کہی جاتی ہیں یا اور کسی غرض سے ؟

اے صاحبو! یہاں تک جو کچھ میں نے بیان کیا وہ حقیقت میں تعلیم اور تربیت ہی کے متعلق تھا - مگر مجھ کو ایک امر میں اور بھی کہنا ہے - آپ خیال کریں گے کہ دنیا میں جو امور ہوتے ہیں وہ ایسے پیچ در پیچ ہیں کہ بٹے ہوئے رسوں کے پیچ کی طرح آپس میں لپٹے ہیں - اگر ان کو کھولو گے تو تمام لڑیں ٹوٹ جائیں گی - تمام تربیت اور تعلیم کے ساتھ ایک اور بڑا مسئلہ ہے جس کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے ، اور اس کی ہندوستان میں سب سے زیادہ ضرورت ہے ؛ وہ باہمی اتحاد ہے (چیرز) - اے صاحبو ! عقل مند شخص ، جو خدا پر یقین رکھتا ہے ، اس کی یہ ہی خواہش ہوگی کہ اسی طریقے پر چلیں جو خدا کی مرضی ہے - اب ہندوستان میں دیکھنا چاہیے کہ خدا کی مرضی باہم کس طرح بسر کرنے کی ہے - صدیاں گزر گئیں ہیں کہ ہندو اور مسلمان یہاں آباد تھے - چند سال سے خدا کی یہ مرضی ہوئی کہ ایک تیسری قوم بھی یہاں آباد ہو - یہ تینوں قومیں اب یہاں آباد ہیں اور اب انھی تینوں کا یہ ملک ہے - ان سب کو آپس میں اتفاق اور دوستی پیدا کرنا چاہیے - مذہبی خیالات کا جداگانہ ہونا خدا کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا - یہ کسی کا کام نہیں کہ سب کو ایک مذہب پر لے آوے - یہ تو وہ لوگ بھی نہیں کر سکے جو انبیاء علیہم السلام کے نام سے گزرے ہیں - مختلف مذاہب کے لوگ ہونے سے یہ خیال نہ کرنا

چاہیے کہ باہمی اتفاق نہیں ہو سکتا ۔ ایک باریک بات غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے ، اور وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی خلقت میں دو حصے ہیں؛ ایک عقیدہ ، جو دل سے متعلق ہے ، اس میں دوسرے کی شرکت نہیں ہے ۔ باپ کا عقیدہ بیٹے کے لیے اور بیٹے کا باپ کے لیے مفید یا مضر نہیں ہے ۔ دوسرا حصہ انسانیت کا ، جو تمدنی حالتوں سے متعلق ہے ، جس کے سبب سے آپس میں ملنے ، ہم جنس سے دوستی کرنے ، باہم یگانگت اور اخلاص کا برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے ۔ ان دو حصوں میں خدا کا حصہ خدا کے لیے مخصوص ہے ۔ اس کے حصے کو اسی کے واسطے چھوڑ دو ۔ مگر جو حصہ انسانیت کا ہے ، اور جس کی وجہ سے ایک کا دوسرے کے ساتھ دوستی اور اخلاص کرنا ضروری ہے ، ایک کو دوسرے سے مانگنا چاہیے ۔ اگر تم اس باریک مسئلے کو نہ سمجھو یا سمجھ سے زیادہ سمجھو تو میں تم کو ایک موٹی بات سے اس کو سمجھاؤں ۔ جو لوگ اس وقت اس مجلس میں جمع ہیں وہ سب مل کر ایک کام کو کریں تو اچھی طرح سے ہوگا یا علاحدہ علاحدہ کرنے سے ؟ تعلیم کا بھی یہی حال ہے اور تجارت کا بھی یہی حال ہے ۔ میں اپنے تمام ہندو اور مسلمان بھائیوں سے یہ کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں یہ امر ناممکن ہے کہ رایوں کا اختلاف دور کر دیا جاوے ، آپس میں ایک دوسرے سے رشک و حسد نہ رکھے ، باہم رنج و آزردگی نہ ہو ۔ یہ بھی خدا کا قانون ہے ۔ اس کو کوئی نہیں توڑ سکتا ۔ مگر جس چیز میں کہ سب کے اغراض متحد ہیں ان میں سب کا ایک دل ہو جانا ، یہ کوئی انوکھی بات نہیں ۔ اس کی مثالیں اور ملکوں میں موجود ہیں ۔ اس ملک کے بھی کل باشندوں کو ملک کی بہتری کے لیے ایک جان ہو کر کوشش کرنا چاہیے ۔ اگر یہ نہ کرو گے

تو ہندو بھی ڈوبیں گے اور مسلمان بھی - ان دونوں کی حکومت کے وقت گزر گئے - جو کچھ ان وقتوں میں ہؤا ہؤا - پنجاب میں ابھی سکھوں کی عملداری تھی - وہ بڑے بہادر اور دلیر تھے - تمام انسان ان کی تعریف کریں گے، مگر کیا اس میں ایسا امن تھا جیسا انگریزی عملداری میں ہے ؟ یہ ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا امپرس آف انڈیا کے امن کا زمانہ ہے - اس میں متفق ہو کر جس طرح چاہو ترقی کر سکتے ہو - جہاں تک ہم چاہیں اپنے تئیں پہنچا سکتے ہیں - اگر ایسے زمانے میں بھی ہم کوشش نہ کریں تو بڑے افسوس کی بات ہے - میں کئی جگہ کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان کے لیے ناممکن ہے کہ ہندو یا مسلمانوں میں سے کوئی حاکم ہو اور امن قائم رکھ سکے - پھر یہی ہونا ہے کہ کوئی دوسری قوم ہم پر حکمران ہو - جو قومیں اس وقت دنیا میں حکومت کر رہی ہیں ان میں یورپ کی سلطنتیں بہت قوی اور اعلیٰ درجے کی سمجھی جاتی ہیں - ایشیا کی سلطنت کا حال مسلمان خوب جانتے ہیں کہ اس عملداری میں مسلمانوں کو کس قدر آزادی مل سکے گی - جرمن اور فرانس، جو اُس سے اعلیٰ گنی جاتی ہیں، کیا وہ حکومتیں ہم کو اس سے زیادہ امن اور آزادی دے سکتی ہیں ؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں - کیا ہندوستان کے لوگ رشیا سے کچھ بھلائی کی توقع رکھ سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں - پس ہم لوگوں کو چاہیے کہ ایسے امن کے وقت کو ہاتھ سے نہ دیں اور جو کچھ کرنا ہے کریں - جب یہ امکان میں نہیں ہے کہ ان دو قوموں میں سے کسی کی حکومت ہو اور کوئی ایسی حکومت نظر نہیں آتی جس میں امن و آزادی اس سے زیادہ ہم کو مل سکے، تو ہم کو اس زمانے کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور پیچھے نہ رہنا

چاہیے (بہت زور سے چیرز) ۔''

لیکچر کے ختم ہونے پر صدر انجمن نے سید صاحب کا شکریہ ادا کیا اور مجلس برخاست ہوئی ۔

اُس کے دوسرے دن تیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع کو سید صاحب ایک زنانہ مشن اسکول کو ، جس کا نام وہ علی گڑھ میں سن چکے تھے ، دیکھنے تشریف لے گئے ۔ ہم سب لوگ اور ہمارے دونوں حسنین دوست اور خواجہ یوسف شاہ صاحب بھی ساتھ تھے ۔ اس اسکول کے منتظم پادری کلارک صاحب ہیں جو نہایت با اخلاق اور مشنّین پادری ہیں ۔ ہم پہلے اُن کی کوٹھی میں گئے جو اسکول کے بہت قریب ہے ۔ پادری صاحب ہم سب سے نہایت اخلاق سے ملے اور بہت مہربانی فرمائی اور ہم سب کو ساتھ لے کر زنانہ مسکول میں گئے ۔

یہ اسکول صرف ہندوستانی عیسائی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مشن کے روپے اور فیّاض لوگوں کے چندے سے تعمیر ہؤا ہے ۔ نہایت خوبصورت عمارت ہے اور عمدہ موقع پر واقع ہوئی ہے ۔ دو منزلہ عمارت بنی ہے ۔ نیچے کی منزل میں پڑھنے کے کمرے ہیں اور ایک طرف گرجا کرنے کا ایک کمرہ ہے جو نہایت خوبصورتی و صفائی سے آراستہ ہے ۔ اسی نیچے کی منزل میں ایک خوبصورت کمرہ اسکول کی ماسٹرس یعنی مس صاحبہ معلمۂ اسکول کے بیٹھنے اور ملنے کا ہے ۔ اوپر کی منزل میں سب لڑکیوں کے رہنے کے لیے بڑے بڑے کمرے اور نہانے دھونے کے لیے مناسب جگہ بنی ہوئی ہے ۔ ان کمروں کے آگے وسیع چھت ہے جس پر گرمیوں میں لڑکیاں سو سکتی ہیں ۔

جب ہم سب اسکول میں پہنچے تو ماسٹرس صاحبہ سے ملاقات ہوئی اور ہم سب لوگ ماسٹرس صاحبہ کی ملاقات کے کمرے میں ، جو نیچے کی منزل میں تھا ، ٹھیرے ۔ اگرچہ ہم سب نے نیچے کے مکانات کسی قدر دیکھے مگر اس سبب سے کہ وہ ایک زنانہ اسکول تھا ہم سب کو ہر جگہ لے جانا مناسب نہ تھا ۔ پادری صاحب اور ماسٹرس صاحبہ صرف سید صاحب کو ہر جگہ لے گئیں ۔ اول وہ کمرے دکھائے جہاں لڑکیاں اپنی اپنی جماعتوں میں پڑھ رہی تھیں ۔ لڑکیاں اُسی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھیں جیسا کہ اکثر ہندوستانی عیسائی لڑکیاں اور عورتیں پہنتی ہیں ، مگر سب کا لباس صاف تھا ۔ اُن کے چہرے اور نشست برخاست سے ایک تمیز پائی جاتی تھی ۔ دو یورپین مسیں اسکول میں معلمہ ہیں ۔ چھوٹی لڑکیوں کی جماعت کو ایک ہندوستانی معلم بھی پڑھا رہا تھا ۔ معلوم نہیں کہ وہ معلم عیسائی تھا یا مسلمان ۔ وہاں سے سید صاحب گرجا کے مکان میں گئے ۔ اُس وقت ایک لڑکی نے نہایت عمدگی سے پیانو باجے پر خدا کی مناجات میں ایک گیت گایا ۔ وہاں سے سید صاحب اوپر کی منزل میں گئے اور اُن کے رہنے کے مکانات دیکھے ۔ لمبے لمبے متعدد کمرے بنے ہوئے ہیں ۔ سب لڑکیوں کی چارپائیاں برابر برابر کچھ فاصلے سے بچھی ہوئی ہیں اور ہر ایک کے سرہانے اُس کے ضروری اسباب کے لیے ایک چھوٹا سا صندوق رکھا ہؤا ہے ۔ مکان بالکل صاف اور ستھرا تھا ۔

اُس کے دیکھنے کے بعد سید صاحب نیچے اُترے اور بڑے ہال میں گئے جہاں سب لڑکیاں جمع تھیں ۔ اُس وقت سب لڑکیوں نے مل کر دو تین گیت گائے اور نہایت خوبی سے گائے ۔ ان لڑکیوں کی تعلیم و شایستگی اور سلیقے کو سید صاحب نے بہت

پسند کیا اور نہایت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تعجب کی بات ہے کہ ایک قوم یہ ہے کہ غیر قوم کی لڑکیوں کی تعلیم پر اس قدر متوجہ ہے اور ایک ہماری قوم ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم تک کی کچھ فکر نہیں کرتی ۔

اس اسکول کی عمارت میں نوے پچانوے ہزار روپیہ خرچ ہؤا ہے ۔ مشن نے اس کے لیے بہت تھوڑا روپیہ دیا تھا ۔ شاید دس بارہ ہزار ، باقی سب روپیہ چندے سے جمع ہؤا ہے ۔ ہندوستانی امیروں نے بھی اس میں چندہ دیا ہے ۔ اگر ہندو اور مسلمان رئیسوں نے اس میں چندہ دیا ہو تو نہایت خوشی کی بات ہے اور چندہ دینے والوں کی بڑی نیک دلی اور عزت کی دلیل ہے ۔ لیکن جب کہ وہ اپنی قوم کی کچھ فکر نہیں کرتے اور آن کے لیے تعلیم و تہذیب کے سامان مہیا کرنے پر متوجہ نہیں ہیں تو آن کے اس قسم کے مواقع پر ، جس میں انگریزی قوم کا لگاؤ ہوتا ہے ، فیّاضی کرنا آن کی ذلّت اور بددلی کی دلیل ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فیاضی آنھوں نے آس نیک دلی سے نہیں کی ہے جو آن کی عزت کا باعث ہو بلکہ نہایت کمینے خیالات سے کی ہے جن سے ازخود آن کی تذلیل ہوتی ہے ۔

جو لڑکیاں اس اسکول میں پڑھتی ہیں اکثر بورڈر ہیں اور کچھ ڈے اسکالر بھی ہیں ۔ بورڈر لڑکیوں کے دو یا تین درجے ہیں ۔ اول درجے کی بورڈر لڑکیاں ، جن سے شاید پچیس روپیہ ماہواری لیا جاتا ہے ، ماسٹرس صاحبہ کی میز پر آن کے ساتھ کھانا کھاتی ہیں اور دوم درجے کی لڑکیاں آیا کے ساتھ اور سوم درجے کی شاید زمین پر بیٹھ کر یا اور کسی طرح ۔ مجھے اچھی طرح یاد

نہیں رہا ۔ اس وقت ساٹھ ستر لڑکیاں اسکول میں موجود تھیں ۔ یہ اسکول ایسی عمدگی اور انتظام سے ہے کہ تمام ہندوستانی عیسائیوں کو اپنی لڑکیوں کو وہاں بھیجنا ضرور ہے ۔ اور ہمارے ہندو و مسلمان ہندوستانیوں کو ، جو لڑکیوں کی تعلیم دلانے کا شوق رکھتے ہیں ، اگر آن کا وہ شوق سچا ہے تو آن کو اپنے قومی اہتام سے کم سے کم ایسا ہی اسکول بنانا چاہیے ، جب لڑکیوں کی تعلیم کا نام لیں ورنہ جھوٹی بک بک اور لغو باتوں اور بیہودہ خیالات سے کچھ فایدہ نہیں ہے ۔ کہوکم اور کرو زیادہ ۔ مگر ہم ہندوستانیوں کی عادت ہے کہ کہتے بہت کچھ ہیں اور کرتے کچھ نہیں ۔

امرتسر میں سید صاحب کی بہت سے نئے دوستوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور تمام دن اور کسی قدر رات کا حصہ لوگوں سے ملنے اور عمدہ عمدہ باتیں سننے اور کہنے میں گزرتا تھا ۔ مگر ایک صاحب کا بالتخصیص ذکر کرنا برکت سے خالی نہ ہوگا ۔ وہ بزرگ سید عبداللہ صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت ابن السّریان ہیں ۔ یہ درگاہ ڈیرہ غازی خاں میں ہے اور نہایت متبرک گنی جاتی ہے ۔ وہاں کے سجّادہ نشین کا ہر ایک شخص ادب کرتا ہے اور آن سے برکت لیتا ہے ۔ جناب سید عبداللہ صاحب صرف سید صاحب سے ملاقات کرنے کو مع اپنے ایک مرید خاص کے ڈیرہ غازی خاں سے تشریف لائے تھے ۔ سید صاحب سے مل کر نہایت خوش ہوئے اور دعائے خیر دی اور فرمایا کہ خدا تمھارے کاموں میں برکت دے اور آن کو حسبِ مراد پورا کرے ۔

مسٹر سی ۔ جی ۔ راجرس صاحب کرسچین ورنیکلر ایجوکیشن

سوسائٹی کے نارمل کالج کے پرنسپل ، جو ایشیٹک سوسائٹی بنگال کے ممبر بھی ہیں ، سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے ۔ چند روز سے پرانی تاریخ کی تحقیقات میں لفظ ''تنکہ'' پر بحث ہو رہی ہے کہ یہ کیا لفظ ہے اور کیا سکہ تھا اور ''تنکہ''، ''تنکہ نقرئی'' اور ''تنکہ طلائی'' کن معنوں میں مستعمل تھا ۔ ہندوستان کے محاصل کا حساب ''آئین اکبری'' میں ''دام'' کے حساب پر لکھا ہے اور بعض تاریخوں میں ''تنکہ'' کے حساب پر ۔ تنکہ کی صحت نہ ہونے سے محاصل ہندوستان کے حساب میں بہت فرق پڑ جاتا ہے ۔ مگر مسٹر راجرس نے ایسے سکے تانبے کے بہم پہنچائے ہیں جن سے امر مذکورہ نہایت غور طلب ہو گیا ہے ۔ ایک سکہ ہے جس پر لکھا ہے : ''تنکۂ اکبر شاہی ضرب دہلی دی ماہ الٰہی ۴۳''۔ اس کا وزن چھ سو پچیس و پانچ دسمل (ڈیسی مل) گرین ہے ۔ ممکن ہے کہ لفظ تنکہ کو سکہ پڑھا جاوے ۔

ایک سکہ ہے جس پر لکھا ہے : ''دو تانکے اکبر شاہی ضرب آگرہ شہریور ۵۰ الٰہی''۔ دوسرے پر بھی یہی سکہ ہے مگر اس پر اذر ۴۶ الٰہی ہے ۔ پہلے کا وزن ۱۰۸ ، دوسرے کا ۱۰۹ گرین ہے ۔

ایک سکہ ہے جس پر لکھا ہے : ''یک تانکے اکبر شاہی ضرب لاہور ۴۶ الٰہی وزن ۵۹ گرین''۔

ایک سکہ ہے جس پر لکھا : ہے ''دام ۳۳ الٰہی'' وزن ۷۶ گرین ۔ ایک سکہ ہے جس پر لکھا ہے : ''دمری ۳۳ الٰہی'' وزن ۴۰ گرین ۔

نیم تنکہ کا سکہ بھی ہے جس کا وزن ۳۱۷ و ۳۰۹ گرین

کا ہے ۔ ان تمام سکّوں سے اس بحث کو نہایت وسعت ہو گئی ہے اور تحقیقات کے لیے بہت کچھ جگہ باقی ہے ۔ سید صاحب نے ان سب سکّوں کو دیکھ کر کہا کہ جو خیال مجھ کو تنکہ کی نسبت تھا وہ ان سکّوں کے دیکھنے سے بالکل آلٹ پلٹ ہو گیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو تحقیق میں نے اس باب میں کی تھی ، غالباً وہ ناکافی ہے ۔ میں پھر اس پر غور کروں گا ۔ راجرس صاحب نے پانچ کتابیں سکّوں کی چھپی ہوئیں ان کو عنایت کیں اور تشریف لے گئے ۔

مسٹر عبداللہ ایتھم صاحب بھی سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے اور لیکچر میں بھی موجود تھے ۔ ایتھم صاحب ہندوستانی عیسائی ہیں ۔ پہلے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے ، اب پنشن لے لی ہے ۔ آن کو اپنے مذہب میں نہایت غلو ہے ۔ سید صاحب کے مضامین کی تردید میں ، جو عیسائی مذہب کے مخالف ہوتے ہیں ، ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں ۔ مگر آدمی نہایت نیک اور خلیق ہیں ۔ سید صاحب آن سے نہایت اخلاق و کشادہ دلی سے ملے اور آن کی تشریف آوری کا شکریہ کیا ۔

راجہ گلاب سنگھ اٹاری والے ، جو اب ضلع رائے بریلی ملک اودھ میں بہت بڑے عطیہ‌دار ہیں ، ان دنوں امرتسر میں تشریف رکھتے تھے ۔ وہ بھی سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے اور کچھ میوہ و شیرینی بطریق دعوت کے بھیجا ۔

امرتسر میں خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب گویا سب مسلمانوں کے سردار ہیں ۔ تمام امرتسر کے مسلمان آن کا ادب کرتے ہیں اور آن کی بغیر صلاح و مرضی کے کوئی اہم کام نہیں ہوسکتا ۔

خان ممدوح نہایت فہمیدہ و سنجیدہ و سن رسیدہ تجربہ‌کار شخص ہیں ۔ سکھوں کے عہد سے برابر معزز چلے آتے ہیں ۔ مگر تین شخص امرتسر کی جان ہیں ؛ خواجہ محمد یوسف شاہ صاحب ، شیخ غلام حسن صاحب ، حاجی غلام حسن صاحب ۔ یہ بزرگ تمام نشیب و فراز زمانہ کو اور جو ابتر حالت قوم کی ہو گئی ہے اُس کے اسباب بخوبی سمجھتے ہیں ، اور جو آیندہ ہونے والی ہے اُس کو بھی بخوبی جانتے ہیں ۔ اُن کے دل میں قوم کو ترقی دینے کا بہت کچھ خیال ہے اور جس قدر ہو سکتا ہے کرتے بھی ہیں ۔ مگر مسلمان چاروں طرف سے ایسی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں جن سے اُن کی مخلصی نہایت دشوار ہے ۔ ان صاحبوں کو بھی اُن بندشوں سے مخلصی نہیں ہے ۔ دل میں بہت کچھ جوش ہے مگر کرنے کا قابو کم ہے ۔ بہرحال اگر امرتسر کبھی زندہ ہونے والا ہے تو بلا شبہ انھی صاحبوں میں سے کوئی نہ کوئی اُس کا مسیحا ہوگا ۔

خان بہادر آغا کلب عابد خاں صاحب نے ، جو مدت تک پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ہیں ، پنشن لینے کے بعد اس شہر میں سکونت اختیار کی ہے ۔ اب وہ پنجابی امرتسری ہوگئے ہیں ۔ امرتسر کے لوگ اُن کی نہایت عزت و تعظیم کرتے ہیں اور مسلمانوں میں نہایت معظّم اور مفخم گنے جاتے ہیں ۔

امرتسر نہایت مشہور اور سکھوں کا بہت مقدس شہر ہے ۔ جس طرح ہماری طرف کے ہندو بنارس و اجودھیا کو مقدس جانتے ہیں ، اسی طرح سکھ امرتسر کو متبرک مانتے ہیں ۔ یہاں گرو صاحب کا دربار ، سنہری برج کا ، تالاب کے بیچ میں نہایت نامی و مشہور ہے ۔ مسلمانوں کی سکونت کے اعتبار سے بھی یہ ایک نامی

تجارتی شہر ہے ۔ کشمیری کثرت سے آباد ہیں ۔ پشمینے کا کام ایسا عمدہ ہوتا ہے کہ کشمیر کے بعد امرتسر ہی گنا جاتا ہے ۔ ایک زمانے میں پشمینے کے مال کی تجارت نہایت فروغ پر تھی اور فرانس میں پشمینے کے استعمال کا فیشن ہو گیا تھا ۔ اس سبب سے یہاں کے مال کی تجارت کو فرانس نے بہت رونق دے دی تھی ۔ فرنکو جرمن وار کے بعد دفعتاً وہ فیشن نہ رہا اور اُسی کے ساتھ یہاں کی تجارت پشمینہ کو ، جو مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی ، دفعتاً زوال آگیا ۔ اب تجارت کو کچھ رونق نہیں ہے ۔ جو تاجر دولت مند ہیں ان کے ہاں تیار مال پڑا ہے جس کی نکاسی نہیں ہے اور جو غریب ہیں وہ مال کے فروخت نہ ہونے کے سبب دیوالیہ ہونے والے ہیں ۔ پشمینے کے کام کرنے والے کاریگروں کو بھی مزدوری نہیں ملتی ، وہ بھی تنگ ہیں ۔

جب سید صاحب خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب سے ملنے گئے تھے اس زوال رسیدہ تجارت کا تذکرہ ہوا تھا ۔ سید صاحب نے کہا کہ دوسری تجارت کیوں نہیں کی جاتی ؟ سید صاحب نے مثالاً بتلایا کہ اگر کمپنی قایم ہو اور پنجاب سے براہ کراچی جدّہ کو غلہ لے جایا کرے تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ تگنا فائدہ سوداگروں کو اور بے انتہا آسایش مکہ معظمہ کے حاجیوں کو اور حجاز کے رہنے والوں کو پہنچے ، اور مفت میں ہر سال دو تین گماشتے حاجی ہو جایا کریں ۔ اُس وقت تو سب کی توجہ اُس طرف مایل ہوئی تھی ، پھر معلوم نہ ہؤا کہ کیا ہؤا ۔

آج ہی کا دن یعنی تیسویں جنوری سنہ ۱۸۸۴ع اور تین بجے کا وقت امرتسر سے روانگی کا قرار پایا تھا ۔ اب ہم یہاں کی کہانی

گو ختم کرتے ہیں اور اسباب کے باندھنے میں مشغول ہوتے ہیں کہ ریل کے وقت پر اسٹیشن پر پہنچ جائیں ۔ وقتِ معیّنہ پر ہم سب اسٹیشن پر پہنچے ۔ وہاں خان بہادر خان محمد شاہ خان صاحب ، خان بہادر آغا کلب عابد خان صاحب اور اور بہت سے احباب بطریق مشایعت تشریف لائے تھے ۔ جب ٹرین چلی تو صدائے چیرز بلند ہوئی ۔ ہم نے نہایت احسان بھرے دل سے امرتسر اور احباب امرتسر کو خدا حافظ کہا ۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب ، شیخ غلام حسن صاحب ہمارے ساتھ ساتھ لاہور تشریف لے چلے اور حاجی غلام حسن صاحب دوسرے دن ہم سے لاہور میں آن ملے ۔ امرتسر کی کہانی ختم ہوئی ، اب لاہور کے حالات کو سنیے ۔

حالات مقام لاہور

امرتسر سے روانہ ہونے کے ایک دن یا دو دن پیشتر خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب لاہور سے سید صاحب کی ملاقات کو امرتسر میں تشریف لائے تھے ۔ ان کا مقصود تھا کہ سید صاحب کے لاہور میں پہنچنے اور وہاں کے قیام کے زمانے کو منقح کرلیں ۔ خان بہادر ممدوح نے یہ قرار دیا کہ سید صاحب تیسویں جنوری کو پانچ بجے لاہور میں پہنچیں اور چوتھی فروری تک قیام کریں ۔ اسی قرارداد کے مطابق سید صاحب امرتسر سے روانہ ہوئے اور وقتِ معیّنہ پر لاہور پہنچے ۔

لاہور کے اسٹیشن پر ہم کو ایسا سامان دکھائی دیا جیسا کہ الف لیلہ کے قصوں میں بیان ہوا ہے ۔ کل اسٹیشن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ۔ اسٹیشن پر لال بانات کا فرش بچھایا گیا تھا ۔ اس کے دونوں طرف دو قطاریں ایسے لوگوں کی تھیں جو ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے ۔ مجلسِ اسلامیہ لاہور کی جانب سے انگریزی و اردو میں ایک پروگرام سید صاحب کی تشریف آوری کا اور ان کاموں کا ، جو زمانۂ قیام میں ہونے والے تھے ، چھاپہ ہو کر تقسیم ہو گیا تھا ۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ سید صاحب مہاراجہ کپورتھلہ کی کوٹھی میں فروکش ہوں گے اور ان کی سواری ریل کے اسٹیشن سے لنڈا بازار ہو کر شہر کی گول سڑک سے گزر کر

براہ انارکلی فرودگاہ پر جاوے گی -

جب ریل اسٹیشن پر پہنچی تو لوگوں نے چیرز دی - سید صاحب جب پلیٹ فارم پر آترے تو خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے سید صاحب اور آن کے ساتھیوں کو پھولوں کے گلدستے دیے اور بتوسط خان بہادر ممدوح نواب عبدالمجید خاں صاحب بہادر ، سردار دیال سنگھ صاحب بہادر مجیٹھہ ، دیوان پنڈت پرندر ناتھ صاحب ، خان بہادر ڈاکٹر رحیم خاں صاحب ، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم - اے ، شیخ سندھے خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ، سید رمضان صاحب ، مولوی سید ممتاز علی صاحب اور ڈاکٹر امیر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی -

جناب مسٹر پارکر صاحب جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر و رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی پنجاب بھی ریلوے اسٹیشن پر سید صاحب سے ملنے تشریف لائے تھے - سید صاحب نے آن سے ملاقات کی اور آن کی اس عنایت اور تکلیف فرمائی کا شکریہ کیا -

ہجوم اس قدر کثرت سے تھا کہ ہر ایک صاحب سے ملنا اور شکریہ کرنا ناممکن تھا ، مگر جہاں تک ہوسکتا تھا سید صاحب دلی احسان مندی کے طریقے پر لوگوں سے ملتے اور مصافحہ کرتے تھے - لاہور کے ''پنجابی اخبار'' کے لایق ایڈیٹر نے اپنے اخبار مطبوعہ دوسری فروری میں لکھا ہے کہ ''اس وقت (یعنی جب کہ سید صاحب اسٹیشن پر پہنچے) کثرت ہجوم اور لوگوں کے دلی جوش اور شوق کا ، جو آن کے دلوں میں سید صاحب کے دیدار کا تھا ، یہ عالم تھا کہ ہر ایک یہی کوشش کرتا تھا کہ اس نعمت سے محروم نہ جائیے ، چنانچہ لوگوں کے اس اشتیاق نے اکثر معزز

حاضرین کو سید صاحب سے مصافحہ کرنے سے محروم رکھا ۔ ۔ ۔
اُس وقت لوگوں کی بشاشت کا حال قابلِ دید تھا اور مسلمانوں کے آیندہ اقبال کی فالِ نیک ظاہر کرتا تھا ۔ پلیٹ فارم پر کافی تعداد کے وہ اصحاب بھی موجود تھے جنھوں نے اپنے لباس میں زمانۂ حال کے موافق ترقی کی ہے اور مسلمانوں کے مرغوب لباسِ ترکی کو اختیار کر لیا ہے ۔ یہ گروہ سید صاحب کا خاص باڈی گارڈ کے طور پر تھا ۔''

غرض کہ سید صاحب سرخ بانات پر ہوکر ، جو رستہ اُن کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا ، اسٹیشن کے دروازے پر پہنچے ۔ اس وقت دیکھا کہ منشی محرّم علی صاحب چشتی ایڈیٹر اخبار ''رفیقِ ہند'' ، جو ایک نوجوان ذکی‌الطبع آزاد مزاج شخص ہیں اور قوم کی ہمدردی کا چسکا رکھتے ہیں اور سید صاحب کی بہت قدر کرتے ہیں اور مدرسۃالعلوم علی گڑھ میں کچھ عرصہ تک رہے ہیں ، تازہ بتازہ چھپا ہؤا نفیس کاغذ ، جس پر سید صاحب کی تصویر بھی چھپی ہوئی ہے اور اشعار بھی ہیں جن سے تاریخِ تشریف آوری نکلتی ہے ، سید صاحب کی تشریف آوری کے مبارک باد میں لوگوں کو تقسیم کر رہے ہیں ۔ وہ پرچہ ایسا دلچسپ ہے کہ ہم اُس کو بغیر نقل کیے نہیں چھوڑ سکتے :

نقل ضمیمہ اخبار ''رفیق ہند'' لاہور

مطبوعہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۸۸۴ع

۱۳۰۱

خیر مقدم سیدی نعم‌المجی

اس کے بعد تصویر ہے اور یہ شعر اور عبارت ہے :

۱۳۰۱ ہجری

مرحبا سید اولادِ نبیِ مدنی
جانِ جاں باد فدایت کہ وحیدِ زمنی

آخر کار وہ شخص ، جس نے قوم کی غمخواری میں اپنے بال سپید کر دیے ، جس کی کبھی نہ ہارنے والی ہمت نے مشکلات کے بڑے بڑے روئیں تن پہاڑوں کو گویا طرفۃالعین میں اُڑا کر اولوالعزمی کا ایک مجسم نمونہ ہمارے ملک کے لیے مہیا کیا ، جس نے اُردو لٹریچر میں جان ڈال کر دیسیوں میں اخبار نویسی کا مذاق پھیلایا ، جس کے باعث ہم لوگ بھی اپنی عادل گورنمنٹ کے مقاصد سمجھنے اور آسے رعایا تک پہنچانے کے قابل ہوئے ، ایک ایسا ہندوستان کا بے نظیر رفارمر آج ہمارے شہر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف کرتا ہے ۔ پس ایک ایسا اخلاقی حکمران ، جس کی عالمگیر محبت کا سکّہ ہمارے دلوں پر جما ہؤا ہے ، جس نے اپنی اخلاقی فتوحات سے دنیا کے بے شمار دلوں کو تسخیر کر لیا ہے ، ہم بے اختیار ہیں کہ دلی گرم جوشی اور فرطِ عقیدت سے آس اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے محسن کا خیر مقدم کریں ۔ مرحبا ! مرحبا !! اے ہمارے خضر صورت اور خضر سیرت بزرگ سید !!! خداوندِ خدا ، سچا قادرِ مطلق تیرا سایہ بہت دنوں تک تیرے روحانی بیٹوں پر سلامت رکھے ۔ آمین !

اور ہاں مبارک ہو تمہارے لیے بھی اے بزرگ سید کی ہمدرد پارٹی ! مرحبا اے چاروں آلِ رسول حاجی سید محمد اسماعیل صاحب ،

مولوی سید اقبال علی صاحب ، مولوی سید اکرام اللہ صاحب اور سید محمد علی صاحب - تمہارا قدم ہماری سر آنکھوں پر - ہم آپ کی اس دلی توجہ اور عنایت کے بھی ہمیشہ مشکور رہیں گے جو آپ نے اپنے سرحدی صوبے کے بھائیوں کو سرفراز کرنے میں ظاہر کی ہے - خدا تمہارے ساتھ ہو - آمین !

سید صاحب کی شان میں ایک تاریخ مصنفہ مولانا حامد صاحب ، جو ہمارے پاس پہنچی ہے ، وہ بھی درج ذیل ہے :

۱۳۰۱ ہجری

سید قوم و طبیب دل اہل ہندی
حامد آمد بجنابت پئے درماں طلبی

حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب سید نہیں ہیں بلکہ شروانی پٹھان ہیں اور اکرام اللہ خاں صاحب علوی شیخ ہیں - ہمارے دوست چشتی نے ناواقفیت سے اُن کو سید لکھا ہے مگر مجھ کو خوب مضمون ہاتھ لگا - میں نے کہا کہ میں تو شیعہ ہوں اور شیعہ علویوں کو بھی سید سمجھتے ہیں ، پس اگر محمد اکرام اللہ خاں صاحب سنیوں کے نہیں تو شیعوں کے تو ضرور سید ہیں - ہمارے مخدوم شروانی پٹھان سیدوں کی دوستی میں خوب سید بنے - آل اطہار کی دوستی میں ایسے ہی ایسے عالی درجے ملتے ہیں -

ریلوے اسٹیشن کے دروازے پر گاڑیاں سواری کی موجود تھیں - سید صاحب کے ساتھ نواب عبدالمجید خاں صاحب ایک گاڑی میں سوار ہوئے اور حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور بندہ اقبال علی جناب سردار دیال سنگھ بہادر کے ساتھ ایک گاڑی میں اور محمد

اگرام اللہ خاں صاحب اور سید محمد علی صاحب ، خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کے ساتھ ایک گاڑی میں سوار ہوئے -

اسٹیشن کے میدان میں ایک گروہ کثیر مسلمان لڑکوں کا جمع تھا ، جس میں اسکولوں کے اکثر طالب علم بھی شامل تھے - جب سید صاحب روانہ ہوئے تو ان سب نے مل کر نہایت جوش خروش سے چیرز دی اور صدائے ہرے ہرے بلند کی - ایک عجیب کیفیت تھی کہ سید صاحب کے لاہور میں تشریف لانے کی ہر کہ و مہ کو بے انتہا دلی بشاشت اور خوشی تھی -

نوجوان تعلیم یافتہ اس بڈھے کی ، جس نے قومی بھلائی کے لیے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا ہے ، حد سے زیادہ قدر کرتے تھے اور بے انتہا خوشی و محبت ظاہر کرتے تھے - اسی خیال سے دو نوجوان مسلمانوں منشی بشیر علی خاں صاحب فرزند جناب خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب اور زبدۃالحکماء حکیم غلام نبی صاحب نے یہ تجویز کی تھی کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر سید صاحب کی گاڑی کے آگے بطور جلو کے چلیں گے - طرفہ تو یہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے ترکش ڈریس اور لال ٹوپی بطور وردی کے پہنی تھی - جب گاڑی روانہ ہوئی تو وہ دونوں صاحب گھوڑوں پر بطور جلو کے آگے ہو لیے - سید صاحب کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ ''نورِ بصر ہمیشہ پیش رو ہوتا ہے -''

ہمارے آزاد مزاج ذکی‌الطبع دوست منشی محرّم علی صاحب چشتی نہایت چستی سے اس گاڑی کے کوچ بکس پر ، جس میں سید صاحب سوار تھے ، کوچوان کے پاس ہو بیٹھے اور ''رفیقِ ہند'' کا ضمیمہ تمام رستے لوگوں کو تقسیم کرتے گئے - معینہ راہ سے سید

صاحب اور آن کے ہمراہی دوستوں اور دیگر بزرگوں کی گڑیاں ،
جو ساتھ تھے ، روانہ ہوئیں - رستے پر ہر جگہ غول کے غول جمع
تھے اور منشی محرّم علی چشتی صاحب کا ضمیمہ اخبار لینے کو گاڑی
کے گرد ہجوم کرتے تھے - سید صاحب کو نہایت اندیشہ ہؤا کہ کسی
کے چوٹ نہ لگ جاوے - آنھوں نے منشی صاحب سے کہا کہ بہت
تقسیم ہو چکے ، اب تامل فرمائیے - غرض کہ ہم سب بخیر و خوبی
راہ طویل طے کرکے نہایت تزک و احتشام سے ، جس سے سید صاحب
ہر وقت متعجب ہوتے تھے اور بارہا کہتے تھے کہ لوگوں نے
ایسا کیوں کیا ؟ مہاراجہ صاحب کپور تھلہ کی کوٹھی میں پہنچے -

ہمارے مفتخر و معظم میزبان خان بہادر محمد برکت علی خاں
صاحب نے اس کوٹھی کو بہت خوبی و خوش اسلوبی سے آراستہ
کیا تھا - ہر ایک کے لیے جدا جدا کمرے اور ہر قسم کا سامان
آسایش مہیا تھا - بڑی نعمت اس کوٹھی میں یہ تھی کہ ہر ایک
کمرے میں آتش خانے تھے اور افراط سے لکڑیاں موجود تھیں -
آگ کی گرمی سے ہر ایک کا دل ٹھنڈا ہوتا تھا - کھانے اور چائے
کا سامان بھی بہت عمدہ تھا - خان بہادر صرف ہمارے ہی میزبان نہ
تھے بلکہ جس قدر لوگ باہر سے سید صاحب کی ملاقات کے لیے آئے
تھے سب کے لیے خان بہادر نے خوان نعمت مہیا کیا تھا -

بہت سے احباب اسٹیشن سے کوٹھی فرودگاہ تک سید صاحب
کے ہمراہ آئے تھے - آن سب صاحبوں سے خان بہادر محمد برکت علی
خاں صاحب نے تفصیل سے ملاقات کرائی - لاہور میں دیگر اضلاع
کے بزرگ بھی ، جہاں جہاں ریل کے ذریعے سے سفر ہو سکتا تھا ،
سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے تھے - مولوی احمد شفیع

صاحب جہلم سے اور منشی غلام جیلانی صاحب خلف منشی مہدی خاں صاحب اور سولوی نور احمد صاحب ، منشی عبدالغنی صاحب ، ماسٹر عطاءاللہ صاحب ، ماسٹر غلام محمد صاحب ، شیخ عبدالقادر صاحب ، محبوب علی صاحب ، شیخ فضل الٰہی صاحب گجرات سے ۔ مولوی میر حسن صاحب ، میر حامد شاہ صاحب ، میر امیر علی صاحب ، منشی محمود شاہ صاحب ، شیخ رحیم بخش صاحب ، منشی وزیر علی صاحب ، دوست محمد خاں صاحب سیالکوٹ سے ۔ حاجی غلام حسن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر فیروز پور سے رونق افروز لاہور تھے ۔ اور بھی بہت سے صاحب گرد و نواح کے لاہور میں تشریف رکھتے تھے مگر میں معاف چاہتا ہوں کہ اس سے زیادہ تفصیل لکھنے سے معذور ہوں ۔

یکم فروری سنہ ۱۸۸۴ع کو سید صاحب جناب مسٹر پارکر صاحب بہادر سے ملاقات کرنے اور اُنھوں نے جو از راہ عنایت اسٹیشن ریل پر سید صاحب سے ملنے کو قدم رنجہ فرمایا تھا ، اُس کا شکریہ ادا کرنے کو گئے اور سہ پہر کو بمعیت خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کے نواب عبدالمجید خاں صاحب اور نواب غلام محبوب سبحانی صاحب اور سردار دیال سنگھ صاحب مجیٹھیہ اور ڈاکٹر رحیم خاں صاحب کی ملاقات کو تشریف لے گئے ۔ سب صاحب نہایت مہربانی اور اخلاق سے پیش آئے ۔ ڈاکٹر رحیم خاں صاحب نے اپنے ہاں سید صاحب کے لیے سہ پہر کے تنقّل کا ، جس کو اس زمانے میں ٹفن سے تعبیر کرتے ہیں ، سامان تیار کیا تھا ۔ مختلف قسم فواکہ اور ہندوستانی اور انگریزی مٹھائی اور بسکٹ و ٹوس ، چائے و کافی سب تیار تھی ۔ میز نہایت خوبصورت برتنوں اور گلدستوں سے آراستہ تھی ۔ ڈاکٹر صاحب اپنے معزز مہمان کو اُس کمرے

میں ، جہاں میز آراستہ تھی ، لے گئے اور سب احباب نے اطعمۂ لذیذہ سے ذایقۂ زبان اور کلماتِ لطیفہ سے مذاقِ جان کو تر و تازہ کیا ۔

تمام زمانہ قیامِ لاہور کے ہر وقت صبح سے اور گیارہ بارہ بجے رات تک سید صاحب کے پاس احباب کا مجمع رہتا تھا ۔ گروہ گروہ لوگ ہر قسم کے سید صاحب کی ملاقات کو آتے تھے اور سید صاحب نہایت اخلاق و محبت و فروتنی سے سب سے ملتے تھے ۔ ایڈیٹر صاحب اخبار ''انجمنِ پنجاب'' نے اپنے اخبار مطبوعہ نویں فروری میں سید صاحب کی نسبت اس طرح پر لکھا ہے کہ :

''مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر ۳۰ جنوری کو شام کے پانچ بجے واردِ لاہور ہوئے اور کڑی باغ میں مہاراجہ کپورتھلہ کی کوٹھی میں قیام فرمایا ۔ اُسی روز سے آن کا قیام‌گاہ زیارت‌گاہ بن گیا ۔ سید صاحب کا خلق ایسا عمیم ہے کہ ہر شخص کے لیے کھڑے ہو کر تعظیم دینا اور رخصت کے وقت مصافحہ کرنا ایک معمولی بات ہے ۔ آن کی گفتگو نہایت دلکش ہے اور اُس میں ظرافت کا مصالحہ ایسا لگا ہؤا ہے کہ آن کی ہر بات کو قبولِ خاص و عام کرتا ہے ۔''

جب سے سید صاحب نے پنجاب میں قدم رکھا ہے ہر ایک مقام پر دوستوں کی ملاقات اور آن سے بات چیت کرنے میں سارا دن اور آدھی رات گزر جاتی تھی ۔ ہم لوگ تو کسی وقت علحدہ ہو کر آرام بھی کر لیتے تھے مگر سید صاحب کو ذرا بھی فرصت میسر نہ ہوتی تھی ۔ ہم لوگوں کو نہایت اندیشہ تھا کہ اس قدر تکلیف گوارا کرنے سے کہیں آن کی طبیعت علیل نہ ہو جاوے ۔

آن سے کہا بھی کہ آپ اس قدر تکلیف نہ اُٹھاویں مگر اُنھوں نے جواب دیا کہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس قدر بزرگ تکلیف اُٹھا کر میرے لیے آویں اور میں اپنی تکلیف کے خیال سے آن سے ملنے اور بات چیت کرنے میں کوتاہی کروں - میں نہیں جانتا کہ پنجاب میں اس قدر قوت سید صاحب میں کہاں سے آ گئی تھی -

دوسری فروری کو سہ پہر کے وقت ایک گروہ کثیر ہندو صاحبوں کا سید صاحب سے ملنے کو آیا - میں نہیں جانتا کہ وہ سب صاحب کس سوسائٹی یا سبھا یا سماج کے ممبر تھے - شاید ہندو سبھا لاہور کے ممبر ہوں گے - آن سے بہت دیر تک مختلف باتوں پر گفتگو ہوتی رہی - میں تو اس درمیان میں اُٹھ کر چلا گیا تھا ، نہ مجھ کو اس قسم کی گفتگوؤں کے لکھنے کا خیال تھا ، مگر میں نے دیکھا کہ اس گفتگو کو بھی لوگوں نے قلمبند کیا اور ہمارے شفیق ایڈیٹر ''پنجابی اخبار'' لاہور اور ہمارے مکرّم ایڈیٹر ''اخبار انجمن پنجاب'' نے آن کو بیش قیمت سمجھا اور اپنے اخباروں میں چھاپا - میں آن کا شکر کرتا ہوں اور آن تحریروں کو بجنسہ آن اخباروں سے نقل کرتا ہوں :

نقل از پنجابی اخبار لاہور

مطبوعہ ٦ فروری سنہ ۱۸۸۳ع

''۲ فروری کو سید احمد خاں صاحب کی خدمت میں آریا سماج کا ایک ڈیپوٹیشن پیش ہؤا - چالیس پچاس معزز ممبران سماج اس ڈیپوٹیشن میں شامل تھے - منشی جیون داس صاحب سکرٹری سماج بھی ہمراہ تھے - اس ڈیپوٹیشن کے آنے کی خبر سید صاحب کو

پہلے سے نہیں دی گئی تھی اس لیے کوئی خاص وقت ڈیپوٹیشن کے آنے کا مقرر نہ ہؤا تھا ۔ جب یہ ڈیپوٹیشن کوٹھی کے احاطے کے اندر داخل ہؤا اُس وقت سید صاحب مع اپنے احباب کے ایک معزز دوست کی ملاقات کو سوار ہوکر روانہ ہوئے تھے اور ابھی احاطے سے باہر نہ نکلے تھے کہ اس مجمع پر نگاہ پڑی ۔ نہایت گرم جوشی سے اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی روانگی ملتوی کرکے ڈیپوٹیشن کو ڈرائنگ روم میں لے گئے ۔ لالہ سنگم لال نے سید صاحب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور چند مختصر الفاظ میں اپنے ڈیپوٹیشن کا مقصد بیان کیا اور کہا کہ گو وہ عزت اور توقیر جو آپ کے یہاں تشریف لانے سے ہوئی ہے بالخصوص مسلمانوں سے متعلق ہے مگر ہمارے ملک کے اہلِ ہنود بھی ، جن کی طرف سے ہم حاضر ہوئے ہیں ، اس عزت کو اپنی طرف منسوب کرکے اُس کا فخر کر سکتے ہیں ۔ گو آپ ہندو نہیں ہیں لیکن یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں آپ جیسا رفارمر موجود ہے جو ایسی بڑی اور معزز قوم کی رفارمیشن میں ، جیسی کہ مسلمانوں کی قوم ہے ، سچے دل سے مصروف ہے ۔''

اس کے بعد لالہ سنگم لال نے مدرسۃالعلوم کے قایم کرنے اور اُس کے تعصبانہ اصول کی طرف ، جس پر مدرسہ قایم ہؤا ہے اور جس کی وجہ سے ہر ملت و مذہب کے طالب علم اُس میں داخل ہو سکتے ہیں ، اشارہ کیا ۔ پھر سید صاحب کی اُن خدمات کا ذکر کیا جو بحیثیت لیجس لیٹو کونسل کے ممبر ہونے کے اُن کی ذات سے اہلِ ہنود کے لیے ظہور میں آئیں ۔ اخیر میں لالہ سنگم لال نے سول سروس فنڈ کے متعلق یہ آرزو ظاہر کی کہ اس تجویز میں اہلِ ہنود کو بھی شامل کیا جائے ۔

سید صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ صاحبان جو تکلیف فرما کر یہاں تشریف لائے اور میری بعض خدمات کا ذکر کیا ، میں اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ آپ نے جو لفظ ہندو کا استعمال فرمایا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے ۔ پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو ، باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں ، ہندو نہیں سمجھتے (بہت زور سے چیرز) ۔ آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہوں گے کہ ہندوستان کی ترقی کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ اہل ہنود اور اہل اسلام باہم مل کر کام کریں ۔ جب تک یہ نہیں ہوگا اُس ترقی کو ، جو ایک قوم کرے گی ، ہندوستان کی کامل ترقی سے تعبیر نہیں کریں گے ، کیونکہ غیر ملک والے ہم سب کو خواہ ہم مسلمان ہوں خواہ ہندو (مجھے معاف کیجیے کہ میں بھی لفظ ہندو کو اس خاص معنی میں استعمال کرتا ہوں) ایک لفظ ہندوستانی سے نامزد کرتے ہیں اور ہماری ترقی و تنزّل علحدہ علحدہ اہل ہنود و اہل اسلام کی ترقی و تنزّل سے نامزد نہیں ہوتی ، بلکہ کل ہندوستان کی ترقی و تنزّل سے تعبیر ہوتی ہے ۔

آپ صاحبوں نے جو سول سروس فنڈ کا ذکر فرمایا ہے وہ ایک ایسی تجویز ہے جس کا ارادہ میں نے آج سے دس برس پہلے کیا تھا ۔ اُس وقت یہ تجویز ہوئی تھی کہ ایک بڑا بھاری سرمایہ اس غرض سے جمع کیا جاوے کہ بعض طالب علموں کو ، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ، بلا کسی تمیز کے ولایت میں امتحان سول سروس کے واسطے بھیجا جایا کرے ۔ اُس زمانے میں دونوں قوموں ,

ہندو مسلمانوں ، کے خیالات ایسے تاریک تھے کہ ہماری وہ تجویز نہ چل سکی اور ہم کو لاچار اس کو چھوڑنا پڑا ۔ اس دس برس کے عرصے میں مسلمانوں کے خیالات میں ولایت جانے کی نسبت بہت کچھ تبدیلی ہوگئی ہے ۔ اس وقت قریب دو سو کے میرے ایسے مسلمان دوست موجود ہیں جو انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے سے کچھ احتراز نہیں کرتے اور خدا کے فضل سے قریب بیس مسلمانوں کے اس وقت ولایت میں موجود ہیں جو مختلف امتحانات کے واسطے گئے ہوئے ہیں ۔ عورتوں کے خیالات عموماً ہر قوم میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ تاریک ہؤا کرتے ہیں مگر میں اپنی قوم کی مستورات کے خیالات سے جہاں تک واقف ہوں کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے خیالات میں بھی بہت تبدیلی ہو گئی ہے اور وہ اپنی اولاد کے ولایت بھیجنے میں کچھ تامل نہیں کرتیں ۔ اہل ہنود کے خیالات میں افسوس کہ ابھی اس قدر تبدیلی نہیں ہوئی اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ، جو اصحاب اہل ہنود ولایت سے تعلیم پاکر آئے ہیں ، اُن کی قوم نے اُن کو برادری میں شامل نہیں کیا ۔ پس ہم نے یہ حال دیکھ کر اپنی اس پرانی تجویز کو کسی قدر محدود کر دیا اور اُس بڑے سکیل سے چھوٹے سکیل پر لے آئے ۔ یہ سمجھنا کہ میرے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے یا میں اپنے ہم مذہب لوگوں کی ہی بھلائی میں کوشش کرتا ہوں ، غلط ہے ۔ ایسا خیال نہ کبھی میرے دل میں پیدا ہؤا ہے نہ کبھی آیندہ ہوگا ۔ میں دل و جان سے دونوں قوموں کے واسطے یہ تجویز کرنا چاہتا تھا مگر جب حالتِ موجودہ اس کے موافق نہ تھی تو لاچار مجھے اپنی تجویز کو کسی قدر محدود کرنا پڑا ۔ میں نے خیال کیا کہ اگر دونوں مٹھیوں کو بھرنا ممکن نہیں ہے تو فی الحال ایک ہی کو

بھرنا چاہیے ۔ لیکن اگر آپ صاحب اس اہم امر کی طرف متوجہ ہوں تو اس کا سرانجام پانا چنداں مشکل نہیں ہے ۔

لالہ سنگم لال صاحب نے بیان کیا کہ اہل ہنود میں سے تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں ۔ اور ایک نظیر بھی بیان کی کہ ایک ہندو صاحب کسی تقریب سے ولایت گئے تھے اور جب وہ واپس آئے تو آن کو بلا کسی حجّت کے ذات برادری میں شامل کر لیا گیا ۔ پس اگر آپ ہماری قوم کے لیے سعی فرمائیں تو شاید اس قدر مشکلات نہ پیش آئیں جس قدر آپ نے خیال فرمایا ہے ۔ سید صاحب نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اس قسم کی یہ اول ہی نظیر سنی ہے ۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر آپ کی قوم نے اس قدر ترقی کرلی ہے کہ وہ اپنی قوم کے کسی شخص کو ، جو ولایت میں تعلیم پا کر آیا ہو ، باوجود اس بات کے علم کے کہ وہ انگریزوں کے ساتھ کھاتا پیتا رہا ہے اور سوسائٹی کی تمام رسوم میں انگریزوں کی طرح زندگی بسر کرتا رہا ہے ، اپنی برادری میں شامل کر لیتے ہوں تو حقیقت میں وہ مشکلات جو آج سے دس برس پہلے تھیں ، رفع ہوگئیں ۔ اگر یہ بات نہیں تو وہ مشکلات دور نہیں ہوئیں ۔

سنگم لال صاحب نے ڈاکٹر لیٹنر صاحب کی اس تجویز کی طرف اشارہ کیا جو انھوں نے اہل ہنود طالب علموں کے لیے ولایت میں دھرم سالہ بنانے کی کی ہے[1] ۔ سید صاحب نے فرمایا کہ

۱- سرسید نے اگرچہ اس تجویز کو پسند نہیں کیا مگر ڈاکٹر لائٹنر نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا ۔ انھوں نے ہندوستان سے واپس جانے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے متفق نہیں ہوں ـ اگر ہماری قوم کے بچے ولایت میں جاکر ایسی تعلیم پائیں کہ آن کو آس ملک کی سوسائٹی میں شامل ہونے اور وہاں کے رسم و رواج سے آگاہ ہونے اور اپنے ملک کے تنگ و تاریک خیالات سے نجات ملنے کا موقع حاصل نہ ہو ، بلکہ ایک کوٹھری میں بند رہیں اور دنیا کی خبر آن کو نہ ہو ، تو ایسی تعلیم سے آن طالب علموں کا سمندر میں ڈوب جانا ہزار درجہ بہتر ہے ـ

سنگم لال صاحب اور آن کی پارٹی نے اس رائے کو نہایت پسند کیا اور کہا کہ اگر آپ سعی فرمائیں تو سب مشکلات رفع ہو جائیں گی ـ

سید صاحب نے فرمایا کہ میں ہر طرح آپ صاحبان کی مدد کو حاضر ہوں مگر کوئی کام بغیر روپے کے نہیں چل سکتا ـ اور یہ یقینی بات ہے کہ آپ صاحبوں کی ادنیٰ توجہ سے بہت بڑی فنڈ جمع ہو سکتی ہے ـ پس اگر اس کے ساتھ یہ خیال بھی نہ ہو کہ کس کے روپے سے کون گیا تو اس سے بہتر قومی ترقی اور باہمی اتفاق کے لیے کوئی امر نہیں ہے ، اور صاحبان ہنود کو سول سروس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷)

کے بعد لندن سے بیس میل دور ووکنگ کے مقام پر ہندو مسلمانوں سے چندہ جمع کر کے ایک دھرم سالہ اور ایک مسجد تعمیر کی ـ یہی مسجد ہے جو آج انگلستان میں مشہور اسلامی مرکز ہے اور جسے خواجہ کمال الدین مشہور مبلغ اسلام نے سر آغا خاں وغیرہ اکابرین ملت کی مدد سے حاصل کرکے وہاں اپنا باقاعدہ اسلامی مشن جاری کیا جو آج بھی قائم ہے ـ (محمد اسماعیل پانی پتی)

کی تجویز میں شامل کر لینے کا بندوبست ہو سکتا ہے ۔ اس پر سب صاحب خاموش ہوگئے اور چند متفرق امور کی نسبت گفتگو ہوتی رہی ۔ بعدہ سب صاحب رخصت ہوئے ۔ سید صاحب نے نہایت گرم جوشی سے ہر ایک سے ہاتھ ملایا اور رخصت کیا ۔''

نقل از اخبار انجمن پنجاب

مطبوعہ ۹ فروری ۱۸۸۳ء

''اسی روز برہم سماج اور آریا سماج کے ممبروں کا ایک ڈیپوٹیشن سید صاحب کے پاس گیا جن میں لالہ رام کشن صاحب سکرٹری ہندو سبھا اور لالہ جیون داس صاحب سکرٹری آریا سماج بھی شامل تھے ۔ لالہ سنگم لال صاحب نے سب کی طرف سے کچھ تقریر کی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم ممبران برہم سماج اور آریا سماج لاہور تمام ہندوؤں کی طرف سے آپ کا خیرمقدم کرتے[1] ہیں اور آپ کی اُن کوششوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو آپ نے قانونی کونسل میں اور نیز مختلف اوقات میں ہندوستان کے لیے کی ہیں ۔ اُنھوں نے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ہندو راجہ مہاراجہ ، جن سے بہت کچھ اُمید کی جاتی تھی ، ملک کے لیے خیرخواہ نہ ثابت ہوئے جس کا کہ انھیں کمال افسوس تھا ، لیکن آپ نے حب‌الوطنی کو ہاتھ سے نہ دیا اور البرٹ بل اور نیز دیگر مفید ملک تجویزوں کی کونسل میں استقلال سے حمایت کی ۔ آخر میں اُنھوں نے کہا کہ چونکہ سول سروس کی تجویز سے ہم کو پوری پوری ہمدردی ہے لیکن اگر ہندو طالب علموں کے لیے بھی اُس میں کوئی صورت نکل سکتی ہے تو وہ بہت خوشی سے اس تجویز

۱۔ اصل میں لفظ ''کہتے'' چھپا ہے ۔ (مرتب)

کے لیے چندہ دیں گے ۔

اس کے جواب میں سید صاحب نے شروع میں اس بات پر کسی قدر افسوس ظاہر کیا کہ اہلِ ہنود صاحبان صرف اپنے تئیں ہندو یعنی باشندۂ ہند خیال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اجنبی خیال کرنے لگتے ہیں ، حالانکہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ہندو یعنی اہلِ ہند کے خطاب کی مستحق ہیں ۔ صاحبو ! وہ زمانہ اب نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھے جاویں ۔

اُس کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ ہندو صاحبان کی یہ کسر نفسی ہے جو وہ خیال کرتے ہیں کہ اُن میں اب کوئی بڑا ہمدرد اور ملک کا خادم نہیں رہا ہے ۔ کیونکہ جس قدر سول سروس پاس کردہ دیسی صاحبان ہندوستان میں موجود ہیں اور جن کو ہندوستان کا فخر سمجھنا چاہیے وہ سب ہندو ہیں اور اُن کی تعداد ایک درجن کے قریب ہے ، اور اس میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جن کو ضلع کے تمام اختیارات سپرد ہیں ۔ سید صاحب نے نہایت مؤثر الفاظ میں آنریبل بابو کرسٹو داس پال ایڈیٹر ''ہندو پیٹریٹ،، کی تعریف کی اور کہا کہ وہ کون شخص ہے جس نے باوجود اصرار حضور ویسرائے کے اور مختلف جلسوں میں سمجھانے کے آخر دم تک یہ کہا کہ البرٹ بل کا موجودہ شکل میں پاس ہونا ہندوستانیوں کے لیے بے انصافی ہے — وہ کرسٹو داس پال ہے ۔

ضمن سول سروس کی بابت سید صاحب نے فرمایا کہ ہم نے کسی ایسے خیال سے یہ تجویز نہیں کی ہے کہ ہندو طالب علموں

کو اُس سے فائدہ نہ پہنچایا جاوے ، بلکہ میں نے اپنی تمام عمر میں کبھی ایسے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی اور خدا ایسا نہ کرے کہ اس قسم کا خیال کبھی میرے دل میں آئے ۔

سید صاحب نے فرمایا کہ یہ تجویز ایک بڑے ''سکیل'' پر دس برس کے قریب گزرے کہ قایم ہوئی تھی ۔ اُس وقت کے قواعد کے بموجب ہندو اور مسلمان دونوں مذہب کے طلبا کو ولایت بھیجنے کا منشا تھا ۔ لیکن اس وقت مسلمانوں اور ہندوؤں نے عموماً اس تجویز کو ناپسند کیا اور کہا کہ جو شخص ولایت جائے گا وہ بالکل برادری سے خارج کیا جائے گا ۔ ایک صرف راجہ جے کشن داس صاحب بہادر رئیس بجنور نے اس تجویز کو پسند کیا تھا ۔ اُس وقت سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آہستہ آہستہ اس بات کی ترغیب دی گئی اور اس کے فوائد سے ان کو آگاہ کیا گیا ۔ اب ان دس سالوں میں کم سے کم دو سو مسلمان ہمارے ملک مغربی و شمالی میں موجود ہیں جو یورپین صاحبان کے ساتھ کھانا کھانے کو اور میل جول کو برا نہیں سمجھتے اور عمل میں لاتے ہیں ۔ سب سے پہلے میں نے اپنے لڑکوں کو ولایت بھیجا اور خود گیا اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اس بات کی ترغیب دی اور الحمدللہ کہ وہ کوشش کارگر ہوئی اور اب بیس تیس طالب علم ولایت میں موجود ہیں اور پڑھتے ہیں ۔ لیکن افسوس کہ ہندو صاحبان سوائے بنگالی صاحبان کے ابھی تک انھی اوہام میں مبتلا ہیں ۔ بلکہ ایک دو رئیس زادے ، جو ولایت گئے ، تو ان کو برادری سے خارج کیا گیا اور ان کی زندگی خراب ہوگئی ۔ اور بعض نے اپنے مربیّوں کے کہنے سے رسمِ کفارہ بھی ادا کی جو ان کے آزاد خیالات کے شایاں نہ تھی ۔

سید صاحب نے فرمایا کہ اس قسم کے خیالات سے اس مرتبہ
اُس سکیل کو چھوٹا کیا گیا اور صرف مسلمانوں کے لیے یہ تجویز
قرار دی گئی جو یورپین لوگوں سے میل جول کو ناپسند
نہیں کرتے ۔

اس پر لالہ سنگم لال نے ڈاکٹر لائٹنر صاحب بہادر کی وہ
تجویز پیش کی جس کی بابت ہمارے اخبار میں نہایت شرح و بسط کے
ساتھ لکھا جا چکا ہے ۔ اور کہا کہ اگر کوئی ایسا وسیلہ بہم
پہنچایا جائے جس سے ولایت میں دیسی شرفا کی تعلیم ایسے طور
پر ہو سکے کہ اُن کی مذہبی رسوم میں فرق نہ آوے ، اور سردار
ٹھاکر سنگھ کی نظیر پیش کی کہ وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ صاحب
کے بلانے سے ولایت گئے تھے اور وہاں سے آنے پر اُن کو برادری
نے خارج نہیں کیا ۔

اس کے جواب میں سید صاحب نے ڈاکٹر لائٹنر صاحب بہادر کی
تجویز سے اپنی نااتفاقی ظاہر کی اور سردار ٹھاکر سنگھ صاحب کی نظیر
سے ناواقفیت ظاہر فرمائی ، اور فرمایا کہ اگر ایسے ہندو طالب علم
موجود ہوں جن کو برادری سے خارج ہونے کا خوف نہ ہو اور
ہندو صاحبان چندہ فیاضی سے دیں تو اُن کے لیے ایک رقم مسلمانوں
کی رقم سے بھی زیادہ چند روز میں (جمع) ہو سکتی ہے ۔ اور اگر ہندو
صاحبان کو یہ خیال نہ ہو کہ کس کے روپے سے کون جاتا ہے
اور اسی طرح مسلمان بھی سمجھیں تو میں چندہ آپ صاحبوں کا بھی
نہایت خوشی سے قبول کرنے کو تیار ہوں ۔ اور جن دوستوں نے
موجودہ شکل میں محض سول سروس کے لیے ہم کو چندہ لینے کے
لیے مجبور کیا ہے اور در صورت نہ قبول کرنے کے ناراضی ظاہر

فرمائی ہے آن کا چندہ شکریے کے ساتھ لیا گیا ہے ۔ غرض کہ سید صاحب نے ممبران برہمو و آریا سماج کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ مدن سول سروس سے اگر ہندو صاحبان فائدہ نہ اٹھا سکیں تو آن کے اوہام اور رسوم مذہب کا باعث ہے ، مسلمانوں کی طرف سے کوئی روک نہیں ہے ۔ اور اگر ہندو طالب علم برادری سے خارج ہونے کی پرواہ نہ کریں اور ہندو صاحبان فیاضی سے کافی چندہ دیں تو وہ آن کے واسطے بھی بندوبست کرنے کو تیار ہیں ۔

اس کے بعد ایک ممبر نے دریافت کیا کہ مدن سول سروس کو عمل میں لانے کا کیا طریقہ قرار دیا گیا ہے ؟

جس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ یہ بات قرار پا چکی ہے لیکن ابھی عام طور پر مشتہر نہیں ہوئی کہ جب اس قدر روپیہ جمع ہو جائے گا کہ ایک طالب علم کے ولایت میں تعلیم دلانے کے لیے کفی ہووے اُس وقت ایک مقابلے کا امتحان لیا جائے گا اور جو کسی مقررہ جگہ پر ، مثلاً علی گڑھ یا الہ آباد یا کسی اور جگہ ہوگا ، اور اُس میں تمام ہندوستان میں سے خواہ مدراس ، بمبئی ، بنگال وغیرہ میں سے ہر طالب علم شامل ہو سکے گا جس کی عمر ۱۷ برس سے زیادہ نہ ہو ، اور تین مضمون میں امتحان لیا جائے گا۔ یعنی ریاضی ، انگریزی اور عربی میں ۔ اور یہ مضمون اس لیے منتخب کیے گئے ہیں کہ انگریزی کی ضرورت میں کسی کو کلام نہ ہوگا ، اور ریاضی ایسا مضمون ہے جس میں دیسی اور یورپین طلبا برابر رہ سکتے ہیں ، اور عربی اس لیے کہ یورپین طلبا یونانی یا لاطینی زبانیں لیتے ہیں اور آن میں آن کا مقابلہ مشکل ہے ۔ عربی دیسی طلبا کے لیے بمقابلہ یورپین طلبا کے آسان ہے ۔ ان مضامین میں یورپین

طلبا کا مقابلہ دیسی طالب علم اچھی طرح کر سکیں گے ۔ اور جو شخص اول نکلے گا وہ اُس روپے سے بھیجا جاوے گا ۔ لیکن کمیٹی اُس طالب علم کے مربیّوں سے پہلے دریافت کرے گی کہ وہ کسی قدر مدد کر سکتے ہیں یا نہیں ۔ اور جس قدر وہ مدد کر سکیں وہ رقم اُن سے وصول کی جائے گی اور ولایت میں ایک ایجنٹ کے پاس وہ رقم جمع کی جائے گی اور اُس کو اختیار دیا جائے گا کہ جب تک وہ طالب علم ولایت میں رہے اور تعلیم حاصل کرے اُس کو ایک مقررہ رقم ماہوار اُس کے گزارے کے لیے دی جائے۔

اُس کے بعد یہ سوال کیا گیا (جو کسی قدر فضول تھا کیونکہ مدرسۃالعلوم کا دستورالعمل منگانے سے وہاں کے تمام قواعد سے آگاہی ہو سکتی ہے) کہ آیا مدرسۃالعلوم میں سنسکرت لازمی ہے یا نہیں ؟ اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ مدرسۃالعلوم میں نہ سنسکرت لازمی ہے نہ عربی اور نہ فارسی ۔ ان تینوں میں سے کوئی سی زبان سیکنڈ لینگوج کے طور پر لی جا سکتی ہے ۔

ایک اور موقع پر ایک عیسائی نوجوان نے سوال کیا کہ آیا مسلمانوں کی طرح کوئی عیسائیوں کے لیے بھی عبادت گاہ مدرسۃالعلوم میں موجود ہے ؟ اس سوال کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ وہاں پر ہندو ، مسلمان ، عیسائی سب طلبا کے لیے یکساں آرام موجود ہے ۔ وظائف میں کسی طرح کا فرق نہیں کیا جاتا اور کسی طرح کا فرق نہیں ۔ اگر ہے تو یہ ہے کہ مسلمان طلبا پر نماز فرض ہے اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے لیے اختیاری ہے ، خواہ عبادت کریں یا نہ کریں ۔ مدرسۃالعلوم کے احاطے میں بہت سے پیپل کے درخت کھڑے ہیں ، جس کا جی چاہے پرستش کرے یا

اپنے کمرے میں ہر شخص پوجا کر سکتا ہے ۔ اسی طرح عیسائی بھی اپنے کمرے میں نماز پڑھ سکتا ہے ۔''

میں نے چاہا تھا کہ سید صاحب ان دونوں اخباروں کو دیکھ کر جس سلسلے سے تقریر ہوئی ہو اور دونوں اخباروں میں جو مضمون ہیں اُن سب کو حاوی ہو ، تحریر فرماویں تو بہتر ہے مگر اُنھوں نے انکار کیا اور کہا مجھے یاد نہیں ۔ اس لیے دونوں اخباروں میں جو مضمون چھپے تھے دونوں کو نقل کر دیا ہے ۔ دونوں کے ملانے سے کل تقریریں ، جو جلسے میں ہوئیں ، معلوم ہو سکتی ہیں ۔

دوسری فروری کو وقتِ شب جناب مسٹر پارکر صاحب بہادر نے سید صاحب کے لیے یونیورسٹی ہال میں ایک ایوننگ پارٹی کا ہونا قرار دیا تھا ۔ سید صاحب سے بعض بزرگوں نے کہا کہ اُس ایوننگ پارٹی میں یہ بھی قرار پایا ہے کہ جناب مولوی فیض‌الحسن صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب آزاد اور مرزا عبدالغنی صاحب ارشد کچھ اپنے اشعار سید صاحب کے سامنے پڑھیں گے ۔ سید صاحب ایسے موقع پر اشعارِ مدحیہ کا پڑھا جانا نہایت ناپسند کرتے تھے ۔ اُنھوں نے یہ بھی فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد اگرچہ بلحاظ علم و فضل میرے مخدوم و مکرّم ہیں مگر بلحاظ اُس ارتباط کے جو اُن کے دادا صاحب کو سید صاحب کے والد سے تھا ، اور بلحاظ اُس برادرانہ اخلاص کے جو خود سید صاحب اور والد مولوی محمد حسین صاحب سے تھا ، وہ اُن کو اپنا ایک چھوٹا عزیز سمجھتے ہیں ۔ اگر وہ اُن کے سامنے کچھ اشعار پڑھیں تو کچھ مضایقہ نہیں مگر مولوی فیض‌الحسن صاحب کی

نسبت کہا کہ میں آن کو اپنا آستاد سمجھتا ہوں ۔ میں نے ان سے ایک کتاب مسمی ''منار اصول'' فقہ کی اور چند مقالے ''مقامات حریری'' کے پڑھے ہیں ۔ مجھ کو ہرگز گوارا نہیں ہونے کا کہ وہ میرے سامنے اس طرح پر اپنے اشعار پڑھیں ۔

سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اگر ایسا موقع ہوا تو اس مجمع میں سید صاحب مولوی فیض‌الحسن صاحب کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیں گے اور کہیں گے کہ آپ کرسی پر بیٹھیں اور میں آپ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں ۔ میں ان سبقوں کو بھول نہیں گیا ہوں جو آپ نے مجھے پڑھائے ہیں ۔ سید صاحب ضرور ایسا ہی کرتے کیونکہ انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا مگر اس پارٹی میں مولوی فیض‌الحسن صاحب کسی سبب سے تشریف نہیں لائے اور ایسا کرنے کا موقع نہیں ملا ۔

اگر میری معلومات میں غلطی نہیں ہے تو غدر کے تھوڑے زمانے بعد سے اُس وقت تک کہ جناب مولوی صاحب پنجاب میں تشریف لےگئے، سید صاحب مولوی صاحب کے ساتھ ہمیشہ اس طرح پیش آئے جیسا کہ ایک دوست دوست سے پیش آسکتا ہے ۔ سائنٹفک سوسائٹی ، جو سید صاحب نے قایم کی ہے ، جب تک کہ مولوی صاحب پنجاب میں تشریف لائے ، ان کو تعلق ملازمت اس سوسائٹی سے تھا ۔ ان کے پنجاب آنے میں بھی سید صاحب کا کچھ کم حصہ نہ تھا ۔ مگر ہم کو پندرھویں فروری سنہ ۱۸۸۳ع کے اخبار ''شفاءالصدور'' کے دیکھنے سے ، جو لاہور سے عربی زبان میں نکلتا ہے اور جس کو مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں ، نہایت تعجب ہوا کہ سید صاحب کی جو تعظیم و تکریم پنجاب میں ہوئی

اس سے جناب مولانا صاحب کو کیوں رنج ہؤا ۔ انھوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ قبول ایک امر خدا داد ہے ، علم و فضل پر موقوف نہیں ہے ۔

میرا ارادہ نہیں تھا کہ میں ایسی بیہودہ باتوں کا اپنے رسالے میں ذکر کروں ، مگر میں نے کہا کہ ہرگاہ اس رسالے میں میں وہ سب باتیں لکھتا ہوں جو اس سفر میں واقع ہوئی ہیں ، تو شاید ناانصافی ہوگی اگر میں صرف دوستوں کی باتیں لکھوں اور دشمنوں کی باتوں کو چھوڑ دوں ۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب دشمن کی باتیں لایعنی ہوتی ہیں تو خود اس شخص کی ، جس کی نسبت کہی گئی ہیں ، قدر و منزلت زیادہ ہو جاتی ہے ۔ دشمن کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ جناب مولوی صاحب ممدوح بنی امیہ کے خاندان سے ہیں اور میں صاحب اہل بیت رسولؐ سے ۔ غرض کہ جو کچھ جناب مولوی صاحب ممدوح نے اس اخبار میں لکھا ہے بجنسہ اس مقام پر نقل کرتا ہوں :

نقل اخبار شفاءالصدور

مطبوعہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۸۴ع

''انی لا اذکر شیئاً من الامور فی ھذا الاخبار الا مارأیت بعینی اوسمعت باذنی علی توثق اویستفاد من الاخبارات الجاریۃ فی البلاد والامصار اذا کان ممایجوزہ العقل السلیم والطبع المستقیم فمن ذلک مارأیتہ وما سمعتہ من تعظیم السید احمد خان فی الفنجاب حیث عظمہ و بجلہ اھل الفنجاب لما انھم استقبلوہ و احبوا بہ و قدموا الیہ النذور والتقادم وتلوا علیہ ماکتبوا لہ والیہ وایدوا مدرستہ بالانفس والاموال

ولم یکن ذلک الا لاعتقادهم فیہ و تصدیقهم ایاہ فیما قال او یقول و واللہ لو ادعی ا لولایة و الامامة بل النبوۃ بل الالوهیة لصدقوہ بالقلب و اللسان ولامنوا بہ و اذعنوا لہ غایة الاذعان ولکنہ لم یدع الولایة لما انہ لا یعد الولایة شیئاً ولا النبوۃ لما انہ لایعد تصدیق النبی ضروریا فی الاسلام ولا الالوهیة لتنافی الظاهر بین البشریة والالوهیة ـ وهؤلاء المعتقدون رجال اذجاءهم دجال من الدجالین الذین یاتون قبل القیام کما اخبر بہ النبی صلعم یصدقوہ باللسان والجنان ان رغبهم فی منافع الدنیا شیئی یعتد بہ لاغیر لیسوا سواء فمنهم من امن بہ ومنهم من کفر و من یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لها ـ ویستفاد من "افتاب الفنجاب" المطبوع فی ثلاثین من الشهر الماضی ان الهنود ایضاً ایدوا مدرسة العلوم المذکورة بشیٔ من المال ـ و اعترض علیهم هندکی بان المسلمین الذین هم فی سائر بلاد الهند لم یاتوا من العرب، بل الاصل ان اباءهم واجدادهم کانوا هنودا فی الاصل فاسلموا خوفا علی انفسهم و اموالهم فتسلط المسلمون علیهم حتی اخذوا نساء الهنود و ضیعاتهم واموالهم وهدموا معابدهم وبنوا المساجد علیها وکسروا اصنامهم وذللوها ـ فان کانت لهم قوۃ و منعة کما کانت لهم فی العهد الماضی هدموا المعابد وکسروا الاصنام ـ والهنود قوم لاعقل لهم ولاشعور ولا یتدبرون فی المنافع والمضار ـ فمن قال لهم ما نطرت بہ انفسهم و خدعتهم بادنی شیئی فهم یتخدعون بہ ولایعلمون ان من یتعلم فی تلک المدرسة من المسلمین یکون کمثل اسد و یصید من الهنود کما صادهم من قبلهم و اذا کان الامر کذلک فلابد للهنود ان یقیموا مدارسهم الدینیة ویبذلوا فیها انفسهم واموالهم انتهی ـ اقول ولعل هذا الهندکی لایعلم حقیقة مدرسة العلوم المذکورة فانها لایدرس فیها ماینافی

دین الہنود حیث منافعہا مقصورة علی منافع الدنیا وهی اکبر همہم ولذلک ایدها من ایدها من الہنود ولوکانت تلک المدرسة کمدارس بلادنا سلمہا الله تعالیٰ من الشرور والافات لما اعطی ہندکی شیئا قلیلا فی امدادها کما هو مجرب مشاهد علی ان مدرسة العلوم لیست مختصة بتعلیم اهل الاسلام حتی یخاف منہا بل یتعلم فیہا الہنود والمسلمون مایفید الدنیا و یبید الدین و ذلک لشیوع تعلم اللسان الانکریزی فیہا واعتقادهم ان سبب الرزق منحصرفیه و ان کل کمال من کمالات الانسان لایبلغ مرتبة من المراتب العالیة الا به حتی زعمه من صرف برهة من عمره العزیز فی العلوم العربیة ثم تعلق بتلک المدرسة منذ مدة یسیرة اللہم اعذنی من وساوس الشیطان وهمزاته ۔''

پھر ایک جگہ اس طرح پر لکھتے ہیں اور جو کچھ اخبار ''انجمن پنجاب'' میں لکھا ہے اس پر بلا خیال اپنے طریقے کے اور اپنی حالت نفس کے تفریح فرماتے ہیں :

''وفی اخبار الانجمن المطبوع ثانی هذا الشہر نقل ماکتبه البعض علی الغیرة و حاصله ان الغیرة مفقودة فی اهل الاسلام فی زماننا و قد کانت حاصلة لہم فی القرون الماضیة و نقل شیئا من احوال السلاطین السابقین کالب ارسلان والسلطان صلاح الدین وعد من باب الغیرة التطہیر النبی صلعم بیت الله من الاصنام ثم کتب فی آخر مکتوبه انه یکفینا نظیراً و مثالا هذا الشیخ السید الکبیر الذی هو مقیم فی علیگرہ ولم یذکر من غیرته شیئا لیعلم انه نظیر و مثال واضح فی باب الغیرة الا انه غار علی الہنود الذین اکبر همہم الدنیا وما فیہا فالقی المسلمین فی تحصیل اسباب الدنیا ، فلعل مراد

هذا الکاتب من الغیرة تلک الغیرة ۔''

آس کے بعد لاہور میں جو کوئی مسجد بنتی ہے آس کی امداد میں لوگوں کو ترغیب دیتے وقت یوں ارقام فرمایا ہے :

''والمرجو من مسلمی ھذہ البلدة ان یبذلوا مساعیھم فی تعمیر ھذا المسجد الجدید کما بذل اھل بلادنا فبنوا مدرسة سھارنفور و مسجدہ الجامع و مدرسة دیوبند و مسجدہ الجامع ولو بذل سادات ھذہ البلدة اموالھم و انفسھم کما انھم بذلوا للسید احمد خان لکان لھم اجر عظیم ولکن اللہ یھدی من یشاء ۔ و اما اھل بلادنا فلم یاخذوا و لم یقبلوا ما وعدھم ھذہ المخدوم ان یعطی فی مدرستھم فضلاً ان یعطوا فی مدرسته و ان لم یکن عندی عیب و عار ان قبلوا ذلک و لعل وعدہ کان لھم من جھتی لا من جھتھم و ذلک لان بینی و بینه ربطا و ضبطا من قدیم و انا اعلم به و ھو اعلم بی و ان لی علیه حقا معلوما و ھو معترف به و ذلک من جودة اصله و شرافة نسله ۔''

اس تحریر سے جو امر باعث رنج مولوی صاحب ہوا ہے ظاہر ہو گیا ہے کہ پنجاب کے لوگوں نے آن کی قدر و منزلت نہیں کی اور ان کو چندہ نہیں دیا ۔ اخیر کو مولوی صاحب نے نسبت شرافت نسل سید صاحب لکھا ہے ۔ ایں ہم غنیمت است ، ہم آسی کا شکر ادا کرتے ہیں ۔

افسوس ہے کہ بیچ میں یہ ایک فضول جملۂ معترضہ آ گیا ۔ اب میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ رات کے وقت سید صاحب مع اپنے سب ہمراہی دوستوں کے ایوننگ پارٹی میں تشریف لے گئے ۔ سینٹ ہال پنجاب یونیورسٹی کا ، جہاں ایوننگ

پارٹی تھی ، نہایت خوبصورتی سے آراستہ تھا - بینڈ باجا موجود تھا جس نے سید صاحب کے آنے اور جانے کے وقت مبارک باد دی -

اس پارٹی میں لاہور کے قریباً تمام رئیس اور تعلیم یافتہ اشخاص شامل تھے - یورپین صاحبان بھی موجود تھے لیکن ہندوستانی صاحب کثرت سے تھے - جب سید صاحب وہاں پہنچے تو جناب مسٹر پارکر صاحب بہادر اُن کو استقبال کر کے لے گئے اور جناب مسٹر سانم صاحب بہادر ایم - اے پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور کو انٹروڈوس کیا اور اسی طرح اور صاحبان کی سید صاحب سے ملاقات کرائی - سو آدمی کے قریب اس پارٹی میں شریک تھے -

سینٹ کے مکان کی آرائش بھی قابل دید تھی - ہندو ، مسلمان ، یورپین سب صاحبان کے لیے سامان دعوت بھی نہایت نفیس تھا - برآمدے میں بینڈ باجا بج رہا تھا - کوئی کسی سے ملتا تھا ، کوئی دو شخص بیٹھے باتیں کر رہے تھے ، دوسری طرف دو چار دوست مل کر قہقہے اُڑاتے تھے ، کوئی چائے پیتا تھا ، کوئی کچھ میوہ کھاتا تھا - غرض کہ سب کو بجز ہنسی اور خوشی اور آپس میں محبت سے ملنے اور بات چیت کرنے کے کچھ کام نہ تھا -

اسی جلسے میں مولوی محمد حسین[1] صاحب آزاد نے اپنے پرانے تصنیف کیے ہوئے اشعار ، جو انگریزی پوئٹری ''اکسلسیر'' کا ترجمہ تھے اور جن میں ترقی کرنے کی ہمت دلانے کا مضمون ہے ، پڑھے جس کا ترجیع بند یہ تھا :

آہستہ سر اُٹھا کے کہا ہاں بڑھے چلو

۱- اصل میں ''مولوی سید محمد حسین'' چھپا ہوا ہے جو ظاہر ہے غلط ہے - (ادارہ)

سید صاحب نے مولوی صاحب کے کلام کی تعریف نہایت برجستہ الفاظ میں کی اور کہا کہ ان کی شستگی زبان کی کیا تعریف ہوسکتی ہے ؟ ہمارے ہی دلی کے ہیں ۔ مسٹر پارکر صاحب نے فرمایا کہ نہیں پنجاب کے ۔ سید صاحب نے کہا کہ ہاں پنجاب کی خوش قسمتی ہے جو اس نے چھین لیا ہے مگر ہیں تو ہماری دلی ہی کے ۔

اس کے بعد مرزا عبدالغنی صاحب ارشد تخلص نے ، جو خاندان شاہزادگان دہلی سے ہیں ، سید صاحب کے ولکم میں اپنے جدید تصنیف کیے ہوئے اشعار پڑھنے شروع کیے ۔ اس وقت سید صاحب کو کھڑے ہوئے دیر ہوگئی تھی اور جب سید صاحب کی تعریف آتی تھی تو سید صاحب کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ شرمندہ ہوتے ہیں اور اس کو پسند نہیں کرتے ۔ اس بات کو مسٹر پارکر صاحب نے خیال فرماکر مرزا صاحب کو اشارہ کیا کہ اب ختم کر دیں ۔ مگر میں نے سنا کہ بعد کو مسٹر پارکر صاحب نے مرزا صاحب کے کلام کی تعریف کی اور ان سے کہا کہ آپ برا نہ مانیں ۔ میرے نزدیک سید صاحب کو زیادہ تکلیف دینی مناسب نہ تھی ۔

مرزا صاحب کو شاید افسوس ہوا ہوگا کہ ان کا پورا کلام نہیں پڑھا گیا مگر میں اس کی تلافی کرتا ہوں اور ان کا پورا کلام اس رسالے میں لکھ دیتا ہوں کہ ہمیشہ کو یادگار رہے گا و ھو ھذا :

آگیا وہ سید والا ہمم
قوم پر جس نے کیا لطف و کرم

کس کے استقبال کو جاتے ہیں ہم
گا رہے ہیں یہ ہی نغمہ دم بدم

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

خیر مقدم اے حکیمِ درد مند
خیر مقدم نیک خو ، نیکی پسند
قوم غم میں ہو چلی تھی پائے بند
دستگیری کر ، نہیں پہنچے گزند

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

مرحبا تشریف لانا آپ کا
حبّذا لاہور آنا آپ کا
قوم کو لکچر سنانا آپ کا
فرض ہم پر گیت گانا آپ کا

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

اے رسول اللہؐ کے لختِ جگر
اے بتولِ پاک کے نورِ بصر
اے مسلمانوں کے بوڑھے راہبر
ہم سبھوں کو لانے والے راہ پر

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

اے سول سروس کے خواہاں مرحبا
مغربی علموں کے جویاں مرحبا
حامیِ قوم مسلماں مرحبا
سب یہی کہتے ہیں ہر آں مرحبا

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

آپ کا سی۔ ایس۔ آئی ہے خطاب
ہو علی گڑھ کے تمہی تو آفتاب
قوم کی حالت بہت کچھ ہے خراب
ہاں مدد فرماؤ اے عالی جناب

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

تھی بہت امیدواری آپ کی
تھی بہت کچھ انتظاری آپ کی
ہمارے اب آئی سواری آپ کی
قوم ہے ممنون ساری آپ کی

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

ہاں بہت کچھ غم سے تھی بیمار قوم
ہوگئی تھی عاجز و ناچار قوم
آپ آئے ، ہو گئی ہشیار قوم
تھینک یو کہتی ہے سو سو بار قوم

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

اولڈ فیشن نے ستایا ہے بہت
نیچری کہہ کر رلایا ہے بہت
کافر و ملحد بنایا ہے بہت
اب تو سید تیرا سایہ ہے بہت

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

ہو جوادالدولہ عارف جنگ تم
ہو بہت ہی صاحبِ فرہنگ تم
قوم کی حالت نہ دیکھو تنگ تم
بہتری کی کچھ کرو آہنگ تم

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

اے مرے دلی کے دل، والا تبار
اے مرے ہندوستاں کے افتخار
آپ کے ہمراہ جو ہیں چار یار
آن پہ ہو میرا سلام اور چار بار

ولکم اے عالی جنابِ ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

آئیے حضرت سلامت ، آئیے
قوم کی حالت نظر فرمائیے

جلد صحت کی دوا بتلائیے
یہ مبارک باد لیتے جائیے
ولکم اے عالی جناب ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

خیر خواہ ملک و ملت زندہ باش
باہمہ خوبی و صحت زندہ باش
زندہ باش اے نیک طینت زندہ باش
برسر ما تا قیامت زندہ باش
ولکم اے عالی جناب ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

آپ نے جو رات کو تقریر کی
اس میں بس اُلفت کی اک تاثیر تھی
اٹھ گئی ذہن مخالف سے دوئی
آنکھ میں بالکل سمائے آپ ہی
ولکم اے عالی جناب ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

پارکر صاحب بہادر آپ کو
رات دیتے تھے مبارک باد، لو
میہاں کی خوب سی خاطر کرو
پارٹی کا شکریہ سن کر کہو
ولکم اے عالی جناب ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

گر نہ ہوتا آپ سا یاں میہماں
اور صاحب سا نہ ہوتا میزباں
پوچھتا تھا کون ارشدکو یہاں
آپ کا ہے شکر کرتا ہر زماں

ولکم اے عالی جناب ذی حشم
سید احمد خاں بہادر ویلکم

غرض کہ اسی طرح لطف و خوبی سے یہ جلسہ وقتِ معیّن پر ختم ہؤا - سید صاحب جناب مسٹر پارکر صاحب سے رخصت ہوئے اور ان کی عنایت کا ، جو ایک ایسی عنایت تھی جس سے آپس میں محبت و اخلاص و دوستی کی ترقی متصور تھی ، شکر ادا کیا - جب سید صاحب سوار ہوئے بینڈ باجے نے سلامی دی -

تیسری فروری سنہ ۱۸۸۴ع کو بارہ بجے گورنمنٹ اسکول میں انڈین ایسوسی ایشن لاہور اور انجمن اسلامی لاہور کی جانب سے سید صاحب کی خدمت میں ایڈریسوں کا پیش ہونا اور اُس کے بعد سید صاحب کا ایک لیکچر دینا قرار پایا تھا اور اُسی شام کو اسلام پر لیکچر دینا سید صاحب نے دوستوں کے اصرار سے منظور کر لیا تھا - اگرچہ اکثر لوگوں کو خیال ہؤا کہ ایک ہی دن میں ان سب کاموں کا ہونا دشواری سے خالی نہ ہوگا اور کچھ نہ کچھ مشکل پیش آوے گی مگر یہ تجویز قرار پا چکی تھی اور اُس کی تبدیلی دشوار بلکہ قریب ناممکن کے تھی اور اسی سبب سے اس میں کچھ تبدیلی نہ ہو سکی -

وقتِ معیّنہ سے کچھ پہلے شیخ غلام حسن صاحب اور

مولوی مرزا فتح محمد صاحب سید صاحب کی خدمت میں بطور استقبال کے آئے اور گورنمنٹ اسکول میں تشریف لے چلنے کی درخواست کی - سید صاحب مع اپنے ہمراہی دوستوں کے روانہ ہوئے - جب سید صاحب کی گاڑی گورنمنٹ اسکول کے دروازے پر پہنچی تو جناب سردار دیال سنگھ بہادر ، ڈاکٹر رحیم خاں بہادر ، خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب ، منشی فضل شاہ صاحب ، بابو پرتول چند صاحب ، رائے صاحب بابو کالی پرشیوا صاحب ، منشی گوپال داس صاحب ، پنڈت امر ناتھ صاحب ، رائے بہادر ڈاکٹر برج لال صاحب گھوس نے استقبال کیا اور سید صاحب کو گورنمنٹ اسکول کے بڑے ہال میں لے گئے - اس ہال میں ایک جمِّ غفیر اور مجمع کثیر لوگوں کا ہوگیا تھا - افسوس ہے کہ لاہور میں ٹکٹ کے تقسیم کا قاعدہ اختیار نہیں کیا گیا تھا اور نیچے کی منزل میں اور اوپر کی منزل میں اس قدر ٹھساٹھس آدمی بھر گئے تھے کہ لوگوں کو جنبش کرنے کی بھی جگہ نہ تھی - چیر پھاڑ کر اور لوگوں کو ہٹاکر ہم سب لوگ اپنی کرسیوں تک پہنچے - سید صاحب جب ہال میں داخل ہوئے سب لوگوں نے چیرز دی اور ہال میں صدائے عظیم گونج اٹھی - جناب مسٹر پارکر صاحب مع چند یورپین صاحبان کے تشریف لائے تھے - ہجوم خلائق سے ایسی تنگی ہوگئی تھی کہ صاحبانِ ممدوح نے جس طرح ممکن ہوا ہال سے نکل جانا اور اپنے گھر چلا آنا وہاں ٹھہرنے سے بہتر سمجھا -

سب سے اول انڈین ایسوسی ایشن لاہور کی جانب سے ایڈریس کا پیش ہونا قرار پایا تھا - ایڈریس انگریزی میں تھی - جناب سردار دیال سنگھ بہادر پریسیڈنٹ انڈین ایسوسی ایشن لاہور اس ایڈریس کو پڑھنے اور پیش کرنے کے لیے اپنی کرسی پر سے

آٹھے مگر ہال میں غل ایسا تھا کہ آن کو توقع نہ تھی کہ کوئی سن سکے گا - چند منٹ آنھوں نے تامل کیا اور لاچار آسی غل میں آنھوں نے پڑھنا شروع کیا - وہ ایڈریس بہت کم سنائی دی - یہاں تک کہ جو لوگ قریب تھے وہ بھی بخوبی نہیں سن سکے - پڑھنے کے بعد وہ ایڈریس خریطۂ زرین میں سید صاحب کے پیشکش کیا گیا - سید صاحب نے نہایت احسان مندی سے آس کو لیا اور آسی غل میں آس کا جواب آردو زبان میں دیا - ہر چند سید صاحب نے بہت بلند آواز سے جواب دیا لیکن سوائے آن لوگوں کے ، جو قریب تھے ، بہت لوگوں کو وہ جواب سنائی نہ دیا -

شام کو سید محمد علی صاحب نے انگریزی میں آس جواب کا ترجمہ کرکے پریسیڈنٹ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا - ''ٹریبیون'' اخبار لاہور میں وہ جواب مع مختصر ریمارک کے چھپا ہے - چنانچہ ہم اس مقام پر انڈین ایسوسی ایشن کی انگریزی ایڈریس اور آس کا آردو ترجمہ اور سید صاحب کا آردو جواب اور آس کا انگریزی ترجمہ اور ''ٹریبیون'' کا ریمارک اور آس کا آردو ترجمہ مندرج کرتے ہیں :

ADDRESS FROM THE INDIAN ASSOCIATION, LAHORE.

TO

THE HON'BLE SYED AHMED KHAN BAHADUR, C.S.I.

Hon'ble Sir,

We, the members of the Indian Association of Lahore, beg to welcome you to our city with our best

wishes and most distinguished sentiments.

Your noble exertions to improve the condition of the Mahomedan population of India and to diffuse the blessings of knowledge and enlightenment among them, and the brilliant success you have been able to achieve in this direction, mark you out as one of the most meritorious of our public men, and deservedly entitle you to the esteem and gratitude of all classes of the Indian people. Our Association, composed of members of all races and creeds in this Province, have much pleasure in bearing testimony to the high character of your services to the public and in expressing their sense of the benefits you have conferred on the country.

Not the least remarkable feature of your public career has been the breadth of your views and your liberal attitude towards sections of the community other than your co-religionists. Your conduct throughout has been stainless of bias or bigotry. The benefits of the noble educational institution you have established at Aligarh are open alike to Hindus as well as Mahomedans. Our unhappy country is so split up with petty religious and sectarian jealousies and had suffered so much in the past from sectarian and religious dissension, that the advent of a man of your large-hearted and liberal views is a matter of peculiar congratulation at this time. Long may you be spared to inculcate knowledge among Mahomedans and Hindus alike, and, by eradicating prejudice and bigotry from their minds, to unite them in the firm bonds of fraternal union.

Your highly useful career in the Legislative Council of India can only be touched upon here. Your impartial care for all classes, your manly and faithful representation of national views and your vigilant regard for national interests, while acting in that body, deserve the warmest acknowledgments from us and our countrymen.

Again welcoming you to Lahore and hoping that the pleasure of your visit may often be renewed and that your noble efforts may be crowned with success,

We remain,

Your most obedient servants.

(Sd.) Dayal Singh—President.

(Sd.) Jogendra Chandra Bose, M. A., B. L. Pleader, High Court, Calcutta.

(Sd.) Ramnarain Pandit, Pleader, High Court N. W. P. Honorary Secretary.

(Sd.) Gholam Hasan, Honorary Magistrate.

(Sd.) Rahim Khan "Khan Bahadur", Honorary Surgeon.

(Sd.) Gopal Dass, Supdt. Chief Court.

(Sd.) Eduljee Cowasjee Jussawalla, merchant.

(Sd.) Sashi Bhoshan Mukerjee, M. A., B. L., Professor, Lahore College.

(Sd.) Brij Lall Ghose, "Rai Bahadur", Asstt. Surgeon, Teacher Medical College.

(Sd.) Haji Gholam Hassan, Fellow, Punjab University.

(Sd.) Syed Fuzul Shah, Member, Municipal Committee.

(Sd.) Kali Prosonno Roy, M. A., B. L., Pleader, High Court, Calcutta.

(Sd.) Protul Chandra Chatterjee, M. A., B. L., Pleader, High Court, Calcutta.

(Sd.) Usuf Shah, Municipal Commissioner, Amritsar.

(Sd.) Pandit Amar Nath, Head Translator, Chief Court, Punjab.

(Sd.) Amrita Lal Roy, B. A., B. L., Pleader, Chief Court, Lahore.

(Sd.) Ram Gopal Bose, Accountant, Alliance Bank of Simla, Ld.

(Sd.) Gunda Mal, Head Clerk, Medical College.

(Sd.) Peyari Lal, Pleader.

REPLY.

Mr. President and Members of the Indian Association, I beg to thank you cordially for the kindness and honor you have shown me this day by presenting me with this address here. It is a matter of great pleasure for me to learn that your Association is composed of members of all classes and creeds; this is not only a

matter of pleasure, but this union reflects a light at its foundation which gives a hope that our dear India is still capable of advancement. My friends, I cannot help expressing the pride which I feel at the presentation to me of this address on behalf of the Indian Association. If I remember right, I think this Association was founded by one whose name should be respected by all classes of the Indian population without regard to creed, caste, or place of abode; his name is Surendro Nath Bannerjee. I feel that this address, presented as it is to me, an insignificant person, by the Association whose founder was such a great man, has given me this day such an honor as I shall never forget as long as I live.

My friends, you will excuse me if I am wrong in thinking that this Association, composed as it is of members of all classes and creeds, consists mostly of the Bengalis (Here one of the members of the Association pointing out that it was composed mostly of natives of the Punjab, the speaker said that he was sorry that he was wrong here, and continued), Well if it consists mostly of the people of the Punjab, even then I would say that this light has been introduced by the selfsame people whom I have designated by the name of the Bengalis. I confess that the Bengalis are the only people in our country of whom we can rightly feel proud. It is solely on account of them that the progress of learning, the progress of liberty, and the feelings of patriotism have spread in our country. I can rightly say that they are certainly the head of all the peoples of India.

My friends, you have alluded to the Mahomedan

Anglo-Oriental College at Aligarh in your address. I would be sorry if any one were to think that this College was founded to mark a distinction between the Hindus and Mahomedans. The chief cause that led to the foundation of this College was, as I believe you are aware of, that the Mahomedans were becoming more and more degraded and poor every day. Their religious prejudices had kept them back from taking advantage f the education offered by the Government Colleges and Schools; and consequently it was deemed necessary that some special arrangement should be made for them. It can be thus illustrated : suppose there are two brothers, one of whom is quite vigorous and healthy while the other is ill and is decaying; then it will be the duty of his other brother to help him towards his recovery. This was the thought which led me to the foundation of the Mahomedan Anglo-Oriental College. But I am happy to be able to say that both brothers receive the same instruction in that College. All the rights at the College which belong to one who calls himself a Mahomedan, belong without any restriction to him also who calls himself a Hindu. There is not the least distinction between the Hindus and the Mahomedans. Only he can claim the reward who earns it by his own exertions. Both Hindus and Mahomedans are equally entitled to scholarships at the College ; both are treated equally as boarders. I regard the Hindus and Mahomedans as my two eyes. The people would generally mark a difference by calling one the right, and the other the left eye; but I regard both Hindus and Mahomedans as one single eye. I wish I had only one eye; in which case I could compare

them with advantage to that single eye.

You have also alluded, in your address, to my services in the Legislative Council during the period when I have had the honour of being a member of the Council. I cannot help saying that I feel that a man like myself was not worthy of having a seat in the Legislative Council of India, and of holding the great responsibility attached to that seat. I was myself aware of the difficulties that stood in my way; nevertheless, it was my earnest and sincere desire that I should faithfully serve my country and my nation, By the word **nation,** I mean both Hindus and Mahomedans. This is the way in which I define the word **nation.** In my opinion, it matters not whatever be their religious belief, because we cannot see anything of it; but what we see is that all of us, whether Hindus or Mahomedans, live on one soil, are governed by one and the same ruler, have the same sources of our advantage, and equally share the hardships of a famine. These are the various grounds on which I designate both the communities that inhabit India by the expression Hindu nation; and while a member of the Legislative Council I had at heart the prosperity of this very nation. I feel very much gratified that you attach so much value to my insignificant services; and now, in the end, I pray to God that He may grant progress of learning to our nation as defined above, which may spread light among our people and in our country. May He also crown your Association's efforts with success, and may He also help you in all your undertakings and endeavours.

REMARKS OF "THE TRIBUNE" OF THE 9TH FEBRUARY, 1884.

The Hon'ble Syed Ahmed Khan, C. S. I. was here. He left this on Monday last. His visit to this place deserves more than a passing justice on account of certain utterances which deserve the careful consideration of all our countrymen. We have all along pointed out the great desirability of establishing more friendly and intimate relations between the Hindus and Mahomedans than now exist. They should not only love and embrace each other as brothers, but they should also, if they want this country to rise to its ancient glory once again, become fused into one nation. The latter, however, must be the work of generations; the former is unquestionably the easier of the two and can be accomplished in less time. It would help us little now to insist on the exclusive privileges of either the Hindu or the Mahomedan. It is a fact that there are in India about 200 millions of Hindus and about 50 millions of Mahomedans, and this fact cannot be ignored. Religious prejudices are the great stumbling block in the way of brotherly feeling between the two mighty sections of the people; but liberal thought and liberal training have been at work, and we have already seen many apostles among the Hindus who have made it the mission of their life to preach the development of that feeling. The Mahomedans are more conservative in this respect, and it therefore gives us infinite pleasure to find that there is at least one great man among them who does not yield to any one in large-minded patriotism.

We heartily welcome his words which we do not often hear from the lips of our Mahomedan compatriots. The example set by the Syed is worthy of imitation not only by men of his own creed but even by Hindus. We trust it will be largely followed. Before we conclude, there is one point which we would point out here. The Syed was very naturally led by false reports into a mistake as to the constitution of the Indian Association. Those who are jealous of it always try to make out that the Lahore Indian Association consists mostly of Bengalis. The fact, however, is that out of nearly one hundred members there are only eleven Bengalis. Ungenerous and not overtruthful critics should bear this fact in mind.

ترجمہ ایڈریس

منجانب انڈین ایسوسی ایشن لاہور

بخدمت جناب آنریبل سید احمد خان بہادر سی - ایس - آئی -

آنریبل سرا ہم ممبرانِ انڈین ایسوسی ایشن لاہور اپنے شہر میں آپ کی تشریف آوری پر اپنی بہترین خواہشوں اور نہایت عمدہ خیالات کے ساتھ آپ کو ویلکم دیتے ہیں -

جو عمدہ کوششیں آپ نے ہندوستان کے مسلمان باشندوں کی حالت کی اصلاح اور اُن کے درمیان علم اور روشن ضمیری کی برکتوں کے پھیلانے کے واسطے کی ہیں اور جو نمایاں کامیابی آپ نے اس باب میں حاصل کی ہے اُس کے لحاظ سے آپ ہمارے ملک کے مشہور و معروف شخصوں میں سے نہایت ممتاز اور نیک نام ہیں

اور آپ واجبی طور پر رعایائے ہندوستان کے تمام فرقوں کی طرف سے قدر و منزلت اور احسان مندی کے مستحق ہیں ۔ ہماری ایسوسی ایشن ، جس میں اس صوبے کے تمام اقوام اور مذاہب کے لوگ شامل ہیں ، نہایت خوشی سے آپ کے ان اعلیٰ درجے کی خدمتوں کی تصدیق کرتی ہے جو آپ نے عوام کے حق میں کی ہیں اور ان فایدوں کی نسبت اپنی قدر شناسی ظاہر کرتی ہے جو آپ نے ملک کو پہنچائے ہیں ۔

آپ کے خیالات کی وسعت اور آپ کا فیاضانہ برتاؤ ، جو آپ نے اپنے خاص ہم مذہبوں کے علاوہ اور فرقوں کے ساتھ کیا ہے ، آپ کے عام طریقۂ کارروائی کی کچھ کم مشہور و معروف صفت نہیں ہے ۔ آپ کا برتاؤ ابتدا سے انتہا تک تعصب یا خود رائی کے دھبّے سے بالکل مبرّا رہا ہے ۔ جو عمدہ تعلیمی انسٹیٹیوشن آپ نے علی گڑھ میں قایم کیا ہے اُس کے فایدوں سے ہندو اور مسلمان دونوں برابر مستفیض ہو سکتے ہیں ۔ ہمارے بدقسمت ملک میں خفیف مذہبی اور قومی خصومتوں کی وجہ سے اس قدر تفرقہ پڑا ہوا ہے اور اُس کو زمانۂ گزشتہ میں قومی اور مذہبی تنازعات کے باعث سے اس قدر نقصان پہنچا ہے کہ آپ جیسے کشادہ دل اور فیاضانہ خیالات رکھنے والے شخص کا یہاں تشریف لانا اس وقت پر ایک خاص مبارک بادی کا باعث ہے ۔ خدا کرے کہ آپ عرصۂ دراز تک زندہ رہیں تاکہ آپ مسلمانوں اور ہندوؤں کو برابر تلقینِ علم کر سکیں اور اُن کے دلوں سے تعصب اور خودرائی کو بیخ و بنیاد سے دور کرکے برادرانہ اتحاد کے مستحکم رشتوں میں اُن کو باہم ملا سکیں ۔

ہندوستان کی قانونی کونسل میں جو آپ نے نہایت منفعت بخش

کارروائی کی ، اُس کی نسبت یہاں صرف سرسری طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے اور آپ جو اُس زمانے میں ، جب کہ آپ مجلسِ مذکور میں کام کرتے تھے ، بے طرف دارانہ طور پر تمام فرقوں کی بہبودی کی فکر رکھتے تھے اور قومی خیالات کو دلیری اور راست بازی کے ساتھ اور بڑی سرگرمی کے ساتھ قومی مطالب کا خیال رکھتے تھے ، اُس کے لحاظ سے آپ ہماری طرف سے اور ہمارے ہم وطنوں کی طرف سے دلی احسان مندی کے مستحق ہیں ۔

اب ہم پھر لاہور میں آپ کے تشریف لانے پر آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور یہ اُمید کرتے ہیں کہ آپ کی ملاقات کی خوشی اکثر نصیب ہوا کرے اور آپ کو اپنی عمدہ کوششوں میں کامیابی حاصل ہو ۔

ہم ہیں
آپ کے تابعدار خادم

(دستخط) دیال سنگھ ، پریزیڈنٹ
(دستخط) جوگندر چندر بوس ایم ۔ اے ، بی ۔ ایل ، وکیل عدالت ہائی کورٹ کلکتہ
(دستخط) رام نراین وکیلِ ہائی کورٹ اضلاع شمال و مغرب آنریری سکرٹری
(دستخط) غلام حسن آنریری مجسٹریٹ
(دستخط) رحیم خاں ، خان بہادر ، آنریری سرجن
(دستخط) گوپال داس سپرنٹنڈنٹ عدالت چیف کورٹ
(دستخط) ایدلجی کواسجی ، جسا والہ سوداگر

(دستخط) سوسی بھوشن مکرجی ایم ۔ اے ، بی ۔ ایل ،
پروفیسر لاہور کالج

(دستخط) برج لال گھوس ، رائے بہادر ، اسسٹنٹ سرجن
ٹیچر میڈیکل کالج

(دستخط) حاجی غلام حسن فیلو پنجاب یونیورسٹی

(دستخط) سید فضل شاہ ممبر میونسپل کمیٹی

(دستخط) کالی پرسنو رائے ایم ۔ اے ، بی ۔ ایل ، وکیل
عدالت ہائی کورٹ کلکتہ

(دستخط) پروٹل چندر چترجی ایم ۔ اے ، بی ۔ ایل ، وکیل
عدالت ہائی کورٹ کلکتہ

(دستخط) یوسف شاہ میونیسپل کمشنر امرتسر

(دستخط) پنڈت امر ناتھ مترجم اول عدالت چیف کورٹ
پنجاب

(دستخط) امرت لال رائے بی ۔ اے ، بی ۔ ایل ، وکیل
عدالت چیف کورٹ لاہور

(دستخط) رام گوپال بوس ایکونٹنٹ ایلائنس بنک لمیٹڈ
شملہ

(دستخط) گیندا مل ہیڈ کلرک میڈیکل کالج

(دستخط) پیارے لال وکیل

سید صاحب کا جواب

''جناب پریزیڈنٹ و ممبران انڈین ایسوسی ایشن!

جو مہربانی اور عزت آج آپ نے میری نسبت اس ہال میں اس ایڈریس کے پیش کرنے سے ظاہر فرمائی ہے اُس کے لیے میں دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ مجھ کو اس بات کے معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی کہ آپ کی ایسوسی ایشن میں تمام فرقوں اور قوموں کے لوگ شامل ہیں ۔ یہ امر صرف خوشی کا ہی باعث نہیں ہے بلکہ اس اتفاق سے اُس میں ایک روشنی کی جڑ پائی جاتی ہے جس سے یہ امید ہوتی ہے کہ ہمارا پیارا ہندوستان اب بھی ترقی کرنے کے لایق ہے ۔ میرے دوستو! میں اُس فخر کے ظاہر کرنے سے باز نہیں رہ سکتا ہوں جو مجھ کو انڈین ایسوسی ایشن کی جانب سے اس ایڈریس کے پیش کیے جانے پر حاصل ہؤا ہے ۔ اگر میری یاد صحیح ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایسوسی ایشن کو ایک ایسے شخص نے قائم کیا تھا جس کے نام کی عزت ہندوستان کے تمام فرقوں کو بلا لحاظِ قوم اور ذات یا جائے سکونت کے کرنی چاہیے ، یعنی سرندر ناتھ بانرجی نے ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایڈریس نے ، جو اُس ایسوسی ایشن نے مجھ سے ناچیز شخص کو دی ہے جس کا بانی ایسا بڑا شخص تھا ، آج مجھ کو اس قسم کی عزت بخشی ہے جس کو میں جب تک زندہ ہوں ہرگز نہیں بھولنے کا ۔

میرے دوستو! آپ مجھ کو معاف فرماویں گے اگر میرا یہ خیال غلط ہو کہ اس ایسوسی ایشن میں ، جو تمام فرقوں اور مذہبوں کے لوگوں سے مرکب ہے ، بیشتر بنگالی شامل ہیں (اس

مقام پر ایسوسی ایشن کے ایک ممبر نے یہ اشارہ کیا کہ اس ایسوسی ایشن میں بیشتر پنجاب کے باشندے شریک ہیں تو اسپیکر نے کہا کہ مجھ کو افسوس ہے کہ یہاں مجھ سے غلطی ہوئی اور پھر اپنی گفتگو کو اس طرح پر جاری رکھا) ۔ اچھا اگر اس ایسوسی ایشن میں بیشتر پنجاب کے باشندے شریک ہیں تو بھی میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ روشنی آنھی شخصوں نے پھیلائی ہے جن کو میں نے بنگالیوں کے نام سے تعبیر کیا ہے ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں صرف بنگالی ہی ایسی قوم ہیں جن پر ہم واجبی طور پر فخر کر سکتے ہیں اور یہ صرف آنھیں کی بدولت ہے کہ علم اور آزادی اور حب وطنی کو ہمارے ملک میں ترقی ہوئی ہے ۔ میں صحیح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ بالیقین ہندوستان کی تمام قوموں کے سرتاج ہیں ۔

میرے دوستو! آپ نے اپنے ایڈریس میں محمدن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کا ذکر کیا ہے ۔ مجھ کو افسوس ہوگا اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ یہ کالج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ظاہر کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے ۔ خاص سبب جو اس کالج کے قایم کرنے کا ہؤا یہ تھا ؛ جیسا کہ میں یقین کرتا ہوں آپ بھی واقف ہیں کہ مسلمان روز بروز زیادہ تر ذلیل اور محتاج ہوتے جاتے تھے ۔ آن کے مذہبی تعصبات نے ان کو اس تعلیم سے فائدہ اٹھانے سے باز رکھا تھا جو سرکاری کالجوں اور مدرسوں میں مہیا کی گئی تھی اور اسی وجہ سے یہ امر ضروری خیال کیا گیا کہ ان کے واسطے کوئی خاص انتظام کیا جاوے ۔ اس کی مثال اس طرح پر دی جاسکتی ہے : فرض کرو کہ دو بھائی ایسے ہیں جن میں سے ایک بالکل طاقت ور اور تندرست ہے اور دوسرا بیمار

ہے اور اس کی تندرستی زوال پر ہے ۔ پس اس کے تمام بھائیوں کا یہ فرض ہوگا کہ اس بیمار بھائی کی صحت کی تدبیر کریں اور اس کو مدد دیں ۔ یہی خیال تھا جس نے مجھ کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے قایم کرنے پر آمادہ کیا ۔ مگر میں اس بات کے بیان کرنے سے خوش ہوں کہ اس کالج میں دونوں بھائی ایک ہی سی تعلیم پاتے ہیں ۔ کالج کے تمام حقوق ، جو اُس شخص سے متعلق ہیں جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے ، بلا کسی قید کے اُس شخص سے بھی متعلق ہیں جو اپنے تئیں ہندو بیان کرتا ہے ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ذرا بھی امتیاز نہیں ہے ۔ صرف وہی شخص انعام کا دعوئ کر سکتا ہے جو اپنی سعی و کوشش سے اس کو حاصل کرے ۔ اس کالج میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر وظیفوں کے مستحق ہیں اور دونوں کی نسبت بطور بورڈر کے یکساں طور پر سلوک کیا جاتا ہے ۔ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مثل اپنی دو آنکھوں کے سمجھتا ہوں ۔ اس کہنے کو بھی میں پسند نہیں کرتا کیونکہ لوگ علی‌العموم یہ فرق قرار دیں گے کہ ایک کو دائیں آنکھ اور دوسرے کو بائیں آنکھ کہیں گے ۔ مگر میں ہندو اور مسلمان دونوں کو بطور ایک آنکھ کے سمجھتا ہوں ۔ اے کاش! میرے صرف ایک ہی آنکھ ہوتی کہ اس حالت میں میں عمدگی کے ساتھ ان کو اس ایک آنکھ کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ۔

آپ نے اپنی ایڈریس میں میری اُن خدمتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو میں نے اُس زمانے میں انجام دی تھیں جب کہ مجھ کو قانونی کونسل کے ممبر ہونے کی عزت حاصل تھی ۔ میں اس بات کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتا ہوں کہ مجھ کو پورا یقین ہے کہ مجھ سا شخص ہندوستان کی قانونی کونسل کی ممبری ، اور جو بڑی

جواب دہی اس ممبری سے متعلق ہے ، اس کو اپنے ذمے لینے کے لایق نہ تھا - میں خود ان مشکلات سے واقف تھا جو میرے راستے میں حایل تھیں - مگر باوجود اس کے میری یہ دلی تمنا تھی کہ میں اپنے ملک اور اپنی قوم کی وفاداری کے ساتھ خدمت کروں - لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے - یہی وہ معنے ہیں جس میں میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں - میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لایق نہیں ہے کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے ، کیونکہ ہم اس کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے ہیں - لیکن جو بات کہ ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سب ، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ، ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں ، ایک ہی حاکم کے زیر حکومت ہیں ، ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہی ہیں ، ہم سب قحط کی مصیبتوں کو برابر برداشت کرتے ہیں - یہی مختلف وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں ان دونوں قوموں کو ، جو ہندوستان میں آباد ہیں ، ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ ''ہندو'' یعنی ہندوستان کی رہنے والی قوم - جس زمانے میں میں قانونی کونسل کا ممبر تھا تو مجھ کو خاص اسی قوم کی بہبودی کی دل سے فکر تھی - مجھ کو اس بات سے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ آپ میری ناچیز خدمتوں کی اس قدر وقعت کرتے ہیں - اور اب میں اخیر پر خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ وہ ہماری قوم کو ، جس کی تعریف میں نے ابھی بیان کی ہے ، علمی ترقی عطا فرمائے جس کے ذریعے سے ہماری قوم اور ہمارے ملک میں روشنی پھیلے اور آپ کی ایسوسی ایشن کی کوششوں کو کامیاب کرے اور نیز آپ کی تمام کوششوں اور کاموں میں آپ کا معاون ہو (چیرز بڑے زور سے) -''

ترجمہ ریمارک مندرجہ اخبار "ٹریبیون" لاہور
مورخہ ۹ فروری سنہ ۱۸۸۳ع

''آنریبل سید احمد خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی یہاں تشریف لائے تھے اور دوشنبہ گزشتہ کو یہاں سے تشریف لے گئے ۔ اس مقام پر ان کا تشریف لانا بعض باتوں کے سبب سے ، جو ہمارے تمام ہم وطنوں کے دلی غور و توجہ کے لایق ہیں ، سرسری طور کی بہ نسبت زیادہ تر انصاف کے ساتھ ذکر کیے جانے کا مستحق ہے ۔ ہم نے برابر اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے درمیان بہ نسبت حال کے زیادہ تر دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات کا قایم ہونا پسندیدہ ہے ۔ ان کو صرف یہی بات نہیں چاہیے کہ مثل بھائیوں کے ایک دوسرے سے محبت کریں اور بغل‌گیر ہوں بلکہ اگر وہ یہ بات چاہتے ہیں کہ یہ ملک پھر اپنے قدیمی عروج کو پہنچ جاوے تو ان کو آپس میں مل ملاکر ایک قوم ہو جانا چاہیے ۔ لیکن پچھلی بات (یعنی ایک قوم ہو جانا) کئی پشتوں میں حاصل ہوگی اور پہلی بات (یعنی برادرانہ تعلقات کا پیدا ہونا) بلاشبہ دونوں باتوں میں سے زیادہ آسان ہے اور وہ کم مدت میں حاصل ہو سکتی ہے ۔ ہندوؤں یا مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کی نسبت اصرار کرنے سے ہم کو بالفعل بہت کم مدد ملے گی ۔ یہ امر واقعی ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد قریب بیس کروڑ کے اور مسلمانوں کی تعداد قریب پانچ کروڑ کے ہے اور اس امر کی جانب سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے ۔ مذہبی تعصبات لوگوں کے ان دو زبردست فرقوں کے درمیان برادرانہ ارتباط قایم ہونے کے سخت مانع ہیں ، مگر فیاضانہ خیالات اور فیاضانہ تعلیم و

تربیت اپنا اثر پیدا کر رہی ہے - اور ہم نے ہندوؤں میں بہت سے پیشوا ایسے دیکھے ہیں جنھوں نے اس قسم کے اتحاد کی ترقی کی نسبت پند و نصیحت کرنا اپنی زندگی کا ایک کام ٹھہرایا ہے - مسلمان لوگ اس باب میں قدیمی طریقے پر زیادہ تر قایم ہیں اور اسی وجہ سے ہم کو اس بات کے دیکھنے سے بے انتہا خوشی حاصل ہوتی ہے کہ بہر کیف ان میں ایک بڑا شخص ایسا ہے جو کشادہ دلی اور حب وطنی میں کسی سے کم نہیں ہے -

ہم اس شخص کے کلمات کو سن کر ، جیسے کہ ہم اکثر اپنے مسلمان ہم وطنوں کی زبانی نہیں سنتے ہیں ، دل سے خوش ہوتے ہیں - جو نظیر سید احمد خاں بہادر نے قایم کی ہے وہ صرف ان کے ہم مذہبوں کی ہی پیروی کے لایق نہیں ہے بلکہ ہندوؤں کی پیروی کے بھی لایق ہے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اس کی کثرت سے پیروی کی جاوے گی - قبل اس سے کہ ہم اپنی تحریر کو ختم کریں ، ایک بات ایسی ہے جس کو ہم یہاں ظاہر کرنا چاہتے ہیں ، یعنی آنریبل سید احمد خاں بہادر کو جھوٹی خبروں کے سننے سے انڈین ایسوسی ایشن کی بناوٹ کی نسبت بالطبع دھوکا ہوگیا - جو لوگ اس ایسوسی ایشن سے خصومت رکھتے ہیں وہ ہمیشہ اس بات کے مشہور کرنے کے واسطے کوشش کرتے ہیں کہ اس میں سب سے زیادہ بنگالی شریک ہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ قریب سو ممبروں میں سے صرف گیارہ بنگالی ہیں - پس تنگ دل اور خلاف واقع نکتہ چینی کرنے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے -''

ممبران انڈین ایسوسی ایشن لاہور کی جانب سے مبلغ ایک ہزار تین سو اسی روپے ، جس میں بہت بڑی رقم تعدادی پانسو

روپے کی عطیہ جناب سردار دیال سنگھ بہادر مجیٹھیہ پریسیڈنٹ ایسوسی ایشن کی شامل تھی ، بطریقِ دعوت سید صاحب کے پیشکش کی گئی اور امید ہے کہ یہ رقم پوری پندرہ سو روپے کی ہو جاوے گی ۔

بعد اس کے انجمنِ اسلامیہ لاہور کی جانب سے ایک ایڈریس سید صاحب کی خدمت میں پیش ہؤا ۔ یہ ایڈریس بہت طولانی تھا اور باوجودیکہ غل بھی ہو رہا تھا اور لوگوں کے آنے اور اوپر کے مکان میں چڑھنے اور جگہ نہ ملنے کے سبب دوسری طرف جانے کے قصد سے ہال گونج رہا تھا اس ایڈریس کو جناب خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے نہایت خوبی سے پڑھا ۔ غنیمت ہے کہ جو لوگ قریب تھے انھوں نے اس کو سنا ۔ وہ ایڈریس اس قدر طولانی تھا کہ اس کے ختم ہونے کو ایک لکچر کے برابر عرصہ لگ گیا ۔

بعد ختم ہونے کے وہ ایڈریس سید صاحب کو نظر کیا گیا ۔ سید صاحب نے نہایت احسان مندی سے اس کو لیا اور جواب دینے کو کھڑے ہوئے اور جہاں تک ان کی طاقت میں تھا انھوں نے بلند آواز سے اس کا جواب دیا ۔ سید صاحب نے اس قدر پکار کر اس کا جواب دیا تھا کہ ان کی آواز اور دماغ پر اس کا تکان ظاہر ہوتا تھا ۔ حقیقت میں اس قدر پکار کر بولنے سے سید صاحب کو تکلیف ہوئی اور ان کی طبیعت میں اضمحلال آ گیا تھا ۔ مذکورہ بالا ایڈریس اور اس کا جواب ذیل میں مندرج ہے :

ایڈریس از جانب انجمن اسلامیہ لاہور

عالی جناب

حضرت سیدنا و مولانا آنریبل مولوی سید احمد خاں
صاحب بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ، عارف جنگ
جوادالدولہ دام مجدکم

''آج وہ دن ہے کہ تمام بلادِ ہندوستان شہر لاہور کو مبارک باد دیں کیونکہ ان کا حامیٔ تہذیب شہرِ مذکور میں وارد ہے اور فخر ہے ہمارا کہ اس کے کارناموں کی کامیابی پر اسے مبارک باد دے رہے ہیں ۔

اے حامیٔ قوم! آپ کے خاندانی احسان ہر طبقۂ ملک پر برابر چلے آتے ہیں ۔ آپ کے نانا نواب دبیرالدولہ بہادر مرحوم ، جو فنونِ ریاضی ، حکمتِ طبعی اور علم ہیئت کی مہارت سے اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ، ہمیشہ قوم کو تعلیمِ علوم سے فیض پہنچاتے رہے ۔ عین جوانی ، جس میں دنیا کے لوگ ترقیِ مراتب کی فکروں یا عیش و طرب کے فقروں میں وقت گزارتے ہیں ، اس میں آپ اور آپ کے برادرِ مغفور قوانینِ سرکاری کو مرتّب و منضبط کرکے قوم کی ترقیِ مناصب کے لیے بلند سیڑھی تیار کرتے تھے ۔

ساتھ اس کے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا ۔ اس وقت اردو تحریر نثر کے لحاظ سے گھٹنیوں چلتی تھی ۔ اخبارِ مذکور سے ملک کی زبان کو قوت ، دلوں کو تفریح حاصل ہوئی اور اس کے قانونی مباحثوں نے ضرورت مندوں کو گراں بہا سرمایہ دیا ۔

اسی عالم میں تواریخِ ہند کی مختلف کتابوں سے اورکہن سال

بزرگوں کی زبانوں سے نکتہ نکتہ اور بات بات چن کر ''آثارالصنادید'' لکھی جو کہ دہلی کی عمارات اور اہلِ دہلی کے قدیم و جدید حالات کے لیے عمدہ دوربین ہوئے۔

انھی دنوں میں کئی رسالے علمِ ریاضی میں ایشیائی طرز پر لکھے - ان میں بعض آلات جرِّثقیل اور پرکار متناسبہ وغیرہ کا بیان تھا جن سے اس ملک کے لوگ کم واقف تھے -

اس سلسلے میں آں تصنیف کو نہ بھولنا چاہیے کہ غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد آپ نے ایک رسالے کے قالب میں ''اسبابِ بغاوت ہند'' کو گورنمنٹ پر ظاہر کیا اور جہاد کی تحقیق میں ثابت کر دیا کہ جو اصلی اور خاص اسلام ہے اس کا اصلِ اصول اطاعت اور فرماں برداری اور خدمت گزاری اپنے بادشاہ کی ہے -

اس شکریے کے اظہار سے ہم کسی طرح خاموش نہیں رہ سکتے کہ جب آپ نے دیکھا کہ زمانہ اپنی رفتار بدلتا چلا جاتا ہے اور مسلمان پیچھے رہے جاتے ہیں تو ان کے بڑھانے کے لیے کیا کیا عمدہ کلیں تیار کیں - پہلے علی گڑھ میں ایک سوسائٹی قائم کی اور اس میں بہت سی کتابیں فن تاریخ ، علمِ فلاحت ، فنونِ ریاضی وغیرہ وغیرہ اور بعض رپورٹوں کے ترجمے کیے - کتبِ مذکورہ کو اہلِ نظر نے دیکھا لیکن قوم کی حالت کچھ اور تھی - عام لوگ جو ''بکاولی'' اور ''فسانۂ عجائب'' سے دل بہلا رہے تھے ، ادھر متوجہ نہ ہوئے - اسی واسطے فواید ان کے کاغذوں میں ملفوف رہے اور یہ نہایت مایوسی اور افسوس کی حالت تھی -

آپ نے وقت کو دیکھ کر ایک اخبار جاری کیا جو اپنی

دو زبانوں سے انگریزی اور دیسی قوموں کے درمیان میں ترجمان ہے ۔ اخبار مذکور ایک ابر رحمت ہو کر اٹھا اور مضامین ملکی، اخلاق، علمی، اصلاح قومی کا مینہ برسا دیا ۔ اس سے دماغ شاداب، مکدّر دل صاف اور آنکھیں روشن ہوگئیں ۔ آپ نے اس کی عمدہ طرز تحریر سے سکھا دیا کہ ایک قومی اخبار کو کیسا ہونا چاہیے ؟ وہ کیوں کر اپنے بادشاہ کا مشیر خیراندیش ہو سکتا ہے اور حقیقی اور نیک نیت رعایا کیوں کر اپنے بادشاہ سے عرض حال کرکے کچھ لے سکتی ہے ؟ کیسی طرز گفتار اسے مشورے اور مصاحبت کے درجے پر عزت دیتی ہے اور کب اس کی گفتگو حد ادب سے بڑھ کر رتبے سے گرا دیتی ہے ؟ اس مقام پر یاد آتا ہے ہمیں ''تہذیب الاخلاق''۔ وہ مرحوم دو دفعہ ملک عدم سے آیا مگر قوم کی بے توجہی سے پھر نقل مکان کر گیا ۔ جب دل سوزی نے دیکھا کہ ایک دل کی گرم جوشی تہذیب قوم کے انجن کو نہیں گرما سکتی اور جس قدر ہمت و حوصلہ کے خیالات یہاں تحصیل انگریزی سے حاصل ہوتے ہیں وہ منزل مقصود کو پہنچانے والے نہیں، تو تجویز کیا کہ بہت سے دل تیار کرنے چاہئیں جن میں گرم جوشی کا مادہ قوی ہو ۔ آپ نے ولایت کے سفر سے اس کا راستہ نکالا ۔ وہ نہایت سیدھا اور پاس کا راستہ نکلا ۔ اکثر کوتہ اندیشوں کے خیالات اس جہاز کے لیے باد مخالف ہوئے مگر آپ نے خود کمر ہمت کو چست کیا ، دونوں فرزندوں کو تعویذ کی طرح بازوؤں پر لیا ، دو اور شریف زادوں کی سرپرستی کا ذمہ لیا اور توکل بخدا روانہ ہوئے ۔ نیت کی برکت تھی کہ ہمت کا کارواں جس طرح گیا تھا اسی طرح صحیح سلامت کامیابی کی متاع لے کر پھرا اور تمام قوم کے لیے رستے کی داغ بیل ڈالتا آیا ۔ اب میدان

صاف اور سمندر پایاب ہے ۔ اس وقت پانچ شہسوار مدرسۃالعلوم کے ولایت میں میدان تحصیل پر گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں ۔ ولایت میں بھی آپ خالی نہیں بیٹھے ۔ وہاں کے کتب خانوں کو تجسّس کی نگاہ سے دیکھا اور قدیم و جدید کتابوں سے عمدہ اور کارآمد مطالب نکال کر لائے جو یہاں حاصل ہونے ناممکن تھے ۔ بعض کتابیں وہیں لکھیں اور اسلام کی اصلیت پر جو پردہ تھا اسے اس خوبصورتی سے اُٹھایا کہ اکثر صاحبان فرنگ اُس کی خوبیوں کے گرویدہ ہوکر ہمدردی پر آمادہ ہوگئے اور اکثروں نے کتابیں لکھیں ۔ آپ بہت کتابیں علوم و فنون کی وہاں سے لائے جس کا حال بھی ہمیں معلوم نہ تھا ۔

بعض اہل یورپ کی عمدہ تصنیفیں اسلام کے متعلق لائے کہ ہندوستان نے اُنھیں شوق کے ہاتھوں پر لیا اور دیسی زبان میں ترجمہ کیا کہ اُن سے روشن دماغ لوگوں کے عقیدوں کو روشن کیا ۔

آپ نے دیکھا کہ یہ کچے کوئلے اس آگ سے بھی دہکتے نہیں ۔ تب علی گڑھ میں ایک ابتدائی مدرسے کی بنیاد ڈالی اور اپنے چست انتظام اور درست تدبیروں سے اس درجے پر پہنچایا کہ آج وہ کالج ہے اور ایک برگزیدہ اور نامور کالج ہے ۔

جس وقت یہ مدرسہ قایم ہؤا تھا تو عام لوگوں نے یہی سمجھا تھا کہ اس میں حنفی فرقے تعلیم پائیں گے ۔ لیکن آپ نے سب کو سمجھا دیا کہ سچے اسلام کی خیرخواہی فقط مسلمانوں میں یا ان کے ایک فرقے میں محبوس نہیں ۔ کل اولادِ آدم مختلف رنگ ، مختلف مذہب ، مختلف وطن ، شہر میں ہوں یا گاؤں میں ، جنگل میں یا

پہاڑوں میں یا دریا اور سمندر کے کڑاڑوں میں ، بلکہ جو گمنامی کے جزیروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ، وہ سب کا فیض پہنچانے والا ہے ۔ سب اُس کی قوم اور سب اُس کے بھائی ہیں ۔ آپ نے اس کے فوائد کو ایسا عام کیا کہ سنّی ، شیعہ اور ہندو بھائی سب اُسی گھاٹ سے تعلیم و تہذیب کا پانی پیتے ہیں ۔ پرہیزگار مولوی ، پارسا پنڈت موجود ہیں ۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے سنی اپنی نماز ، شیعہ اپنی نماز پڑھتے ہیں اور نماز جماعت ادا کرتے ہیں ۔ ہندو اپنے وقت پر گیان دھیان کے ساتھ پوجا پاٹ کرتے ہیں ۔

کالج کی حیثیت حال نے فقط آٹھ برس کی عمر میں ایسا اعتبار اور بزرگی دکھائی کہ صاحب عالی مراتب ، فاضل جلیل مناصب ، اکٹر ڈبلیو ۔ ڈبلیو ۔ ہنٹر صاحب نے اسے ملاحظہ فرمایا اور اپنی رپورٹ تعلیم میں لکھا کہ یہ مدرسہ ہندوستان کے کالجوں میں اول درجے کا کالج ہے ۔ یونیورسٹی کلکتہ نے اُسے اس فخر کا تمغہ دیا کہ اضلاع نواح کے لیے ایف ۔ اے تک کے طلبا وہیں آ کر امتحان دے سکتے ہیں ۔ ہائی کورٹ نے اجازت دی کہ ہائی کورٹ کی پلیڈری کے لیے طالب علم تیار کر سکتا ہے ۔

مدرسے اور بورڈنگ ہاؤس کی عالی شان عمارتیں اور اُس کے متعلق مکانات و لوازمات ضروری جس برجستگی اور خوشنمائی کے ساتھ آپ نے تعمیر فرمائے ہیں وہ ہماری تعریفوں سے بہت بلند ہیں ۔ ڈاکٹر موصوف نے خود تحریر فرمایا ہے کہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے مکانات بھی اُن کی خوبیوں کو نہیں پہنچتے ۔ سب سے بڑی مہم ان کی تعمیر کے لیے روپیہ فراہم کرنا تھا ۔ جو کچھ ہوا آپ کی عالی ہمت سے ہوا ، اور فکر کی جگہ ہے کہ ابھی بہت کام باقی ہے ۔

کریم و کارساز قوم کو ہمت دے اور اس مہم کا سرانجام کرے -

جب آپ نے دیکھا کہ ہمارے لڑکے ولایت میں جا کر امتحان سول سروس میں کم کامیاب ہوتے ہیں تو اس کے اسباب و بواعث پر غور کر کے کالج میں ایک جماعت کی تجویز کی - اس میں سول سروس کے امیدوار آن مراتب کی تکمیل کریں گے جن میں وہاں امتحان دینا ہوگا - اس کے لیے سول سروس فنڈ قرار دیا اور روپیہ فراہم کرنے پر قوم کو آمادہ کیا -

آپ نے قوم کو فقط تعلیم و تہذیب ہی سے شکرگزار نہیں کیا بلکہ جب آپ قانونی کونسل کے ممبر ہوئے اُس وقت بھی قوم کی یاد کو نہیں بھولے - ان کے آرام و آسائش کے لیے بے نظیر اور عمدہ مطالب نکالتے رہے - ہمیں یاد نہیں کہ آج تک کسی ممبر نے گورنمنٹ کی خیراندیشی اور قوم کی ہمدردی میں ایسی نکتہ یابی اور عرق ریزی کی ہو - ٹیکے کا قانون پاس کرا کر ہمارے ہزاروں بچوں کی جانیں بچا لیں - قاضیوں کا ایکٹ منظور کروایا - وقف خاندانی اہلِ اسلام کا مسودہ تجویز کیا - تمام اہلِ ریاست اور اہلِ دول نے ، جو عقلِ دوراندیش رکھتے ہیں ، آسے دل سے پسند کیا اور شکرے کے ساتھ تسلیم کیا کہ آپ قوم کے حامی ، خاندانوں کے محافظ اور ان کی عظمت و اعزاز کی بنیاد کو قایم رکھنے والے ہیں -

آپ نے اپنے کلاموں اور نیک کاموں سے محنتِ روحانی و جسمانی ، مصارفِ مالی ، صرفِ اوقات ، ارتکابِ خطرات اور برداشتِ مکروہات سے ہمیں سکھا دیا کہ قومی ہمدردی اور ملکی اتحاد کا حق اس طرح ادا کیا کرتے ہیں -

آپ نے اس مسئلے کو اس طرح پھیلایا ہے کہ ایک عالم کے

دلوں پر چھا گیا ہے اور آپ کی برکت انفاس سے اُمید ہے کہ یہ نور جلدی اندھیرے کو اجالا کر دے گا۔

اے حامیِ قوم! جب ہم زمانے کی حالت پر غور سے دیکھتے ہیں تو عقل حیران ہوتی ہے کہ ملک کی یہ شکستہ حالی، قوم کی یہ بدحالی، باوجود اس کے انھی میں سے ایک شخص پیدا ہو جائے جو ایسے خیالات اور ایسے اعمال کا موجد اور آفریدگار ہو، یہ فقط شانِ الٰہی ہے۔ اس شفقت کا شکریہ ہم کسی طرح نہیں ادا کر سکتے کہ آپ کی عمدہ تدبیروں اور نیک تجویزوں کے روکنے میں ہزاروں سدّ راہ پیدا ہوئے۔ زبانی باتوں اور تحریری باتوں سے تضحیک بلکہ تکفیر تک نوبت پہنچائی، لیکن آپ نے فقط ہماری بھلائی اور قوم کی نیک خواہی کے جوش میں ایک بات کی پرواہ نہ کی۔ پہاڑ کی ثابت قدمی سے مستقل رہے اور دریا کے بہاؤ سے اپنے رستے پر چلتے رہے۔ وہ گھاس پھوس تھے کہ بہہ گئے اور بہے چلے جاتے ہیں۔

سنہ ۱۸۷۳ع میں علم و شائستگی کا نوروز ہوا تھا کہ آپ نے اپنے قدوم سے اس ملک کو برکت بخشی تھی۔ دس برس کے بعد پھر اس عید نے اعادہ کیا ہے۔ اے خدا! ہمیں سال بسال یہ عید نصیب کر اور ہمارے حامیِ قوم کو صحت کی سلامتی، تن کی توانائی سے عمرِ دراز روزی کر۔ ایں دعا از من و از روحِ آمین آمین باد!

نواب عبدالمجید خاں
آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور،،

سید صاحب کا جواب

''جناب صدر انجمن اور ممبران مجلس اسلامیہ لاہور !

مجھ کو اس حیثیت سے ، کہ میں بھی ایک مسلمان ہوں ، اپنے بھائی مسلمانوں کی انجمن کی طرف سے آج اس ایڈریس کے پیش ہونے سے جو عزت اور افتخار حاصل ہؤا اُس کو بیان نہیں کر سکتا ۔ بجز اس کے کہ میں آپ سب ممبروں اور پریسیڈنٹ کا شکریہ ادا کروں اور کچھ نہیں کر سکتا ۔ مگر افسوس ہے کہ میری زبان اُس شکریے کے ادا کرنے میں بھی قاصر ہے ۔ آپ نے اپنی ایڈریس میں میری پچھلی تصنیفات کا کچھ ذکر کیا ہے ۔ وہ میری تصنیفات اس سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتی تھیں جو ایک طالب علم اپنے زمانۂ طالب علمی میں اپنے کچے علم اور کچی زبان میں کچھ لکھتا ہے ۔ لیکن آپ نے اُس کی بھی قدر کی ۔ میں اس کا بہت شکر گزار ہوں ۔ ہاں ان تصانیف میں ایک ایسی کتاب کا ذکر ہؤا ہے جس کی نسبت بالتخصیص کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ وہ کتاب ''آثارالصنادید'' ہے جس میں دلی کی پرانی عمارات کا ، عالی شان مکانات کا اور ان کے کتبوں کا ذکر ہے ۔ یہ وہ یادگاریں ہیں جو ہمارے بزرگوں نے بنائی تھیں ، جن سے ان کی شان و شوکت ظاہر ہوتی تھی ، مگر اس زمانے میں وہ سب افسوس اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھنے کے لائق ہیں کہ ہم لوگ ایسے ناخلف ہوئے کہ ان کو قایم نہ رکھ سکے اور ان کو مٹا دیا ۔ مجھے امید ہے کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کو دیکھیں گے اور روئیں گے کہ اس دارالسلطنت میں ، جہاں سالہا سال مسلمانوں نے شاہنشاہی کی ، وہاں مسلمانوں کے پاس حسرت اور افسوس کے سوا اور کچھ باقی نہیں ۔ تمام خانوادے برباد ہوگئے ۔

اب وہاں بجز کہنہ دیوارہائے لمیدہ و استخوان ہائے زیرزمین بوسیدہ اور کچھ نہیں ہے - یہ سچ ہے کہ زمانے کے انقلاب سے یہ سب چیزیں ہو جاتی ہیں مگر ہاری قوم کے لوگ اگر اس کو توجہ سے پڑھیں گے تو اس سے عبرت پکڑیں گے - اگر اس قدر بھی ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت وصول ہوئی - آپ نے اُس رسالے کا بھی ذکر کیا ہے جو غدر کے حالات پر میں نے لکھا تھا - اس سبب سے کہ میں بھی ہندوستان کا باشندہ ہوں ، میں نے خیال کیا تھا کہ جو غلط خیال ہارے حاکموں کے دلوں میں اُس خراب زمانے کی نسبت جم گئے تھے ان کو مٹاؤں اور سچے واقعات ظاہر کروں - گورنمنٹ کی خیرخواہی اسی میں ہے کہ سچے واقعات ظاہر کیے جاویں - جہاد کا مسئلہ جو میں نے لکھا اُس کو بھی میں نے اپنے خدا کا فرض ادا کرنا اپنے پر فرض سمجھ کر لکھا تھا - میرے عقیدے میں مذہب اسلام دغا بازی اور فریب کا وسیلہ یا لٹیرے پن کا حیلہ نہیں ہے - اُس کا سچا مسئلہ یہ ہے کہ اپنے حاکم کے ، جس کے امن میں رہتے ہیں اور امن میں زندگی بسر کرتے ہیں ، اُس کے سچے خیرخواہ رہیں - میری رائے میں یہ اصول مذہبِ اسلام کا ہے ، گو میرے کسی نا اہل ہندوستانی یا میرے کسی ناواقف یورپین دوست کو اُس سے مخالفت ہو (چیرز) - میرے سفر انگلستان کا جو کچھ آپ نے ذکر کیا اُس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ملکوں کا دیکھنا ، خاص کر ایسے ملکوں کا جہاں سے روشنی پھیلتی ہے ، جو تہذیب کے گھر ہیں ، انسان کے واسطے خود اور جس ملک میں وہ رہتا ہو اُس ملک کے واسطے بھی مفید ہے (چیرز) - ہم لوگ ، جو گورنمنٹ انگلشیہ کے سائے میں آباد ہیں ، اُن کو اُس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی جب تک ہم انگلش

نیشن کے عادات اور حالات سے خوب واقف نہ ہوں ۔ اسی خیال سے میں نے ولایت کا سفر اختیار کیا تھا اور اس غرض سے کہ اور مربیوں کو اپنی اولاد کے بھیجنے کی ترغیب ہو، اپنے لڑکوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا ۔ خدا کا شکر ہے کہ جو کچھ میں نے خیال کیا تھا اس کا نتیجہ اچھا ہؤا ۔ اس وقت لندن میں ستائیس اٹھائیس مسلمان تعلیم پاتے ہیں اور امید ہے کہ یہ جماعت روز بروز بڑھتی جائے گی ۔ مسلمانوں میں انگلستان جانے کی نسبت جو تعصبات مذہبی تھے ، وہ اب نہیں رہے ہیں یا بہت کم ہوگئے ہیں ۔ جو لوگ لڑکوں کو بلحاظ ان کے چال چلن کے یورپ بھیجنے سے ڈرتے ہیں یا جو لوگ ہندوستانیوں کو ڈراتے ہیں ، میں ان کی رائے سے متفق نہیں ہوں بلکہ میں ان کو ہندوستانیوں کا خیرخواہ یا دوست نہیں سمجھتا ہوں ۔ مدرسۃ العلوم جن ضرورتوں سے قایم ہؤا اس کو آپ خوب جانتے ہیں اور ابھی ایک ایڈریس کے جواب میں میں اس کا بیان کر چکا ہوں ۔ اب دوبارہ اس کے اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔ مگر ایک بات اپنی قوم اور ہم وطن بھائیوں بلکہ سب سے کہتا ہوں کہ جس قدر آپ نے اس کی قدر کی ہے اور جیسے نیک خیال اس کی نسبت ظاہر کیے ہیں وہ بڑی قدر کے قابل ہیں ۔ مگر باوجود ان خوبیوں کے وہ ابھی تک ناتمام ہے ۔ جب تک وہ پورا نہ ہولے اور اس قدر سرمایہ نہ ہو جاوے ، جو تمام مصارف کو کافی ہو اور تمام ترقی کے وہ سامان اس میں موجود نہ ہو جائیں ، جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے ، تب تک وہ ادھورا ہے ۔ جب وہ پورا تیار ہو جاوے گا تب وہ اس قدر مفید ہوگا جیسا کہ آپ نے خیال کیا ہے ۔ پس ہم سب کو لازم ہے کہ اس کے پورا ہونے کی [illegible] سے التجا اور اپنی جانب سے اس کی تکمیل کے لیے

کوشش کریں - سول سروس فنڈ کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے - یہ ایک ایسا امر ہے جس پر مسلمانوں کو زیادہ توجہ کرنی چاہیے - ہم کو بہت خوشی اور بڑا افتخار ہے کہ ہمارے ہندو بھائیوں نے اس میں بہت کچھ کوشش کی ہے - اُن میں سے بہت سے لوگ اپنا روپیہ صرف کرکے سول سروس میں شامل ہونے کو ولایت گئے ہیں اور بہت اپنے دوستوں کی مدد سے ، جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اس وقت ایک درجن ہمارے ہم وطن ہندو بھائی سول سروس کے ممبر ہیں اور ضلع کے افسر اعلیٰ اور اس سے بڑھ کر سشن جج کے منصب اعلیٰ پر ممتاز ہیں - کوئی شک نہیں ہے جب تک کوئی قوم اپنے ملک کی حکومت میں شریک نہ ہو تب تک وہ پوری عزت نہیں حاصل کر سکتی - ہندوؤں کی یہ کوشش بہت تعریف کے قابل ہے مگر اُن کو یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ انہوں نے پورا کام کر لیا - اُن کو بھی ابھی اور کوشش کرنی چاہیے جس سے بہت سے لوگ ہمارے ملک کے ملکی انتظامی کاموں کے ممبر ہو جائیں - چند دھوکے یا سوانگ کے سویلین ، جو ہندوستان میں مقرر کیے گئے ہیں ، اُن سے ملک کو عزت یا ترقی نہیں حاصل ہو سکتی - میں قبول کرتا ہوں کہ ہمارے ملک کی ایسی حالت ہے کہ اگر گورنمنٹ کسی قسم کے عہدے ہندوستانیوں کے لیے تجویز کرے ، اور وہ کیسے ہی مناسب یا نامناسب ہوں ، اُن کے اختیار کرنے کو بہت لوگ مل جاویں گے ، کیوں کہ اُن کو ضرورت اور حاجت نے مجبور کر رکھا ہے - لیکن اگر ہمارے ملک کے لوگ ایسے جواں مرد اور صابر ہوتے کہ گو وہ کیسی ہی مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہوتے اور بھوکوں کے مارے مرتے ہی ہوتے ، اس وقت بھی اگر انڈین سول سروس ، جو ہندوستان میں مقرر ہوتی ہے ، اس کے

قبول کرنے سے انکار کرتے تو البتہ میں سمجھتا کہ قوم عالی حوصلہ ہے - یہ بھی میں جانتا ہوں کہ یہ بات کہنی آسان ہے مگر کرنی بہت مشکل ہے - اے دوستو ! کوئی عہدہ ، گو کہ وہ کیسا ہی ذلیل ہو ، اختیار کرنا کچھ زیادہ ذلّت کی بات نہیں ہے - بڑی ذلّت ایسے عہدے کے اختیار کرنے میں ہے جس میں اُس عہدے کے مناسب یا اپنے ہمسر عہدہ داروں کی مانند اس میں عزت نہ ہو - اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہونے کی جب تک ہم خود ولایت جا کر اور عزت سے امتحان پاس کر کر سول سروس کے عہدے نہ حاصل کریں گے (چیرز) - میری کونسل کی خدمتوں کا جو آپ نے ذکر کیا اس سے میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے میری خدمتوں کی قدر کی - آپ کی اس ایڈریس میں کسی قدر اس اختلاف کا بھی ذکر ہے جو ہمارے مسلمان بھائیوں نے ، نہ کہ ہندوؤں نے ، ان نیک کوششوں میں کی - آپ کو خیال کرنا چاہیے کہ اگر ہماری قوم کی ایسی حالت نہ ہوتی تو ہم کو ایسی کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہوتی - مجھ کو عیسائی ، ہندو ، جولاہے ، چار سب کے سامنے اپنی ذلیل قوم کی بھلائی کے واسطے کیوں ہاتھ پھیلانا پڑتا - مجھ کو اس مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں ہے جس کا اندازہ میں نے پہلے ہی کر لیا تھا اور نہ اس کی پرواہ کرنی چاہیے - مجھ کو اس مخالفت سے کچھ افسوس نہیں ہے بلکہ میں اس مخالفت سے بہت خوش ہوں - یہ خوشی اس لیے ہے کہ میں نے یہ کوشش دین میں یا دنیا میں کسی صلہ پانے کی امید پر نہیں کی ہے - میرا قدرتی جوش اس کا مقتضی تھا کہ میں اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کوشش کروں - جوں جوں لوگ گالیاں دیتے ہیں ، جوں جوں تکلیف دیتے ہیں ، جوں جوں برا کہتے ہیں ، میرا

جوش بڑھتا جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ نہیں سمجھتے''
(بہت زور سے چیرز) -

اسی مجلس میں خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے انجمن اسلامیہ اور احباب لاہور کی جانب سے زرِ دعوت پیش کیا جو اس وقت تک پورا وصول نہیں ہو گیا تھا اور جس کی تعداد وصولی اس وقت تک دو ہزار چوہتر روپے تک پہنچ گئی ہے -

اس کارروائی کے ختم ہونے پر لوگوں نے سمجھا تھا کہ ایڈریسوں کے پیش ہونے کا سلسلہ اب ختم ہو گیا مگر دفعتاً اسی مجمع میں سے چند لوگ کھڑے ہوگئے اور باآواز بلند پکارے کہ ہم لوگ انجمن اسلامیہ گجرات کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان کی طرف سے ایک ایڈریس سید صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کو لائے ہیں - ہم کو اس کے پیش کرنے کی اجازت دی جاوے - یہ بزرگ مولوی غلام محمد صاحب ، شیخ محبوب علی صاحب ، شیخ غلام حیدر صاحب ، شیخ فضل کریم صاحب ، شیخ عبدالقادر صاحب تھے - اس کے سننے سے سید صاحب کو حیرت ہوئی ، کیوں کہ اس کا نہ ان کو اور نہ کسی اور کو خیال تھا - سید صاحب نے نہایت احسان مندی سے اجازت دی - شیخ محبوب علی صاحب نے اس ایڈریس کو نہایت خوبی اور ایسی بلند آواز سے پڑھا کہ جو شور ہال میں ہو رہا تھا وہ بھی دب گیا - ایڈریس کا مضمون بھی نہایت عمدہ تھا اور ہر لفظ سے پایا جاتا تھا کہ جو ان کے دل میں تھا اور سید صاحب کے کاموں سے جو اثر ان کے دل میں ہؤا تھا وہی انہوں نے لکھا تھا - شیخ محبوب علی صاحب کے پڑھنے کے بعد

اس ایڈریس کو گجرات کے بنے ہوئے کوفت کاری کے نہایت خوبصورت بکس میں رکھ کر سید صاحب کی نذر کی ۔

ہم دیکھتے تھے کہ سید صاحب کی طبیعت پر زیادہ پکار کر بولنے سے کسی قدر اضمحلال ہے ۔ وہ کسمسا کر اس کا جواب دینے کو کھڑے ہوئے اور بہت مختصر مگر دلچسپ اس کا جواب دیا ۔ سید صاحب کہتے تھے کہ وہ ایڈریس بہت طولانی اور مفصل جواب دینے کے لایق تھی ۔ اگر وہ سب سے اول پیش ہوتی تو تمام وقت اسی کے جواب میں گزر جاتا ۔ مذکورہ بالا ایڈریس اور اس کا جواب ذیل میں مندرج ہے ۔

ایڈریس انجمن اسلامیہ گجرات

بعالی خدمت آنریبل جناب مولوی سید احمد خاں
صاحب بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ، فخرِ اسلام ،
حامیِ قوم ، بانیِ مدرسۃ العلوم علی گڑھ

ہم ممبرانِ انجمن اسلامیہ گجرات کل ممبرانِ انجمن کی طرف سے نیابۃً خدمتِ اقدس میں نہایت عجز و انکسار سے اس ایڈریس کے پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں ۔ انجمن آپ کی ان تمام کوششوں کا ، جو آپ ہمیشہ قوم کی اصلاح و بہبودی کے لیے فرماتے ہیں ، تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے ۔ ہم خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر بجا لاتے ہیں جس نے ایسے وقت میں ، جب کہ قوم کی ناؤ ادبار کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی ، علم سے نا آشنا تھی ، تعصب کے دریا میں غرقاب تھی ، آپ جیسے ناخدا کو اس کشتی کے گرداب سے نکالنے اور اہلِ کشتی کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے

لیے پیدا کیا ۔ آپ کی ان مساعیٔ جمیلہ نے ہماری مردہ قوم میں نیشنیلٹی کی ایک نئی جان ڈال دی ۔ مدت سے مہذّب قومیں ہم کو نیم وحشی اور نامہذّب کہتی تھیں اور ہم ان کے ایسے الفاظ پر کچھ توجہ نہ کرتے تھے ۔ اب ہم سمجھنے لگے ہیں کہ ہم کس حالت ابتر میں پڑے تھے اور اس سے نکلنے کے کیا وسائل ہیں ۔ آپ نے نہ صرف وہ وسائل زبانی بتائے بلکہ نہایت احسن طور پر مہیا بھی کر دیے ۔ محمڈن اینگلو اوریئنٹل کالج علی گڑھ آپ نے ایسا عالی شان دارالعلوم بنا دیا جس کو قوم کے لیے تمام ترقیوں کی بنا اور تمام کمالات کی بنیاد تصور کرنا چاہیے ۔ بالتخصیص ہم آپ کی ان مساعیٔ جمیلہ کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری سمجھتے ہیں جو مذہب اسلام کے حقایق و معارف کے ظاہر کرنے میں دکھلائے ہیں ۔ ہم یہ بات بھول نہیں سکتے کہ ہماری قوم ، جو حقیقت میں مختلف النسل قوموں کا مجموعہ ہے ، صرف مذہب اسلام کے ہی رشتے سے ایک قوم کہلاتی ہے ۔ مذہب اسلام کے ہی ذریعے سے مسلمانوں نے نہایت اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کی تھی اور اب اپنی بدبختی اور نالایقی کے سبب سے مذہب اسلام کو ایک ایسی چیز بنا دیا ہے جو بلا مبالغہ ہماری تمام خرابیوں کی جڑ اور تمام بدیوں کی بنیاد کہا جا سکتا ہے ۔ مگر آپ نے اپنی کمال تحقیق سے دنیا پر یہ بات روشن کر دی کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو علوم کی روشنی کا خوب مقابلہ کر سکتا ہے ۔ اگر نظر تحقیق سے دیکھا جاوے تو علم سے ، عقل سے ، فطرت سے ، تجربے سے اور ہر طرح سے سچا ہی سچا ہے ۔ اس بات میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے تمام تنزّل و بربادی کا اصلی سبب صرف یہی تھا کہ ہم نے اپنی ناسمجھی سے مذہب و معاشرت کو ، جو بالکل اور

بالاستقلال علیحدہ علیحدہ شے ہیں ، ایسا خلط ملط کر دیا تھا کہ ان میں کوئی تمیز باقی نہ رہی ۔ اور ایک سے نکلنا بغیر دوسرے سے خارج ہونے کے محض ناممکن ہوگیا جس سے کہ ترقی معاشرت کا رستہ بالکل مسدود ہو گیا ۔ اب یہ عقدۂ امتیاز صدہا برس کے بعد آپ نے ہی حل کر دکھلایا کہ جس سے ہم نے مذہب و معاشرت کو جدا جدا سمجھا ، اور حدیث ''انتم اعلم'' کی رمز کے سمجھنے کے آپ ہی مصداق ہوئے ، اور اسلام کے دریا کو اپنے اصلی بہاؤ پر لائے اور قوم کو اسی عروج و ترقی کے مدارج پر پہنچانے کی کوشش کی ہے ۔ ہمارا شہر ایک چھوٹا سا شہر ہے اور بلحاظ علم و فضل کے اس قابل نہیں ہے کہ آپ کی بیش بہا قومی خدمات کی پورے طور سے قدر کر سکے ۔ یہ صرف آپ کی کوشش اور اسلام کی برکت ہے جو نور اسلام رفتہ رفتہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتا جاتا ہے ۔ آخر میں ہم اس ایڈریس کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپ جیسے ہادیِ حقیقت ، حامیِ قوم کا سایہ ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے تاکہ نورِ اسلام آپ کی بدولت ملکوں ، جنگلوں اور پہاڑوں میں پھیلے ۔ آمین ، ثم آمین !''

شیخ غلام محمد سیکرٹری ، شیخ فضل کریم اسسٹنٹ سیکرٹری ، شیخ غلام حیدر ممبر ، ماسٹر محمد عبدالعزیز ممبر ، شیخ میراں بخش ، چراغ دین ، نور احمد ، شیخ محبوب علی ۔

سید صاحب کا جواب

''اے بزرگان و برادرانِ ساکنانِ گجرات !

آپ نے جو اس دور دراز مقام سے سفر کرکے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا کی اور ایک ایڈریس مجلسِ اسلامیہ گجرات کی طرف سے میرے سامنے پیش کی ، اس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس وقت کہ میں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں سفر کیا تو لوگوں نے میری وہ عزت کی جس کے لایق میں نہ تھا۔ مجھ کو ان ایڈریسوں سے ، جو مختلف مقاموں میں مجھ کو دی گئیں ، اور ان مہربانیوں سے ، جو ہر ایک مقام کے بزرگوں نے میرے ساتھ کیں ، بہت فخر حاصل ہؤا ہے ۔ مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی اس ایڈریس سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے اور جو عزت اس کے پیش ہونے سے میں اپنی سمجھتا ہوں وہ ان سب سے زیادہ ہے ۔ اور مقاموں میں میرے معزز عالی درجہ دوست موجود تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ جو کچھ ان مقاموں پر میری عزت کی گئی وہ صرف ان بزرگوں کی محبت اور عالی حوصلگی کے سبب سے ہوئی جنھوں نے ایک شیشے کے ریزے کو ہیرے کے مول پر خریدا ۔ لیکن گجرات ایک ایسا مقام ہے جس کے کسی شخص سے بھی میں واقف نہیں ہوں ۔ وہاں کے بزرگوں سے بجز اخوتِ اسلامی ، جو بلاشبہ نہایت مستحکم رشتہ ہے ، اور کسی طرح کا تعلق نہیں رہا ہے ۔ ہاں وہ میرے اس وجہ سے مخدوم ہیں کہ میں اپنے تئیں تمام قوم کے خادم ہونے کے لائق ہونا خدا سے مانگتا ہوں ۔ گو گجرات کے بزرگ میری آنکھ سے دور ہوں مگر میرے دل سے دور نہیں ۔ پس ایسے شہر سے ، جس کے ساتھ ظاہری تعلقات نہیں ہیں ،

مجھ جیسے ناچیز کے لیے ایک ایڈریس کا آنا بلاشبہ نہایت عزت اور نہایت قدر اور سب ایڈریس پر ترجیح دینے کے لائق ہے ۔ بھائیو! اس ایڈریس کے سننے سے ایک اور بھی خوشی مجھے ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے میری ناچیز تحریروں کو ایسا سمجھا ہے کہ جن سے اسلام کی حقیقی پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے ۔ بلاشبہ اسلام ایسا ہی پاک ہے اور خدا سے امید ہے کہ ہمارے دل میں جس قدر کہ ہم اس کی اصلیت پر غور کریں گے تو اس کی پاکیزگی زیادہ منقش ہوتی جاوے گی ۔ مدت سے میں اس خیال میں تھا کہ ہماری قوم کی یہ حالت ہوگئی ہے جیسے ایک بند پانی ۔ نہ اس میں اور کسی طرف سے پانی آتا ہے ، نہ اس میں خود حرکت ہے ۔ وہ روز بروز میلا اور گدلا ہوتا جاتا ہے ۔ مگر آپ کے تشریف لانے اور اس ایڈریس کے پیش کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اب ایک جوش پیدا ہوگیا ہے اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان میں کچھ نقص ہے ۔ اب ہر جگہ سے اس کی صدا آتی ہے کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیے ۔ یہ یقین مجھ کو آپ ہی کی ایڈریس نے دلایا ہے ۔ اس لیے میں خدا کا اور آپ کا شکر ادا کرتا ہوں (چیرز) ۔،،

اس کارروائی میں بہت عرصہ گزرا اور ہال میں بسبب ہجوم لوگوں کے سکوت بھی نہ تھا اور لیکچر کا دیا جانا ، جس کا مضمون بھی طولانی تھا ، ناممکن تھا ۔ اور اس قدر تکلیف کے بعد سید صاحب کسی طرح اس کو درستی سے ادا نہیں کر سکتے تھے ، اس لیے سب دوستوں نے سید صاحب کو زیادہ تکلیف دینا پسند نہ کیا ، بلکہ خیال کیا کہ زیادہ محنت ان کے مضر صحت ہوگی ۔ آپس کی صلاح سے خان بہادر ڈاکٹر رحیم خاں صاحب آنریری سرجن اپنی کرسی پر سے اٹھے اور کہا کہ ہم لوگ یہ تجویز کرتے ہیں

کہ سید صاحب نے جو اس وقت اس قدر محنت کی ہے اور متعدد ایڈریسوں کے بہت زور سے جواب دیے ہیں ، وہ ضرور تھک گئے ہوں گے - اس امر پر غور کیا جاوے اور اس لیے میں تحریک کرتا ہوں کہ اب کارروائی ختم کی جاوے اور کوئی اور تکلیف کسی بیان یا لیکچر کی سید صاحب کو نہ دی جاوے -

شیخ غلام حسن صاحب اور خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے اس تحریک کی تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوئی اور جلسہ برخاست ہؤا -

سید صاحب کو آج کے جلسے کا بغیر لیکچر کے ختم ہو جانے کا نہایت افسوس تھا - وہ نہایت شوق سے لاہور سے بڑے شہر میں لیکچر دینے کو تیار ہوئے تھے - وہ اس بات سے خوش تھے کہ مسلمانوں کی سوشل حالت اور انگریزوں کے ساتھ برتاؤ پر جو لیکچر وہ جالندھر میں دینا چاہتے تھے ، اور وہاں نہ دیا گیا تھا ، اس کو لاہور میں دیں گے کیوں کہ وہ مضمون لاہور سے بڑے شہر میں زیادہ مفید تھا - اور جو دوستانہ برتاؤ مسٹر پارکر صاحب نے کیا تھا وہ ایک عمدہ نظیر اس سبجیکٹ کے لیے ہاتھ آئی تھی - علاوہ اس کے اس دس برس کے زمانے میں جو پنجاب نے تعلیم میں اور ہر قسم کی باتوں میں ترقی کی ہے اس کی مبارک بادی گورنمنٹ پنجاب کو اور پنجاب کے لوگوں کو دینے والے تھے - مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ سید صاحب کا ارادہ پنجاب یونیورسٹی کی نسبت بھی بہت کچھ کہنے کا اور لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کا تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کو وہ کس طرح اپنے لیے زیادہ فائدہ رساں کر سکتے ہیں - پنجاب سے مراجعت کے وقت جالندھر کے لیکچر

میں انہوں نے کچھ اشارہ اس کی نسبت کیا مگر لاہور میں اس پر بہت زیادہ تفصیل سے ضرور گفتگو کرتے ۔ مجھ کو بخوبی معلوم تھا کہ سید صاحب کو لاہور میں لیکچر دینے کا کس قدر شوق تھا اور مجھ کو وہ مضامین بھی معلوم تھے جن پر وہ لیکچر دیتے ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر پورا لیکچر ، جیسا کہ سید صاحب کے دل میں تھا ، دیا جاتا تو تین گھنٹے سے کم میں ہرگز ختم نہ ہوتا ۔ بہرحال جو ہؤا سو ہؤا ۔ الخیر فیما وقع ۔

جو روپیہ کہ برٹش انڈین ایسوسی ایشن لاہور نے عطا فرمایا ہے ، اس روپے سے مدرسۃ العلوم میں ایک پختہ بورڈنگ ہاؤس بنانا تجویز ہؤا جس کی پیشانی پر پتھر میں کندہ ہو کر مندرجہ ذیل کتبہ لگایا جاوے گا :

"از زرِ عطیہ

ممبران ایسوسی ایشن لاہور

کہ بذریعہ جناب سردار دیال سنگھ بہادر پریسیڈنٹ ایسوسی ایشن بتاریخ سوم فروری سنہ ۱۸۸۴ء بہ تقریب دعوت سید احمد خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی عطاً فرمودند

تعمیر یافت"

جو روپیہ ممبرانِ انجمنِ اسلامی و دیگر احبابِ لاہور نے عطا فرمایا ہے اس روپے سے بھی مدرسۃ العلوم میں ایک پختہ بورڈنگ ہاؤس بنانا اور مندرجہ ذیل کتبہ اس پر لگانا قرار پایا ہے :

"از زرِ عطیہ

ممبرانِ انجمنِ اسلامیہ و دیگر احبابِ لاہور

کہ بذریعہ جناب خان بہادر محمد برکت علی خان صاحب حامیِ انجمنِ مذکور بتاریخ سوم فروری سنہ ۱۸۸۴ء بہ تقریبِ دعوت سید احمد خان بہادر سی - ایس - آئی عطا فرمودند

تعمیر یافت"

سید صاحب کا مستقل لیکچر اسلام پر تو پہلی فروری کو ہو چکا تھا، جس کو سب سے اخیر لکھنے کا میں نے ارادہ کیا ہے - مگر بعض دوستوں نے، جو یہ بات چاہتے تھے کہ آج شام کو سید صاحب مذہبِ اسلام کی دو ایک خاص خاص باتوں پر چند اپنے احبابِ خاص کے سامنے کچھ بیان کریں یا ایک چھوٹا سا لیکچر دیں، وہ اس سبب سے کہ سید صاحب بہت تھک گئے تھے اور خود اُن کے دوستوں کو منظور نہ تھا کہ وہ زیادہ تکلیف اٹھائیں، اس لیے وہ لیکچر ملتوی رہا - اب میں اُس لیکچر کا ذکر کرتا ہوں جو اسلام پر دیا گیا تھا - میری خواہش تھی کہ اُس کے تمام حالات اورکارروائیوں سے علیحدہ اور ممتاز رہیں، اس لیے میں نے اُس کو سب سے اخیر لکھنا مناسب سمجھا تھا -

حالات متعلق لیکچر اسلام

لاہور کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بڑی خواہش تھی کہ سید صاحب اسلام پر ایک لیکچر دیں - علی گڑھ میں بھی اس

مضمون کے خطوط آن کے پاس پہنچے تھے ، مگر آنھوں نے آن پر کچھ خیال نہیں کیا تھا اور یہ کہہ کر ڈال دے تھے کہ میں واعظ نہیں ہوں کہ ممبروں پر بیٹھ کر مذہب کا وعظ کرتا پھروں۔ لیکن جب وہ لاہور میں آئے تو آنھوں نے چھپا ہؤا پروگرام دیکھا جس میں لکھا تھا کہ اکتیسویں جنوری کو سید صاحب اسلام پر لیکچر دیں گے اور گویا عموماً سب لوگوں کو اجازت ہی تھی کہ جو چاہے اُس لیکچر میں آوے۔

سید صاحب کو یہ بات پسند نہ تھی۔ اول تو آن کو یہ عذر تھا کہ میں کوئی واعظ نہیں ہوں ، نہ کسی کو کسی مذہب کی ہدایت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اس طرح عام طور پر لیکچر دینا بے معنی بات ہے۔ دوسرے اس قسم کے لیکچر میں عوام کے جمع ہونے سے ، جو آن مضمونوں کے سمجھنے کی کچھ بھی لیاقت نہیں رکھتے ، کیا فائدہ ہوگا ؟ تیسرے آنھوں نے کہا کہ میں کسی مسجد میں جا کر تو لیکچر دینے سے رہا اور کسی ایسے مکان میں ، جو سرکار سے علاقہ رکھتا ہو ، میں مذہبی معاملے میں لیکچر دینا پولیٹکل مصلحت کے برخلاف سمجھتا ہوں۔ پس ایسا مکان کہاں ہے اور اس کا انتظام کیوں کر ہو سکتا ہے جس میں اس طرح عام طور پر لیکچر دیا جاوے۔ غرض کہ آنھوں نے لیکچر دینے سے انکار کر دیا۔

نوجوان تعلیم یافتہ سید صاحب کے اس انکار سے نہایت مضطر اور پریشان ہوئے اور آپس میں کانا پھوسی کرتے تھے کہ کسی طرح سید صاحب کو راضی کیا جائے۔ میں بھی دبی زبان سے سید صاحب سے کہتا تھا کہ اس میں کچھ مضایقہ تو نہیں ہے۔ اور اگر

آپ لیکچر نہ دیجیے گا تو ان لوگوں کے دل ، جو شوق سے بھرے ہوئے ہیں ، پژمردہ ہوجاویں گے - حاجی محمد اسماعیل خاں صاحب بھی موقع بموقع سید صاحب کو لیکچر دینے پر آمادہ کرتے تھے کیونکہ ہم دونوں کو بھی اُس لیکچر کے سننے کا نہایت اشتیاق تھا - سید صاحب کی عنایت مولوی ممتاز علی صاحب پر بہت زیادہ ہے اور اُن سے بہت محبت کرتے ہیں - تمام تعلیم یافتہ نوجوانوں نے مولوی ممتاز علی صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ سید صاحب سے لیکچر دینے پر اصرار کریں - ہماری کچھ خاطر تو سید صاحب نے نہ کی ، جس کی ہم کو شکایت ہے ، مگر مولوی ممتاز علی صاحب کے اصرار سے لیکچر دینے پر راضی ہوئے - اس شرط پر کہ اسی کوٹھی میں ، جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں ، لیکچر ہو اور خاص خاص آدمی ، جو اُس قسم کا لیکچر سننے کے قابل ہوں ، وہی بلائے جاویں ، اور پہلی فروری کو شام کے وقت لیکچر دینا قرار پایا - مولوی ممتاز علی صاحب نے بذریعہ اپنی خاص تحریر کے اُن لوگوں کو ، جن کو اُنھوں نے مناسب سمجھا ، اطلاع دی - خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے لیکچر کا انتظام کیا اور کرسیاں اور سرخ ٹول کی مڈھی ہوئی بینچیں کہیں سے منگا کر اور جھاڑ اور فانوس روشن کر کے مکان کو آراستہ کیا -

وقت معین پر جو لوگ بلائے گئے تھے اور اُن کے سوا اور لوگ بھی ، جن کو اتفاقیہ لیکچر کی خبر ہوئی تھی ، جمع ہوئے - قریب سوا سو ڈیڑھ سو آدمی کا مجمع ہو گیا تھا - جب سات بجے تو خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب سید صاحب کے کمرے میں تشریف لائے اور کہا کہ کوٹھی کے بڑے ہال میں سب کے سب منتظر ہیں - سید صاحب اُٹھے اور خان بہادر کے ہمراہ بڑے ہال میں

تشریف لے گئے ۔ لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے چیرز دی ۔ سید صاحب ایک لمحہ اپنی کرسی پر بیٹھے اور پھر کھڑے ہوئے اور مندوجہ ذیل لیکچر دیا ، جس کو اس عاجز نے دل لگا کر حتی المقدور لفظ بلفظ قلمبند کر لیا ۔ ادھر اُن کی زبان سے جو لفظ نکلتے تھے دل کو کھینچتے تھے ، اُدھر یہ خوف کہ کہیں کچھ لکھنے سے نہ رہ جاوے ، عجب کش مکش میں مبتلا تھا ۔ مگر جس طرح پر ہؤا میں نے اُس کو لکھا ہے ۔ ہمارے دوست منشی محرّم علی صاحب چشتی کسی قدر ناراض ہوئے کہ ہم نے اُسی وقت وہ لیکچر اُن کو کیوں نہ دیا ، مگر اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جب میں اُس لیکچر کو صاف کرنے بیٹھا ہوں تو خود میرا لکھا ہؤا مجھ سے نہیں پڑھا جاتا تھا ۔ گھنٹوں میں مطالعے کے بعد فقرے پڑھے جاتے تھے ۔ پس اُمید ہے کہ وہ ہم کو معاف کریں گے ۔

سید صاحب کا لیکچر اسلام پر

''اے برادرانِ دینی !

آپ جو اس وقت اس غرض سے تشریف لائے ہیں کہ مذہب اسلام کے متعلق جو میرے خیالات ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کروں ، اُس کے لیے میں آپ کا شکر کرتا ہوں ۔ جو احباب میرے خیالات کے سننے کے مشتاق ہیں مجھے اُن کے سامنے اپنے خیالات کے بیان کرنے میں کچھ عذر نہیں ۔ مگر قبل اس کے کہ میں اُن کو بیان کروں ، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک جاہل آدمی ہوں ۔ نہ مولوی ہوں نہ مفتی اور نہ قاضی اور نہ واعظ ۔ نہ میری یہ خواہش ہے کہ کوئی شخص ، گو وہ میرا کیسا ہی دوست سے دوست

ہو ، میرے خیالات کی پیروی کرے ۔ میں رسولوں کے سوا کسی شخص کو ایسا منصب نہیں سمجھتا کہ (اُن باتوں میں جو خدا اور بندوں کے درمیان دلی اور روحانی امور سے متعلق ہیں اور جس کو مذہب کہتے ہیں) وہ یہ خواہش کرے کہ لوگ اُس کی پیروی کریں ۔ یہ منصب رسولوں کا تھا اور آخر کو جناب رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلعم پر ، جن کا ازلی مذہب خدا ابدالاباد تک قائم رکھے اور ضرور قائم رکھے گا ، کیونکہ جیسا وہ ازلی ہے ابدی بھی ہے ، ختم ہو گیا (چیرز) ۔ لیکن میں اپنے خیالات جو کچھ بیان کروں گا پہلے اُن کا منشاء ظاہر کرنا چاہتا ہوں ۔ میرے خیال میں یہ بات ہے کہ دنیا میں ، جب سے کہ وہ آباد ہوئی اور جب سے کہ خدا نے انبیاء و رسل کے مبعوث کرنے کا سلسلہ قائم کیا ، اُس وقت سے آج تک دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے رہے ہیں ، اور اس زمانے میں بھی موجود ہیں ۔ ایک وہ جن کی نسبت خدا نے فرمایا کہ جس کو میں چاہتا ہوں ہدایت کرتا ہوں ۔ دوسرے وہ جن کی نسبت اُس نے اپنے رسول سے کہا کہ تو جن کو ہدایت کرنی چاہتا ہے ہدایت نہیں کر سکتا ۔ تو کتنی ہی کوشش کر ، اپنی جان تک کیوں نہ کھو دے ، وہ ایمان نہیں لانے کے ۔ (واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین) ۔ یہی دو قسم کے لوگ ہیں جن کی تصریح قرآن مجید سے پائی جاتی ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے یا ایمان لاتے ہیں ، خدا نے اُن کی خلقت ، طبیعت ، فطرت یا اُن کا نیچر ایسا بنایا ہے جس میں ایمان لانے کا یا کافر ہونے کا سادہ موجود تھا یا موجود ہے ، کیونکہ جو چیز انسان کی فطرت میں ہے اُس میں تبدیلی نہیں ہو

سکتی ۔ اُس کا بدل دینا خود اُس انسان کی یا دوسرے انسان کی طاقت سے ، گو کہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو ، خارج ہے ۔

یہ امر روزمرہ ہماری زندگی کے تمام کاموں میں پیش آتا ہے ۔ دنیا میں بہت سے ایسے امر پیش آتے ہیں جن کی صداقت کی دلیلیں ہم نہیں جانتے مگر دل میں از خود لامعلوم اسباب سے ایک ایسی بات پیدا ہوتی ہے جس سے اُس کی صداقت پر پورا یقین ہوتا ہے ۔ اسی طرح اسلام کی کیفیت ہے ۔ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی جو گزر گئے یا جو اب موجود ہیں ، اور وہ بھی جو رسول خدا صلعم کے زمانے میں موجود تھے ، ایسے تھے کہ اُن کا دل ہدایت اور ارشاد کو قبول کرتا تھا اور وہ اُس کی سچائی پر یقین کامل کرتے تھے ، گو کہ اُس کی صداقت کی دلیلوں سے اُن کو کچھ واقفیت نہ تھی ۔ اس کا سبب یہی تھا کہ خدا نے اُن کے دل اس طرح کے بنائے تھے کہ وہ ذرا سی ہدایت سے صراط مستقیم کو مان لیتے تھے ۔ اُن کا دل اُس ہدایت کو قبول کر لیتا تھا اور وہ ایمان لے آتے تھے (چیرز) ۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس کی یہ رحمت اس زمانے میں بھی ہزاروں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں پر مبذول ہے کہ وہ لوگ دل سے اسلام پر یقین رکھتے ہیں ، گو وہ اُس کی صداقت کے دلایل منطق و فلسفہ کے اصول پر نہیں جانتے ۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ جو لوگ بلا فلسفی دلیل و حجت کے اسلام پر یقین کرتے ہیں یا یقین رکھتے ہیں ، اُن کا ایمان اور اُن کا یقین بہ نسبت اُن لوگوں کے ، جو دلیل و حجتِ فلسفہ سے اپنے عقیدے کو مستحکم کرتے ہیں ، بہت زیادہ مستحکم ہے ، کیونکہ اُن کے دل میں کسی قسم کے شک و شبہ نے راہ نہیں پائی اور نہ راہ پانے کی اُس میں گنجایش ہے ۔ یہی لوگ اہلِ جنت ہیں جو سیدھے بہشت

میں جاویں گے (چیرز) -

مجھ کو اپنے ملک کا ایک قصہ یاد ہے - ہماری طرف رانگھڑ ایک قوم ہے جو کسی زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی - اُن کے ہاں شاید جناب مولوی اسماعیل کے زمانے سے پیشتر تک ہندوؤں کی تمام رسمیں جاری تھیں - دھوتی باندھتے تھے ، اُلٹے پردے کا انگرکھا پہنتے تھے ، قاضی نکاح باندھتا تھا اور بامن پھیرے پھرواتا تھا - اور بھی بہت سی ہندوؤں کی رسمیں اُن میں مروج تھیں - اتفاق سے ایک مسلمان اُن کے ایک گاؤں میں گزرا - وہ پیاسا تھا ، پانی پینا چاہتا تھا - اُس نے دیکھا کہ پانی بھرا ہوا ایک مٹکا رکھا ہے مگر اُس کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں یا ہندو ؟ اور وہ پانی ہندوؤں کا ہے یا مسلمانوں کا ؟ اس لیے اس نے پوچھا کہ یہ پانی مسلمان کا ہے یا ہندو کا ؟ جس شخص سے اُس نے پوچھا اُس نے نہایت درشتی سے جواب دیا کہ تو اندھا ہے ، یہ نہیں دیکھتا کہ پانی کے مٹکے پر کلھڑ (یعنی مٹی کا آبخورہ پانی پینے کو) رکھا ہے - گویا یہ مسلمانی کی ایک علامت تھی کہ سب لوگ ایک آبخورے سے پانی پیتے ہیں - اُس نے درشتی اس لیے کی کہ باوجود مسلمانی کی علامت موجود ہونے کے اُس نے اُن کے مسلمان ہونے میں شبہ کیا - اے بھائیو ! جب کہ وہ قوم ایسی جاہل تھی تو وہ مسائل اسلام اور فلسفی دلائل صداقت اسلام کو کیا جانتے ہوں گے - بجز خدا اور رسول پر یقین ہونے کے اور کوئی بات ، جس سے وہ اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے ، اُن میں نہ تھی - مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں اُن کے ایمان کو (میں اور کسی کو کیوں کہوں) اپنے ایمان سے تو بہت زیادہ مستحکم جانتا ہوں (چیرز) - اے بھائیو ! ایسے شخصوں کا ایمان نہایت مستحکم اور اعلیٰ

درجے کا ہوتا ہے جن کو کسی طرح کا نہ کچھ شک ہے ، نہ دل میں کسی طرح کا کچھ شبہ ہے ۔ خدا اور رسول پر وہ دل سے یقین رکھتے ہیں اور جو کوئی اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے اُس کو مسلمان جانتے ہیں ۔ خدا کے جاننے اور رسول پر یقین کرنے کے لیے اُن کو کسی منطقی دلیل اور فلسفی برہان کی حاجت نہیں ۔ کیسی ہی کوئی بات خارج از عقل و ناقابل یقین اُن کے سامنے صحیح یا غلط بیان کی جاوے ، یہ کہہ کر کہ خدا اور رسول نے فرمایا ہے ، وہ اُس پر یقین کریں گے ۔ پس ایسے لوگ ہماری بحث سے بالکل خارج ہیں ۔ میں اُن کو یقین کا ستارہ اور اسلام پر یقین رکھنے کا نمونہ سمجھتا ہوں اور ٹھیک مسلمان جانتا ہوں ۔

مگر دوسرا فرقہ بھی ہے جو ہر چیز کی صداقت کے لیے دلیل چاہتا ہے ۔ وہ اس بات کا خواہش مند ہے کہ اسلام کے عقاید فلسفی دلایل سے اُس کو بتائے جاویں ۔ اُس کے دل کے شبہے مٹائے جاویں تاکہ اس کے دل کو تشفی حاصل ہو ۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ دل میں تو دھوکڑ پکڑ ہو اور وہ زبان سے لوگوں کے ڈر سے ، سوسائٹی کے دباؤ سے ہاں ہاں کہا کرے ۔ یہی لوگ وہ ہیں جو ہمارے مخاطب ہیں اور جن سے ہم کو بحث ہے ۔

جس زمانے میں خلفائے عباسیہ کی سلطنت رونق پر تھی اور مسلمانوں کا ستارہ نہایت عروج پر تھا ، اُس وقت مسلمانوں میں یونانی فلسفے ، علمِ طبعی نے کثرت سے رواج پایا تھا ۔ اُس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ بہت سے مسائل میں ، جو اسلام سے متعلق تھے ، لوگوں کو شبہ پیدا ہؤا ، کیونکہ جو لوگ اُن مسائل فلسفہ اور علمِ طبعی کو سچ جانتے تھے اور اُن میں اور اسلام کے اُس وقت کے

موجودہ یا مجتہدہ مسائل میں اختلاف پاتے تھے ، تو آن کو اسلام کی نسبت شبہ پیدا ہوتا تھا ۔ اگر تاریخ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمانہ اسلام پر ایسے سخت حملے کا تھا کہ اسلام کے سخت سے سخت دشمن کے سخت سے سخت حملہ کرنے سے بھی آس سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا ۔ تمام علماء کو آس وقت اسلام کی حمایت کی ضرورت پڑی اور انہوں نے اس کی حمایت اور اس کی نصرت میں کوشش کی ۔ خدا ان کی کوششوں کو قبول کرے ۔ انہوں نے اسلام کی حمایت کے تین طریقے قرار دیے : اول یہ کہ جو مسائل یونانی حکمت و فلسفہ کے اسلام کے مسائل کے برخلاف تھے ، ان کی غلطی ثابت کر دیں ۔ دوسرے یہ کہ ان حکمی اور فلسفی مسائل پر اس قسم کے اعتراض وارد کر دیں کہ جن سے وہ مسئلے خود مشتبہ ہو جاویں ۔ تیسرے یہ کہ اسلام کے مسائل اور ان حکمی و فلسفی مسائل میں تطبیق کر دیں ۔

اسی مباحثے کی غرض سے مسلمانوں میں ایک نیا علم پیدا ہؤا جس کو علم کلام کہتے ہیں اور جس کی کتابیں آج تک ہمارے مذہب کے علماء کی درس و تدریس میں داخل ہیں اور جن پر وہ بہت کچھ افتخار رکھتے ہیں ۔ یہی باعث ہؤا کہ بہت سے مسائل یونانی فلسفے اور علم طبعی کے ، جو تیسری قسم کے تھے ، مسلمانوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں شامل کر لیے اور رفتہ رفتہ مثل مذہبی مسائل کے تسلیم ہونے لگے ، حالانکہ ان کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔ اور اس زمانے میں ان کا جدا کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے ۔ پس میرا یہ خیال ہے کہ جس زمانے میں اسلام کی ایسی حالت ہو اور اس پر ایسا ہی حملہ ہو ، جیسا کہ اس زمانے

میں ہؤا تھا ، تو ہم کو بقدر اپنی لیاقت کے ویسی ہی کوشش کرنی چاہیے جیسی کہ ہمارے بزرگوں نے اگلے زمانے میں کی تھی ۔

اے دوستو ! تم خوب جانتے ہو کہ اس زمانے میں جدید فلسفہ و حکمت نے شیوع پایا ہے جس کے مسائل ان اگلے مسائل سے بالکل مختلف ہیں اور جو ایسے ہی برخلاف مسائل اسلام کے ، جو اس وقت مروج ہیں ، پائے جاتے ہیں ، جیسے کہ اس زمانے میں تھے ۔ بلکہ سخت مشکل یہ آ پڑی ہے کہ یونانی مسائل علمِ طبعی کے ، جن کی غلطی اب ثابت ہوئی ہے اور جن کو اس زمانے کے علماء نے مثل مذہبی مسائل کے مان لیا تھا ، جیسا کہ میں نے ابھی کہا ، اُس سے اور زیادہ مشکل ہو گئی ہے ۔

اے دوستو ! ایک اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس زمانے کی تحقیقات اور یونانی حکمت کے زمانے کے مسائل میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اُس زمانے میں جو حکمت کے مسائل تھے وہ زیادہ تر عقلی اور قیاسی دلیلوں پر مبنی تھے ۔ تجربے اور مشاہدے کی بنا پر قایم نہیں ہوئے تھے ۔ ہمارے بزرگوں کو نہایت آسانی تھی کہ مسجدوں اور خانقاہوں کے حجروں میں بیٹھے بیٹھے قیاسی مسائل کو قیاسی دلائل سے اور عقلی کو عقلی براہین سے توڑتے پھوڑتے رہیں اور اُن کو تسلیم نہ کریں ۔ مگر اس زمانے میں نئی صورت پیدا ہوئی ہے جو اُس زمانے کے فلسفہ و حکمت کی تحقیقات سے بالکل علاحدہ ہے ۔ اب مسائلِ طبعی تجربے سے ثابت کیے جاتے ہیں اور وہ ہم کو دکھلا دیے جاتے ہیں ۔ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں جو قیاسی دلائل سے اُٹھا دیے جاویں یا اُن تقریروں اور اصولوں سے ، جو اگلے زمانے کے عالموں نے قرار دیے ہیں ، ہم اُن کا مقابلہ کر

سکیں ۔ مثلاً آسمانوں کے خرق و التیام کا مسئلہ ، جو ہمارے ہاں کے علم طبعی کا بہت بڑا مسئلہ ہے اور آج تک درس و تدریس میں رہا ہے ، اور جو اصول علم طبعی کے مذہب اسلام میں تسلیم کر لیے گئے ہیں ، ان سے بھی اس کو بڑا تعلق ہے ۔ اب وہ مسئلہ کس کام کا ہے اور اس کے پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ ہے جب کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جس طرح اگلے حکماء یا علماء نے آسمانوں کا وجود قرار دیا تھا وہی غلط تھا ۔ اب تو اس بات پر غور کرنی لازم ہے کہ آسمان سے کیا مراد ہے اور اس کے لیے جدید اصول و مسائل ایجاد کرنے کی ضرورت ہے ، نہ ان بوسیدہ و از کار رفتہ مسائل کے یاد کرنے کی (چیرز) ۔

ایک بہت بڑی بحث ہمارے ہاں ہیولا و صورت کی تھی ۔ اگر یونانی فلسفے کے مطابق ہیولا تسلیم کیا جاتا تھا تو معاد کا وجود ، جو ایک اہم مسئلہ مذہب اسلام کا ہے ، باطل ہوتا تھا ۔ اس پر علمائے اسلام نے بہت بڑی بحث کی جو کسی قدر بے سود اور کسی قدر ناکافی تھی ۔

بہرحال اس زمانے کی حکمت طبعی میں ہیولا کی کچھ بحث نہیں ہے بلکہ تمام اجسام کی ترکیب اجزائے صغار سے تسلیم کی جاتی ہے ۔ پس اب ہیولا و صورت کی بحث سے ، جو ہمارے ہاں تعلیم دینی اور دنیاوی دونوں میں داخل ہے ، کیا فائدہ ہے ؟ ایسے اور بہت سے مسائل ہیں جو اسی طرح مثالاً بیان ہو سکتے ہیں ۔

اے دوستو ! مجھ کو معاف کرو گے اگر میں یہ کہوں کہ ایک بہت بڑا ضروری امر ، جو ان علماء کے خیال سے رہ گیا ، وہ یہ تھا کہ انھوں نے یونانی حکمت و فلسفہ کے مقابلے میں تو بہت

کچھ کیا مگر اس بات میں کچھ نہیں کیا یا بہت ہی کم کیا کہ جو کچھ وہ خود مذہب اسلام کو بیان کرتے تھے اس پر منکر اسلام یا مشکک فی‌الاسلام کے دل کو کیونکر تشفی ہو - یہ کہہ دینا کہ اسلام میں یونہی آیا ہے ، اس کو ماننا چاہیے ، یہ تو نہ یقین کو اور نہ ان لوگوں کی تشفی کو کافی ہے (چیز) -

ایسی ہی اور بہت سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اس زمانے میں نئے طریقے بحث کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو ضرورت ہے ، کیونکہ جو شخص اسلام کو برحق سمجھتا ہے اور اس پر پورا یقین رکھتا ہے ، اس کا دل گواہی دے گا کہ گو منطق و فلسفہ اور علم طبعی میں کتنی کچھ تبدیل ہو جاوے اور مسائل حقہٗ اسلام کے وہ کیسے ہی مخالف معلوم ہوتے ہوں ، مگر اسلام ہی سچا ہے - یہ بات سچے اور سادہ دل سے اسلام پر یقین رکھنے والوں کے لیے تو کافی ہے مگر منکرین یا مشککین کے لیے کافی نہیں - علاوہ اس کے یہ کچھ حمیت کا کام نہیں ہے کہ منہ سے تو یہ کہیں کہ اسلام سچا ہے مگر ان جدید مسائل حکمت و فلسفہ کے مقابلے میں اس کی تائید نہ کریں - اس لیے اس زمانے میں مثل زمانۂ گزشتہ کے ایک جدید علم کلام کی حاجت ہے جس سے یا تو ہم علوم جدیدہ کے مسائل کو باطل کر دیں یا ان کو مشتبہ کر دیں ، یا اسلامی مسائل کو ان سے مطابق کر دکھلائیں - اس وقت جو بزرگ اس جلسے میں موجود ہیں میں ان سب سے بخوبی واقف نہیں ہوں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس جلسے میں بہت سے ذی علم لوگ بھی موجود ہیں - میں نہایت صدق دل سے ان کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں اور وہ پوری کوشش حال کے علم طبعی و فلسفہ کے مسائل کے اسلامی مسائل سے تطبیق

دینے یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں نہ کریں گے ، وہ سب گنہگار ہیں اور یقیناً گنہگار ہیں ۔ اگر ان میں سے ایک دو بھی اس کام کو انجام دیں گے تو بیشک فرضِ کفایہ ادا ہو جاوے گا (چیرز) ۔

میں ایک شخص ہوں جس کا یہ یقین ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو جدید فلسفے اور جدید علومِ طبعی سے ، جو انگریزی زبان میں ہیں ، بخوبی واقف ہو اور ان تمام اسلامی مسائل پر ، جو اس زمانے میں اسلامی مسائل کہلاتے ہیں ، یقین رکھتا ہو ۔ انگریزی خوانِ نوجوان اور بجے مجھے معاف کریں گے ۔ میں نے کوئی انگریزی-خوان ، جس کو انگریزی علوم کا مذاق بھی حاصل ہو گیا ہو ، ایسا نہیں دیکھا جس کو پورا پورا یقین ہمارے زمانے کے مروجہ مسائلِ اسلام پر ہو ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وہ علوم پھیلتے جاویں گے ، اور جن کا پھیلنا ضروری ہے ، اور میں خود بھی ان کے پھیلانے میں معین و مددگار ہوں ، اسی قدر لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جانب سے ، جیسا کہ اس کو اس زمانے میں بنا دیا ہے ، بدظنی اور بے پروائی بلکہ روگردانی ہوتی جاوے گی ۔ میرا یہ بھی یقین ہے کہ اصلی مذہب کا یہ نقصان نہیں ہے بلکہ یہ ان غلطیوں کا سبب ہے جو اسلام کے نورانی چہرے پر لگ گئی ہیں یا نادانستہ لگا دی ہیں ۔

میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں کہ اسلام کے نورانی چہرے پر سے ان غلطیوں کے سیاہ دھبوں کے چھڑانے کا دعویٰ کروں ، یا حمایتِ اسلام کا کام اپنے ذمے لوں ۔ یہ فرض اور یہ منصب دوسرے مقدس و باعلم لوگوں کا ہے ۔ مگر جب کہ میں مسلمانوں میں ان علوم کے پھیلانے کا ساعی ہوں ، جن کی نسبت میں نے ابھی بیان

کیا کہ وہ موجودہ اسلام کے کس قدر مخالف ہیں ، تو میرا فرض تھا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ، صحیح یا غلط ، جو کچھ میرے امکان میں ہو ، اس طرح اسلام کی حمایت کروں اور اسلام کے اصلی نورانی چہرے کو لوگوں کو دکھلاؤں ۔ میرا کانشنس (ایمان) مجھ سے کہتا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو خدا کے سامنے گنہگار ہوں گا (چیرز) ۔

اے میرے دوستو ! میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہے وہی صحیح ہے ، مگر جب مجھ کو بجز اس کے کہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے وہ کروں ، اور کچھ چارہ نہ تھا تو مجھ کو ضرور وہی کرنا تھا جو میں نے کیا یا کرتا ہوں ۔ میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے ۔ اگر میں نے برا کیا ہے وہ چاہے گا معاف کرے گا ، چاہے گا نہ کرے گا ۔ اگر میں نے اچھا کیا ہے تو میں اس کا صلہ کسی بندے سے نہیں چاہتا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ نہ میں لوگوں کے کافر کہنے سے یا نیچری کہنے سے ڈرتا ہوں ، نہ برا مانتا ہوں ۔ جو لوگ مجھ کو میری ان کوششوں کے سبب برا کہتے ہیں ، کافر بتلاتے ہیں ، میں ان سے اپنی شفاعت کا خواستگار نہیں ہوں اور نہ ہوں گا ۔ جو بھلا یا برا میرا معاملہ ہے وہ خدا کے ساتھ ہے ۔ اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے یا آیندہ ہوگی ، خدا سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا (چیرز) ۔

اے دوستو ! اس لمبی تمہید کے بیان کرنے کے بعد اب میں اپنے کچھ خیالات ، جو اسلام کے متعلق ہیں ، بیان کروں گا ۔ اس وقت جو کچھ میں بیان کروں گا ضرور ہے کہ محض آزادانہ طریقے سے بیان کروں گا ۔ ان کو اس خیال پر نہیں بیان کرنے کا کہ

میں مسلمان ہوں ۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو مسئلہ بیان کیا جاتا ہے اس میں آزادانہ دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اس وقت میں اپنی گفتگو کا طرز ایسا اختیار کروں گا جیسے ایک غیر شخص اسلام کے اصول و مسائل کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے جن کو اسلام یا اصولِ اسلام پر شبہ ہے ۔ یا انگریزی خواں نوجوان طلبا میرے مخاطب ہیں جن کو جدید فلسفے اور جدید علومِ طبعی نے اسلام کے اصول کے صحیح ہونے پر شبہ ڈال دیا ہے یا اس کے غلط ہونے کا انھوں نے یقین کر لیا ہے ۔

جو شخص یہ بیان کرتا ہے کہ اسلام سچا ہے تو اس کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ وہ اسلام کی سچائی کیونکر ثابت کر سکتا ہے ۔ کوئی مذہب ہو ، اسلام یا عیسائی یا ہندو ، جس وقت ان میں کا کوئی اپنے مذہب کی تائید یا تصدیق کرنی چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ اول وہ اس کی صداقت ثابت کرے ۔ یہ کہنا کہ فلاں شخص کے مقدس ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے اور ہم اس مقدس کے قول پر ایمان رکھتے ہیں ، اس مذہب کی صداقت ثابت کرنے کو کافی نہیں ۔ یہ تو صرف ایک اعتقادی بات ہے ۔ جو لوگ جس کسی کی پیروی کرتے ہیں ، خواہ وہ اوتار ہو یا پیغمبر یا عیسائیوں کا خدا ، ہر ایک کا پیرو اس کو ، جس کی وہ پیروی کرتا ہے ، ایسا ہی مقدس اعتقاد کرتا ہے ۔ ہر ایک مذہب والے کو اپنے مذہب پر ایسا ہی یقین ہے جیسے دوسرے مذہب والے کو اپنے مذہب پر ۔ پھر کیونکر ہم ایک کو سچا اور دوسرے کو غلط کہہ سکتے ہیں ۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خدا کی بھیجی ہوئی

کتاب ہے جس میں غلطی کا احتمال بھی نہیں ہے تو دوسرا شخص بھی کہتا ہے کہ اس کے پاس بھی خدا کی کتاب ہے جس کی صحت میں اس کو ذرا بھی شک نہیں ہے - پس اس صورت میں ایک کے یقین کی دوسرے کے یقین پر ترجیح کی وجہ بتانی چاہیے اور قابل تسکین دلیل پیش کرنی چاہیے جس کی بنا کسی اعتقاد پر نہ ہو کہ کیوں ہمارے پاس کی کتاب تو خدا کی بھیجی ہوئی ہے اور دوسرے کے پاس کی خدا کی بھیجی ہوئی نہیں ہے -

اگر ہم اپنے پیغمبروں کے معجزات کو اپنے مذہب کی صداقت کے لیے پیش کرتے ہیں تو قطع نظر ان مشکلات کے ، جو ان کے امکان وقوع میں اور پھر ان کے ثبوت وقوع میں پیش آتی ہیں ، دوسرے مذہب والا بھی اسی قسم کے معجزات اپنے پیشواؤں کے بیان کرتا ہے - تو اب کیا وجہ ہے کہ جو معجزات ہم بیان کرتے ہیں ان کو صحیح مانیں اور دوسرا جو بیان کرتا ہے ان کو غلط قرار دیں ؟ یہ تمام امور ایسے ہیں جو اعتقادات پر مبنی ہیں - کوئی شخص ان کو مٹا نہیں سکتا اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ فلاں اعتقاد صحیح ہے اور فلاں اعتقاد غلط - اگر کسی ایک شخص کا ایسا عقیدہ ہو بھی جاوے تو کیا امید ہے کہ اور بھی ایسا ہی اعتقاد کر لیں گے - اس لیے ضرور ہے کہ ہم صداقت کے پہچاننے کے لیے ایک ایسی معیار پیدا کریں اور ایسی کسوٹی قائم کریں جو سب مذہبوں سے یکساں نسبت رکھتی ہو اور جس سے ہم اپنے مذہب یا اعتقاد کو سچا ثابت کر سکیں (چیرز) -

اب میں اس معیار کو بیان کروں گا جو تمام دنیا کے مذہبوں سے یکساں نسبت رکھتی ہے - اور چونکہ میں اصلی مذہب اسلام

کو ، جیسے خدا و رسول ؐ نے بتایا ہے ، سچ جانتا ہوں ، نہ اس کو جیسے علماء نے اور مقدس مولویوں اور واعظوں نے گھڑا ہے ، بغیر کسی دھوکڑ پکڑ کے اس معیار سے جانچوں گا اور اس کا سچ ہونا ثابت کروں گا ، اور یہی فیصلہ ہمارے اور دوسرے مذہب والوں کے درمیان ہوگا ۔

کوئی شخص لامذہب یا کسی مذہب کا معتقد اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی بناوٹ اس قسم کی ہے یا خدا نے اس کو ایسے قواے مرکبہ سے پیدا کیا ہے جن سے وہ کسی کام کے کرنے کے لایق ہے اور کسی کے نہ کرنے کے لایق ہے ، اور اس لیے حالتِ زندگی میں اس کو ایک ایسی روش اختیار کرنی چاہیے جس سے اس کے قواے بیرونی و اندرونی وہ کام دیں جس کے لیے ان کا ہونا یا پیدا کرنا پایا جاتا ہو ۔ پس جو مذہب کہ ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کی صدقت کی یہی معیار ہو سکتی ہے کہ اگر وہ مذہب فطرتِ انسانی یا نیچر کے مطابق ہے تو سچا ہے اور اس بات کی صاف دلیل ہے کہ وہ مذہب اس شخص کا بھیجا ہے جس نے انسان کو بنایا ہے ، اور اگر وہ مذہب انسانی فطرت اور اس کی خلقت اور ان قواء کے ، جو انسان میں ہیں اور ان حقوق کے ، جو ان قواء سے انسان کے لیے پائے جاتے ہیں ، اس کے برخلاف ہے ؛ اور ان کو فائدہ بندی سے کام میں لانے سے باز رکھتا ہے تو اس بات میں شبہ ہوتا ہے کہ وہ مذہب اس شخص کا بھیجا ہؤا ہے جس نے انسان کو بنایا ہے ۔ کیونکہ ہر شخص اس بات کو غالباً قبول کرے گا کہ مذہب انسان کے لیے بنایا گیا ہے ۔ اور اگر اس کو الٹ دو اور یوں کہو کہ انسان مذہب کے لیے بنایا گیا تو بھی متحد نتیجہ پیدا ہوتا ہے ۔

پس میں نے مذہب کی صداقت دریافت کرنے کے لیے اور مذہبِ اسلام کی صداقت کی جانچ کے لیے بھی یہ اصول قرار دیا ہے کہ وہ فطرتِ انسانی کے مطابق ہے یا نہیں ؟ جو انسان میں بنائی گئی ہے یا انسان میں موجود ہے ۔ اور مجھ کو یقین ہؤا ہے کہ اسلام اس فطرت کے مطابق ہے (چیرز) ۔

بے شک یہ کام بہت بڑے عقلا و علما کا تھا ۔ مجھ کو اس کام کے انجام دینے کی لیاقت نہیں ہے ۔ مگر جیسا کہ میں نے چند لمحے پہلے اس کے اختیار کرنے کی وجہ کو بیان کیا تھا ، اس سبب سے میں نے بقدر اپنی طاقت کے اس کو کرنا شروع کیا ہے ۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے جو ہم کو پیدا کیا ہے اور ہمارے واسطے جو ہدایت بھیجی ہے ، وہ ہدایت بالکل ہماری خلقت ، ہماری فطرت ، ہمارے نیچر کے مطابق ہے اور یہی اس کی سچائی کی دلیل ہے ۔ کیونکہ یہ کہنا بڑی بے عقلی کی بات ہو گی کہ خدا کا فعل اور ہوگا اور اس کا قول اور ۔ تمام کائنات ، مع انسان کے ، خدا کا فعل ہے اور مذہب اس کا قول ۔ وہ دونوں مختلف نہیں ہو سکتے (واضح ہو کہ سید صاحب کا یہ قول ہے کہ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ مختلف نہیں ہو سکتے ۔ ورک سے وہ نیچر مراد لیتے ہیں اور ورڈ سے مذہب) ۔ یہ معیار میں نے ان لوگوں کے لیے مقرر کی ہے کہ جو خود اپنے دل میں کسی مذہب کی صداقت کا تصفیہ کرنا اور اپنے دل کو تشفی دینا چاہتے ہیں ۔ اور نیز ان لوگوں کے لیے جو مشکّک فی الاسلام ہیں یا اسلام کے مخالف ہیں ۔ اور میری سمجھ میں اس سے زیادہ اور کچھ معیار نہیں ہو سکتی ۔

اس معیار کے قائم کرنے کے بعد میں نے یہ تصفیہ کیا ہے

کہ اسلام بالکل فطرت کے مطابق ہے اور اس لیے میں نے کہا ہے کہ ''الاسلام ھوالفطرت والفطرت ھوالاسلام'' بہت ٹھیک مسئلہ ہے - مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جنھوں نے دانستہ فطرتی یا نیچری ہونے کا دوسرے معنوں میں مجھ پر الزام لگایا ہے - ان کو خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا - خدا سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے - جس طرح اس نے آسمان و زمین و مافیہا اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اسی طرح اس نے نیچر کو بھی پیدا کیا - وہ جس طرح ہمارا اور تمھارا اور سب کا خالق ہے اسی طرح نیچر کا بھی خالق ہے - پس مخالفین کا یہ کہنا کہ میں نیچر کو خالق یا نعوذ باللہ نیچر کو خدا کہتا ہوں ، کس قدر بہتان عظیم ہے - جس کو میں مخلوق کہتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کو خالق کہتا ہے - خدا کے سامنے اس دن ، جب کہ اعمالوں کی پرسش ہوگی ، بڑی بڑی ڈاڑھی والوں اور پیشانی پر رگڑ کر گٹا ڈالنے والوں ، ٹخنے سے اونچا پاجامہ پہننے والوں ، جو سچ کے بدلے جھوٹ کو خریدتے ہیں ، سے اس کا سوال ہوگا جنھوں نے یہ جھوٹے الزام مجھ پر لگائے ہیں - اس کو میں خدا پر چھوڑتا ہوں - نہیں ، میں خدا پر نہیں چھوڑتا بلکہ میں اپنی طرف سے ان کو معاف کرتا ہوں (چیرز نہایت زور سے) - میں اپنے کسی بھائی سے ، کسی ہم جنس سے نہ دنیا میں بدلہ لینا چاہتا ہوں نہ قیامت میں (چیرز) - میں نہایت ناچیز ہوں مگر اس رسول ؐ کی ذریّت میں ہوں جو رحمۃللعالمین ہے - میں اپنے دادا کی راہ پر چلوں گا اور تمام لوگوں کو ، جنھوں نے مجھ کو برا کہا ، جنھوں نے مجھ پر اتہام کیا یا آیندہ کبھی اور کریں ، سب کو میں معاف کروں گا (چیرز) -

جو طریقہ میں نے اوپر بیان کیا ، کیا کوئی کہے گا کہ وہ

طریقہ اسلام کی تائید کا نہیں ؟ اور کیا اس کے ذریعے سے بڑے بڑے فلسفی حکیموں اور علوم طبعی کے جاننے والوں اور ملحدوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ؟ اور کیا وہ طریقہ کسی طرح اسلام کے مخالف ہے ؟ اس پر بھی مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے اس میں غلطی نہیں ۔ میں معصوم نہیں ہوں اور نہ معصوم ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں ۔ میں ایک جاہل آدمی ہوں ۔ اسلام کی محبت سے میں نے یہ کام کیا ہے جس کے لایق میں نہیں ہوں ۔ بلاشبہ وہ ایک نیا طریقہ ہے ۔ اس میں بھی درحقیقت میں نے قدیم علماء کی پیروی کی ہے ۔ جس طرح انھوں نے ایک نئے ڈھنگ پر علم کلام ایجاد کیا تھا اسی کی نظایر پر میں نے یہ نیا طریقہ صداقت کے ثابت کرنے کا ایجاد کیا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس میں غلطی ہو مگر آیندہ علماء اس کی صحت کر دیں گے اور اسلام کو مدد دیں گے ۔ میرے خیال میں مخالفین اور مشککین فی الاسلام کے مقابلے میں اسلام کی تائید اسی طریقے پر ہو سکتی ہے ، اور کسی طریقے پر نہیں ہو سکتی (چیرز) ۔

آپ صاحبوں نے مجھ سے چاہا ہے کہ میں بیان کروں کہ اسلام کیا چیز ہے ؟ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ وہ چیز جس پر یقین کرنے سے کوئی شخص مسلم یا مسلمان کہا جا سکتا ہے ، وہ خدا کی توحید ہے ۔ جو شخص خدا کو برحق جانتا ہے اور اس کی توحید پر یقین رکھتا ہے وہ مسلم یا مسلمان ہے ۔ یہی رکن اول اور رکن اعظم اسلام کا ہے اور باقی ارکان اس کے تحت میں اور اس کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے کہ کسی خاص دوا کی معجون ہو اور اس کے ساتھ اور اجزا بھی ملے ہوئے ہوں ۔ خدا کو واحد مطلق اور خالق تمام چیزوں کا جاننا اور

سمجھنا ، بلکہ نہ صرف جاننا اور سمجھنا بلکہ اس پر یقین ہونا اسلام ہے اور جو اس پر یقین کریں وہ مسلم ہے ۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کی تکرار کا ذکر فرما کر فرمایا : ''بلیٰ من اسلم وجہہ للہ و ھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ'' یعنی جس نے خدا پر یقین کیا ، اپنا منہ خدا کے سامنے لیا اور نیک کام کرتا ہے تو اس کا اجر اس کے خدا کے پاس ہے ۔ خدا نے اہلِ کتاب سے اور کچھ نہیں چاہا بجز اس کے کہ خدا کی توحید مانیں اور اسی کی عبادت کریں ۔ جہاں فرمایا : ''یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لانعبد الا اللہ'' اور ایک جگہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہ میری نماز اور میری عبادت اور میری زندگی اور میری موت خدا کے لیے ہے ۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ ''انا اول المسلمین'' ۔ اسماعیلؑ و ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی : ''ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک'' ۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے بھی خدا پر ایمان لانے کے بعد کہا کہ ''و اشھد بانا مسلمون'' ۔ حضرت ابراہمؑ کو خدا نے کہا : ''اسلم'' ۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا : ''اسلمت لرب‌العالمین'' ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو نصیحت کی : ''یا بنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلاتموتن الا و انتم مسلمون'' اور ایک جگہ خدا نے فرمایا کہ ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' ۔ پھر خدا نے فرمایا کہ : ''ماکان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما'' یعنی ابراہیمؑ نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی بلکہ ٹھیٹ مسلمان تھا ۔ پس جو حقیقت اسلام کی خدا نے بتلائی وہ خدا کو ماننا اور اس پر یقین ہونا ہے ۔

خدا پر اور خدا کی وحدانیت پر اُس وقت یقین ہو سکتا ہے جب اس کی ذات و صفات پر ، جو حقیقت میں متحد ہیں اور اس کے

استحقاق عبادت پر ، جو اس کو لازم ہے ، پورا پورا یقین ہو - اس کی ذات پر یقین ، اس کے موجود بالذات ازلی و ابدی وحدہ' لاشریک لہ' ہونے پر یقین ہوتا ہے - اس کی صفات پر یقین ، اس کی مانند صفات کا کسی دوسرے میں نہ ہونے پر یقین کرنا ہے - تمام صفتیں جو خدا سے منسوب کی جاتی ہیں : عالم ، رحیم ، حیّ اور مثل ان کے اور جو ان کا مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے اور جن میں اوروں کا اشتراک بھی بوجہ ما متصور ہوتا ہے ، اس مفہوم سے اور اس اشتراک سے بھی خدا کی صفات کو مبرا و منزہ ماننا اس کی صفات پر یقین ہونا ہے - اس کے استحقاق عبادت پر یقین یہ ہے کہ کوئی شے سوا خدا کے مستحق عبادت نہیں ، یعنی عبادت کے لایق نہیں - جو شخص کہ اس طرح سے خدا پر یقین رکھتا ہے وہ مسلمان ہے - میں نہیں کہتا بلکہ خدا نے یوں ہی کہا ہے - ہاں ایسے شخص کی نسبت ، جو صرف خدائے واحد کو مانتا ہے ، میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ محمدی نہیں - قرآن کی اصطلاح تو یہی ہے جو میں نے بیان کی مگر ہمارے زمانے میں محمدی اور مسلمان کے الفاظ ایک ہی معنی میں لیے جاتے ہیں اور مترادف سمجھے جاتے ہیں ، اس لیے مجھ کو کسی قدر تفصیل کے بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے - محمدی ہونے کے لیے ضرور ہے کہ ہم اس شخص پر بھی ، جس نے ہم کو توحید کی نعمت دی اور جس نے ہم کو توحید کی تعلیم کی ، جس کی وجہ سے ہم نے خدا کو جانا اور اس کی صفات کو پہچانا ، یقین کریں - خود عقل ہی ہم کو ہدایت کرتی ہے کہ جس سے ہم کو ہدایت ہوئی کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے ہادی ہونے پر یقین نہ کریں - اسلام ، جس کو میں نے ایسے استحکام سے سچا بتایا ، اس کی ہدایت محمد رسول اللہ صلعم نے کی

ہے ۔ پس اس کی تصدیق بالضرور دوسرا رکن اسلام کا ہے جو پہلے رکن سے منفک ہی نہیں ہو سکتا ۔ اس تمام تقریر کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کو مانتا ہے اور وحدہ؛ لاشریک جانتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے اور کسی نبی کی تصدیق نہیں کرتا اور آنحضرت صلعم کی بھی تصدیق نہیں کرتا اس کی نسبت یہ کہنا کہ مجدی نہیں یا مرادف معنٰی لے کر یہ کہنا کہ وہ مسلمان نہیں ہے بالکل صحیح ہے ، مگر اس کو کافر بمعنی مشرک کہنا یا موحد نہ کہنا اسلام کے اصول کی رو سے درست نہیں[1] ۔

بلاشبہ تصدیق نبوت دوسرا رکن اسلام کا ہے ۔ موحدین محض کے مخلد فی النار ہونے یا نہ ہونے پر قدیم سے علماء میں بحث چلی آتی ہے ۔ کوئی کہتا ہے کہ مخلد فی النار ہوں گے ، کوئی کہتا ہے کہ بعد عذاب نجات پاویں گے ۔ اس بحث کو انھی عالموں

۱۔ سرسید کا یہ خیال درست نہیں ۔ کافر کے معنی ہیں انکار کرنے والا ، نہ ماننے والا ۔ پس جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا اور آپ کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے خواہ عیسائی ہو یا یہودی ، بت پرست ہو یا آتش پرست ۔ محض اللہ کو ماننے سے ہرگز انسان کی نجات نہیں ہو سکتی جب تک کہ ساتھ رسول اللہؐ کو بھی نہ مانے ۔ موحد کے معنی ہیں ایک خدا کو ماننے والا ، مگر وہ خدا کو مانتا کیا ؟ جس نے خدا کے بھیجے ہوئے انسان کا انکار کیا ۔ پس جس نے رسول اللہؐ کا انکار کیا لاریب اس نے خدا کا انکار کیا ، اگرچہ زبان سے خدا کو مانتا ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بیکار ہو کر رہ جاتا ہے ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

کے لیے چھوڑ دو اور ہم کو اپنے حبیب کے اس قول پر رہنے دو کہ ''علی رغم انف ابی ذر ۔''

وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے بعد اور چیزیں بھی اسلام کے ساتھ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے ، مثلاً نماز ، روزہ ، حج ، زکواۃ وغیرہ وغیرہ ۔

ان فرائض کے نہ ادا کرنے والے کو ہم گنہگار اور ان کے منکر کی نسبت وہی کہیں گے جو رسالت کے منکر کی نسبت کہا ہے کہ وہ محمدی نہیں یا بمعنی مرادف مسلمان نہیں ۔ اس کے مخلّد فی النار ہونے یا نہ ہونے کی نسبت وہی بحث پیش آ جاتی ہے جو ابھی موحّد محض کی نسبت میں نے بیان کی ۔

اے دوستو ! یہ ایک بحث بہت بڑی اور نہایت نازک ہے جس کے بیان کے لیے ایک بہت بڑا وقت درکار ہے ۔ اس کو مختصر کر دینا ہی وقت کے لحاظ سے بہتر ہے ۔ اسی طرح شرک کی بحث بھی ، جو اسلام کا پورا پورا دشمن ہے اور جس کے ساتھ اسلام جمع ہی نہیں ہو سکتا ، بہت بڑی ہے ، مگر میں اس وقت ایک شمہ اس کا بیان کروں گا ۔ جس طرح خدا کو اپنی ذات و صفات میں وحدت ہے اسی طرح رسولؐ کو تبلیغ احکام یا احکام شریعت کے قرار دینے میں وحدت ہے اور کسی کو اس میں شرکت نہیں ۔ پس جو شخص رسول کے سوا کسی اور شخص کے احکام کو دین کی باتوں میں اس طرح پر واجب العمل سمجھتا ہے کہ اس کے برخلاف کرنا گناہ ہے اور اس کی تابعداری کو باعث نجات یا ثواب سمجھتا ہے ، وہ بھی ایک قسم کا شرک کرتا ہے ، جس کو میں شرک فی النبوۃ سے تعبیر کرتا ہوں ۔ خدا نے یہود و نصاریٰ

دونوں کو اسی بات پر ملزم ٹھیرا کر فرمایا : ''اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ -'' پس اس طرح کی پیروی ارباباً من دون اللہ تک پہنچا دیتی ہے -

میری اس تقریر سے آپ یہ تصور نہ کریں کہ میں ائمۂ مجتہدین کے برخلاف رائے رکھتا ہوں - نہیں ، میں ان کو اُمت کا سرتاج اور ان کے اجتہادوں اور اختلافوں کو باعثِ رحمت سمجھتا ہوں - یہ بھی آپ خیال نہ کریں کہ میں ان کے پیرو مقلّدین کو برا کہتا ہوں یا تقلید کو برا جانتا ہوں - مگر اس قدر میں ضرور سمجھتا ہوں کہ مقلّدین کے بعض فعال اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ انہوں نے اپنی غلطی سے ، نہ ان کی تقلید سے ، ان کو ارباباً من دون اللہ تک پہنچا دیا ہے - جو لوگ کہ اس مسئلۂ تقلید کے برخلاف ہیں اور عدمِ تقلید کے مسئلے کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے اجرا میں کوشش کرنی چاہتے ہیں ان کی بھی میں عزت کرتا ہوں - میں سمجھتا ہوں کہ دونوں کا مقصود ایک ہے اور دونوں خدا و رسول کی خوشنودی چاہتے ہیں (چیرز) - مگر افسوس ہے کہ ان دونوں فرقوں کے سبب سے باہم رنج و عداوت پیدا ہوئی ہے - یہ شیطان کے وسوسے ہیں جو گروہِ اسلام کو متفرق کرنے اور قوت کو ضعیف کرنے کی فکر میں ہے - حقیقت میں اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا اور اس پر دل سے یقین رکھنا اور سب کلمہ گوؤں کو بھائی سمجھنا ہے - باہمی اختلاف سے اسلام کے مجمع کو متفرق کرنا اصولِ اسلام کے برخلاف ہے اور اس برکت کی ناشکری ہے جو خدا نے دی ہے اور جس کو ''فالف بین قلوبھم'' کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے (چیرز) -

اب میں اُن امور کی نسبت کچھ تھوڑا سا بیان کرنا چاہتا

ہوں جو تصدیق نبوت اور ان مسائل اسلام سے متعلق ہیں جو ظاہر میں عقل و علم کے برخلاف پائے جاتے ہیں ۔ اگرچہ اس کی تفصیل بیان کرنے کو بہت بڑا وقت چاہیے اور شاید برسوں گزر جاویں اور یہ بیان ختم نہ ہو تو بھی کچھ عجب نہیں ، مگر بعض نوجوان انگریزی خوانوں یا اور لوگوں کے لیے ، جو اپنے خیال دوسری طرح پر کرنے چاہتے ہیں ، اس کا بیان کرنا ، گو مختصر ہی ہو ، بے موقع نہ ہوگا ۔

مجدی ہونے کے لیے یا مرادف معنی کے لحاظ سے اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے واسطے توحید کے ساتھ رسالت یعنی نبوت کی تصدیق بھی واجب ہے ۔ اسلام کی نسبت نوجوان انگریزی خوانوں کو یا آزاد خیال والوں کو دو چیزیں ہیں جو شک میں ڈالتی ہیں : ایک تصدیق نبوت ، دوسرے وہ مسائل جو اس زمانے کی حکمت و فلسفہ یا عقل کے برخلاف یا بعید از عقل معلوم ہوتے ہیں ۔ نبوت کی بحث فطرت کے اصول پر ایک طولانی بحث ہے ۔ اس وقت میں اس کو نہ چھیڑوں گا ۔ محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت کی صداقت پر چند باتیں بطور خطابیات کے ، جن کو دل قبول کر سکتا ہے ، بیان کروں گا ۔ بڑے بڑے فلاسفر ، جو گزر گئے ہیں اور جو اب بھی موجود ہیں ، جنھوں نے علوم میں بہت بڑا درجہ حاصل کیا ہے اور عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں ، وہ بھی اصل اسلام کی ہدایتوں کو اور ان اصولوں کو ، جن پر اصل اسلام مبنی ہے ، لاثانی تسلیم کرتے ہیں ۔ ان کو جانے دو اور خود جانچ لو کہ اصل اسلام کے اصول ، فقہا کے اجتہادات اور پیچیدہ مسائل کو چھوڑ کر ، جو سیدھے سادھے اصول اسلام سے مناسبت نہیں رکھتے ، کیسے عمدہ و پختہ لاثانی ہیں ۔ جس نے

تمام عمر فلسفہ و حکمت و علوم طبعی اور انسان کے نیچر کی حقیقت کی تحقیق میں بسر کی ہو وہ بھی ایسے اصول قایم نہیں کر سکتا ۔ پس اب کیا میرا یہ کہنا بے جا ہوگا کہ ایک ایسے شخص نے ، جو ریتلے کنکریلے ملک میں پیدا ہؤا اور جو چھوٹی عمر میں یتیم[1] ہوگیا اور جس نے نہ کسی دارالعلوم میں تعلیم پائی ، نہ سقراط و بقراط اور افلاطون کے مسائل کو سنا ، نہ کسی استاد کے سامنے تعلیم کو بیٹھا ، نہ حکماء اور فلاسفروں اور پولیٹیکل و مارل سائنسز[2] کے عالموں کی صحبت اٹھائی ، بلکہ چالیس برس اپنی زندگی کے ناتربیت یافتہ اور بداخلاق اونٹ چرانے والوں میں بسر کیے ۔ چالیس برس تک بجز ایسی قوم کے ، جو بت پرستی اور باہمی جنگ جدال میں مبتلا تھی ، چوری و زناکاری پر عورت و مرد کو فخر تھا ، اور کسی کو نہیں دیکھا تھا ۔ وہ دفعتاً اپنی تمام قوم کے برخلاف اٹھا ۔ چاروں طرف سے وہ بت پرستی میں گھرا ہؤا تھا مگر اس نے کہا تو یہ کہا کہ ''لا الہ الا اللہ ۔'' اس نے صرف یہ کہا ہی نہیں بلکہ تمام قوم سے بھی ، جو سینکڑوں برس سے لات و منات و عزیٰ کو پوجتی آتی تھی ، یہی کہوا دیا ۔ ان تمام بداخلاقیوں و اماریل عادتوں کو تمام قوم سے مٹوا دیا ۔

۱- بعض ضعیف روایتوں میں بیشک آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا انتقال حضور علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اس وقت ہؤا جب کہ آپ کی عمر ابھی چھوٹی تھی ۔ مگر صحیح اور حقیقی اور پختہ بات یہی ہے کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہو گئی تھی اور حضور علیہ السلام یتیم پیدا ہوئے تھے ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

۲- اصل میں ''سینیر'' غلط چھپا ہے ۔ (ادارہ)

بتوں کو زمین پر گروایا ، ان کو تڑوایا اور خدا کے نام اور خدا کی پرستش کو تمام عرب کے جزیرہ نما میں بلند کیا ۔ وہ جزیرہ ، جو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے بعد سے ہزاروں ناپاکیوں سے ناپاک ہو گیا تھا ، پھر اس کو اس کی اصلی پاکی اور دینِ ابراہیمؑ کی بزرگی تک پہنچایا ۔ چالیس برس کے بعد کس نے یہ نور اس کے دل میں ڈالا — جس نے نہ صرف جزیرۂ عرب کو بلکہ تمام دنیا کو روشن کر دیا (چیرز) ۔ اس نے لا الہ الا اللہ کی تعلیم کے بعد جو احکام دین کے ، اخلاق کے لوگوں کو بتائے ، کیا کوئی فلاسفر اس سے زیادہ کچھ بتا سکتا تھا جو اس اُمّی نے بتائے ؟ (چیرز) ۔ صرف بتائے ہی نہیں بلکہ اپنے پاک دل ، اپنی پاک زبان کے اثر سے لوگوں کے دلوں میں بٹھلا دے (چیرز) ۔ یہ کام وہ تھا جو نہ کسی فلاسفر سے ہو سکتا تھا ، نہ کسی سلطانِ مقتدر سے ۔ پھر کیا چیز اس یتیم بچے میں تھی جس نے نہ جزیرۂ عرب کو بلکہ تمام دنیا کو خدائی کا کرشمہ دکھلا دیا (چیرز) ۔ اے میرے دوستو! کوئی سخت سے سخت دہریہ اور لامذہب بھی اگر ایسے شخص کو ، معاذ اللہ ، نبی نہ مانے گا تو اس کو یہ ماننا تو ضرور پڑے گا کہ اگر بعد خدا کے کوئی دوسرا شخص بزرگ ہے تو یہی ہے (چیرز) روحی فداک یا رسول اللہؐ ۔ پس جو کوئی شخص نبوت کی حقیقت کو سمجھ لے گا تو امکان سے خارج ہے کہ محمد رسول اللہؐ کی نبوت کی تصدیق نہ کرے (چیرز) ۔ یہ مختصر الفاظ تصدیقِ نبوت کے ایسے شخص کے دل کی تشفی کے لیے ، جو کچھ بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہے ، میں سمجھتا ہوں کہ بالکل کافی ہیں ۔

اب مسائلِ اسلام کی نسبت مجھ کو کچھ کہنا ہے ۔ آپ سب صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام کے مسائل دو قسم کے ہیں :

ایک منصوص ، دوسرے اجتہادی ، جو علماء نے اپنی نیک دلی اور اور نیک نیتی سے قایم کیے ہیں - دوسری قسم کے مسائل ، جو اجتہادیات کہلاتے ہیں ، اگر ان کا کوئی مسئلہ نیچر یا فطرت انسانی کے برخلاف ہو تو اس سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا کیوں کہ فی الحقیقت وہ ایک ایسے انسان یا مجتہد کا اجتہاد ہے جو سہو و خطا سے معصوم نہیں ہے -

خود آئمہ مجتہدین نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ''المجتہد قد یخطی و قد یصیب''- اس سبب سے ہم کو علماء کے اجتہادی اور قیاسی مسائل پر بحث کرنی فضول ہے - ممکن ہے کہ وہ صحیح ہوں اور ممکن ہے کہ غلط ہوں - ہم اسلام کے طرف دار ہیں نہ فلاں و بہاں کی رائے و اجتہاد کے - اگر ان میں غلطی ہے تو اس سے اسلام کو کچھ مضرت نہیں - اگر وہ صحیح ہیں تو اسلام کو اس پر فخر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں - منصوص مسائل کو نیچر ، انسانی فطرت کے مناسب ثابت کرنے کو ہم موجود ہیں - نہ کسی نقلی دلیل سے ، نہ اپنے ہاں کے عالموں کے قول سے ، نہ مجتہدوں کی براہین اجتہادیہ سے بلکہ نیچر سے - ہم ان مسائل کو اسی علم سے ثابت کرنے کو تیار ہیں جس علم کے پڑھنے سے ان لوگوں کے دلوں میں شبہے پیدا ہوئے ہیں - یہ ہمارا دعویٰ لوگوں کے خیال میں کیسا ہی ہو اور گو بعض لوگ اس کو ناممکن سمجھتے ہوں مگر جو کچھ ہمارے دل میں ہے ، اور جس پر ہم کو یقین ہے ، اس کو بآواز بلند ہم کہہ رہے ہیں - ہماری سمجھ میں کوئی مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا یا جو کچھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کسی قدیم یا جدید علم کے برخلاف نہیں ہے - نہ کوئی حکمت اس کو توڑ سکتی ہے ، نہ کوئی فلسفہ (چیرز) - میں یقین کرتا ہوں

کہ دنیا میں سوائے اسلام کے اور کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کو پرانی اور حال کی تحقیقاتوں ، فلسفے اور نیچرل فلاسفی سے مقابلہ کرو اور سب طرح ٹھیک اور مضبوط پاؤ ۔ بات صرف اس قدر ہے کہ حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہوتی ، ہاں بلاشبہ جس وقت فلسفے کا طرز بدل جاتا ہے ، مباحثے کے اصول بدل جاتے ہیں اور نئی دلیلوں کی حاجت ہوتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ اگلے زمانے میں جو دلائل ہمارے قدما نے قایم کیے تھے وہ اس زمانے میں بکارآمد نہیں رہے ہیں اور اس لیے ضرور ہے کہ نیا طریقہ بحث کا اختیار کیا جاوے ۔ قرآن مجید ، جو تیرہ سو برس سے معجز یقین کیا جاتا ہے ، میں بھی اس کو معجز مانتا ہوں ؛ مگر ہمارے قدما نے صرف ایک اوپری دلیل اس کے معجز ہونے کی قرار دی تھی : یعنی فصاحت اور کلام کی عمدگی ۔ اور وہ بھی اس وجہ سے کہ آج تک کسی بشر سے ، نہ کسی فصیح و بلیغ سے اس کی ایک یا دس آیتوں کے برابر بھی ویسا فصیح کلام نہیں کہا گیا ، باوجودیکہ ان سے بطور مقابلے کے کہا گیا کہ اگر کہہ سکتے ہو تو کہہ لاؤ ۔ بلاشبہ میں بھی قرآن مجید کو ایسا ہی فصیح و بلیغ تسلیم کرتا ہوں ۔ اور کیوں نہ تسلیم کروں ؟ جب کہ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ خدا کا کلام اور وحیٔ متلو ہے ۔ اس کے الفاظ وہی ہیں جو خدا کی طرف سے رسول ؐ کے دل میں ڈالے گئے تھے ، اور رسول ؐ کی زبان سے ہم لوگوں تک پہنچے ۔ اور میں یہ بھی قبول کرتا ہوں کہ آج تک کسی بشر سے مثل اس کے نہیں کہا گیا ۔ مگر میں اس دلیل کو ایک خام دلیل سمجھتا ہوں اور جو الفاظ قرآن مجید میں اس امر کی نسبت آئے ، میں ان کا یہ مطلب قرار نہیں دیتا ہوں ۔ اور اگر یہ دلیل ایک دلیل ہونے کے رتبے میں بھی

ہو تو بھی ایسی نہیں ہے جو غیر معتقد لوگوں کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہو اور ان کے دلوں کو تسلی دے سکتی ہو ۔ میں ایک اور دلیل رکھتا ہوں جس کو میں اس دلیل سے زیادہ مضبوط سمجھتا ہوں ۔ وہ دلیل کیا ہے ؟ وہ ہدایتیں انسان کے لیے ہیں جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں ۔ کوئی اور ہدایت اس کے مثل بے شک نہیں ہو سکتی ۔ میں اس کو بھی معجزہ بلکہ اصلی معجزہ قرآن مجید کا سمجھتا ہوں (چیرز) ۔ قرآن مجید اس زمانے میں نازل ہؤا جو جاہلوں اور ناواقفوں اور ناتربیت یافتہ لوگوں کا زمانہ تھا ۔ وہ اس زمانے کے جاہل لوگوں کی ہدایت کے لیے بھی تھا اور ان اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بھی تھا جو اس وقت کی دنیا میں تھے اور جو آیندہ دنیا میں ہونے والے تھے ۔ ضرور تھا کہ اس کی ہدایتیں اس طرح پر بیان کی جاویں کہ اس سے ایک صحرائی اونٹ چرانے والا بدّو اور ایک اعلیٰ درجے کا حکیم سقراط اور بقراط دونوں برابر فائدہ اٹھاویں ، دونوں برابر ہدایت پاویں ۔ قرآن مجید ہی صرف ایسا کلام ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور جس سے مختلف درجوں بلکہ متضادہ حیثیتوں کے لوگوں کو یکساں ہدایت ہوتی ہے ۔ ایک جاہل بدّو یا ایک مقدس مولوی اس کے لفظی معنوں سے جیسی ہدایت پاتا ہے ویسا ہی ایک فلاسفر انھی الفاظ کے مقصود سے ویسی ہی ہدایت پاتا ہے اور کسی لفظ کو نیچر یا فلسفے سے برخلاف نہیں پاتا ۔ کسی زبان — فرنچ ، لیٹن ، عربی ، فارسی ، سنسکرت وغیرہ — میں کوئی ایسی کتاب لکھ دو یا اگلے زمانے کی لکھی ہوئی بتا دو جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مضامینِ فلسفہ اور حکمت بھرے ہوئے ہوں ، اور پھر نہایت دلکش اور سہل الفاظ میں ، اور پھر اس سے جاہل اور

عالم ، عامی اور فلسفی سب کو یکساں فائدہ حاصل ہو اور سب کے دلوں پر یکساں اثر ڈالے ، نہایت ناممکن ہے ۔ مگر صرف قرآن مجید ہی ایسا ہے جس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں اور یہی اس کا اصلی اور سچا اور واقعی معجزہ ہے (چیرز) ۔ اس کے مسائل جیسے اس زمانے میں سچے تھے جب کہ زمین ساکن مانی جاتی تھی ، ویسے ہی اب بھی سچے اور قابلِ تسکین ہیں جب کہ سورج ساکن اور زمین گھومتی مانی جاتی ہے ۔ یہودیوں کے پاس ، عیسائیوں کے پاس ، چینیوں کے پاس ، ہندوؤں کے پاس بھی کتابیں ہیں جن کو وہ مقدس سمجھتے ہیں ، مگر بتاؤ کہ کس میں یہ صفت موجود ہے جو میں نے بیان کی ؟ توریت میں ہے کہ یوشع کے لیے سورج ٹھہر گیا ۔ اگر ایسا ہؤا ہوتا تو تمام عالم کب کا برباد ہو چکا ہوتا ۔ مگر قرآن مجید ایسی باتوں کے وعظ کرنے سے پرہیز کرتا ہے ، اور اگر وہ کچھ نصیحت کرتا ہے تو یہ کرتا ہے کہ ''لا تبدیل لخلق[1] اللہ''۔ میرا یقین ہے ، اور گو کہ وہ ایک پیشین گوئی ہونے کے لحاظ سے قابلِ اعتراض ہو ، کہ اگر یہ حکمت و فلسفہ ، جو اس زمانے میں سچی مانی جاتی ہے ، اگر آیندہ غلط ثابت ہو ، جیسے یونانی حکمت اب ثابت ہوئی ہے ، اور حکمت و فلسفہ کے بالکل نئے اصول سچے ثابت ہوں ، تو بھی میں دعویٰ کرتا ہوں کہ قرآن مجید ویسا ہی سچا ثابت ہوگا جیسا کہ اب سچا ہے ۔ اور غور کرنے کے بعد ثابت ہوگا کہ جو کچھ غلطی تھی وہ ہمارے علم کا نقصان تھا مگر قرآن ویسا ہی سچا تھا (چیرز) ۔ ہمارے قدیم مفسّروں نے قرآن مجید پر اس کو یونانی حکمت اور علمِ ہیئت سے مطابق کرنے پر بہت زور ڈالا ہے مگر جو لوگ خدا کی ہدایت کی

۱۔ اصل میں ''لحق'' غلط چھپا ہے ۔ (ادارہ)

روشنی سے قرآن پر غور کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اس میں غلطی ہو وہ ان کی غلطی تھی ، نہ قرآن مجید کی ۔

اے بھائیو ، اے میرے دوستو ! یہ ایک ایسا مشکل رستہ ہے جس پر چلنا دشواری سے خالی نہیں مگر ضرور ہے کہ جو لوگ دین اسلام پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر غور کریں ۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ واقع میں اَور لوگوں کا کام تھا ، نہ ایک جاہل آدمی کا ، جیسا کہ میں ہوں ، مگر جب کسی نے نہ کیا تو میرے دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی اور میں اس پر آمادہ ہؤا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک میرے دل میں خدا نے ڈالی ہے ۔ اگر میں بقدر اپنی طاقت کے اس میں کوشش نہ کروں تو خدا کو کیا جواب دوں گا ؟ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ لوگوں نے میرے مطلب اور میرے مقصد کو نہیں سمجھا اور چھوٹے چھوٹے اختلاف پر ، جو درحقیقت بالکل نئے بھی نہیں ہیں ، مجھ سے مخالفتیں جھوٹے جھوٹے اتہام لگا کر کیں ۔ مگر آپ پرانے حالات پر غور کریں اور اگلے علماء کی کتابوں کو ، جن کا سب ادب کرتے ہیں ، بغور دیکھیں کہ ان میں باہم ایسے اصول میں[1] ، جو ایک طرف کفر اور دوسری طرف اسلام تک پہنچاتے ہیں ، کس قدر اختلاف ہے ۔ ایک فرقہ خدا کی رؤیت کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ وہ منصوص ہے ۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہ یہ ممکن ہے اور نہ منصوص ہے ۔ اہلِ سنت و جماعت ہی کا ایک فرقہ خدا کے ہاتھ ، پاؤں ، آنکھ ، ناک کا قائل ہے اور اس کے عرش پر متمکن ہونے کا یقین کرتا ہے اور اس کو منصوص جانتا ہے ۔ دوسرا گروہ اس

۱- اصل میں "ہیں" چھپا ہے ۔ (ادارہ)

کے برخلاف ہے اور اس کو کفر سمجھتا ہے ۔ جب کہ قدیم سے اصولی مسائل میں قدیم علماء نے اس قدر اختلاف کیا ہے تو میرا کیا گناہ ہے اگر میں ان قدیم علماء کے مقرر کردہ مسائل سے اختلاف کروں ۔ وہ بھی آخر انسان تھے اور معصوم اور محفوظ عن الخطا نہ تھے ۔

بلاحجّت اور غیر مشتبہ منصوص مسائل میں ، جیسے نماز ، روزہ ، حج ، زکواۃ ہیں ، جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرض بتائے ہیں ، ان کو میں بھی اسی طرح فرض سمجھتا ہوں جیسے ایک جاہل مسلمان یقین کرتا ہے ۔ لیکن جب ان پر مخالف کا حملہ ہوتا ہے تو ان کی لمّیت اور اصلیت بتانی ضرور پڑتی ہے ۔ اگر یہ بحث پیش آئے کہ ہاتھ منہ دھونے کو ، یعنی وضو کو ، عبادت سے ، جس کا تعلق دل سے ہے ،کیا تعلق ہے ؟ حدث کے بعد بے محل منہ میں کلی کرنے سے کیا تعلق ہے ؟ نماز کو ، جو ایک روحانی فعل ہے ، اُٹھنے بیٹھنے ، سر نیچا اور سرین اونچے کرنے سے کیا علاقہ ہے ؟ تو بہ مجبوری ہم کو اس کی اصلیت اور نماز کے ارکان کی لمّیت پر بحث کرنی ہوگی اور سمجھانا پڑے گا کہ وضو کیوں فرض کیا گیا ہے اور نماز کے ارکان کیوں قرار پائے ہیں ؟ اور اس کے بیان کے لیے منقولی سندیں کچھ کام نہیں آنے کیں ،کیوں کہ مشکّک فی‌المذہب یا غیر مذہب والا ان‌کو نہ مانے گا بلکہ ان کا بیان کرنا ایسی طرز پر لازم ہوگا جو عقل یا نیچر ، انسان کی فطرت کے مطابق ہو تاکہ دوسرے کے دل کو تسکین ہو جاوے (چیرز) ۔ کیا غیر لوگوں کو یہ کہنا کافی ہوگا کہ یوں ہی حکم ہے ، یوں ہی مانو ؟

اے میرے بھائیو ! یقین ، جس کا دوسرا نام ایمان ہے ،

صرف کسی شخص کے کہہ دینے سے نہیں ہوتا ۔ اگر میں آپ سے ایسی حالت میں ، کہ یہ نفیس ہال بلورین جھاڑوں ، کنولوں ، دیوار گیریوں سے روشن ہو رہا ہے ، یہ کہوں کہ اس میں بالکل اندھیرا ہے اور آپ مجھ کو اور میری بات کو قابل ادب اور لایق تسلیم سمجھ کر کہہ بھی دیں کہ ہاں اندھیرا ہے ، تو کیا اس کہہ دینے سے آپ کے دل میں یقین بھی ہو جاوے گا ؟ ہاں اگر آپ عقل مند ہیں اور واقعی دل سے مجھ کو قابل ادب اور میری بات کو قابل یقین سمجھتے ہیں تو آپ ضرور خیال کریں گے اور سوچیں گے کہ اندھیرے کے لفظ سے کیا مراد ہے ، اور جب اس کو آپ سمجھ جاویں گے تو اس وقت آپ کے دل میں سچا یقین ہوگا (چیرز) ۔ میرا یہی مطلب ہے اور میں اپنے بھائی مسلمانوں سے یہی چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کو صرف زبان سے معجز نہ کہو بلکہ دل سے معجز جانو ۔ اس لیے میں نے خیال کیا کہ ان کے سامنے ایسی چیزیں پیش کی جاویں جن سے ان کو اس کے معجز ہونے کا اور کم سے کم اس کے سچے ہونے کا یقین ہو ۔ چوں کہ مجھ کو اس پر ایسا ہی یقین تھا اس لیے میں نے بے دھڑک اور بغیر اس خیال کے کہ وہ اگلوں کے مخالف ہے یا موافق اور بغیر علمائے زمانہ کے کفر کے فتووں کے ڈر کے دنیا کو دکھانا چاہا کہ قرآن مجید اور اسلام یکساں انسان کی فطرت کے مطابق ہے (چیرز) ۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے امید کرتا ہوں کہ اگر ان سے ہو سکے ، جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی اصلاح کریں اور اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے تو معاف فرماویں ۔ نہ یہ کہ مجھ کو ایک فرقے کا موجد یا ایک نئے مذہب کا قرار دینے والا قرار دیں ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو مسائل اسلام کے محقق ہیں ، جہاں تک مجھ سے

ممکن ہے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں ۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ کوئی جدید مذہب ہے ؟ میرا عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام ایک مکمل اور آخری مذہب ہے ۔ مجھ کو خدا کے اس قول پر یقین کامل ہے کہ ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا''۔ مگر جب مفسّرین ، خدا ان پر رحمت کرے ، اس تکمیل کے یہ معنی بتائیں کہ خدا نے فلاں جانور کو حلال اور فلاں جانور کو حرام بتا کر دین کو کامل کر دیا ہے تو میں ان سے مخالفت کرتا ہوں ،گو کہ وہ فخرالدین رازی ہوں یا مُلا علی نیشاپوری یا ان سے بڑھ کر اور کوئی ۔ اور ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جناب! اگر یہی معنی تکمیل دین کے ہیں تو سلام ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر غلط ہے ۔ دین اسلام خدا کی توحید کے کامل طور پر بتانے سے ، اس کے ہر ایک فروع و اصول کو روشن کر دینے سے مکمل ہؤا ہے اور یہی تکمیل دین کی ہے اور اسی تکمیل کے سبب وہ آخری دین ہے اور اسی تکمیل کے سبب قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد بھی بغیر تبدیل کے قایم رہے گا (چیرز) ۔

اب میں اُن بعض احکام کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ؛ مثلاً ''نماز''۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان میں جو فطرت خدا نے رکھی ہے اُسی کے لحاظ سے نماز کو فرض کیا ہے ۔ جس سے یہ مراد ہے کہ معبود کی یاد دل میں رہے اور انسان اُس کو بھول نہ جاوے ۔ اپنا دلی نیاز اور تذلّل اُس کے سامنے ادا کرتا رہے ۔ یہی اصلی جزو نماز کا ہے جو خدا نے فرض کیا ہے ۔ مگر اس لیے کہ یہ فرض کیونکر ادا ہو ، اُس کے لیے ارکان مقرر کیے ہیں جو حقیقت میں اُس کے اصلی جزو نہیں ہیں ،

بلکہ اُس کے محافظ ہیں اور محافظ ہونے کی حیثیت سے اصلی جزو سے جدا نہیں ہو سکتے اور اس لیے اصلی جزو میں داخل ہوگئے ہیں اور بہ طور اصلی جزو کے واجب‌الادا ہو گئے ہیں ۔ اُس کی تمیز اُس صورت میں بخوبی ہو سکتی جب انسان پر سے ان ارکان کا ادا کرنا ، جو بطور محافظ اصلی رکن کے تھے ، ساقط ہو جاتا ہے ۔ عذر کی حالت میں وضو کی فرضیت ، نماز میں قیام و قعود و سجدہ کی فرضیت ، حتیٰ کہ قراءت کی فرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے ۔ مگر توجہ الی‌اللہ اور اُس دلی نیاز و تذلّل کا ادا ، جو اصلی رکن نماز کا تھا ، جب تک کہ انسان کو ہوش ہے اور اس کا سانس چلتا ہے ، ساقط نہیں ہوتا ۔ پس صاف روشن ہے کہ جو رکن ساقط ہوتے گئے وہ دراصل اصلی نہ تھے ۔ وہی رکن اصلی تھا جو کسی وقت ، جب تک کہ انسان انسان ہے ، ساقط نہیں ہؤا (چیرز) ۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ طریقہ نماز کا خلاف نیچر یا انسانی فطرت کے برخلاف ہے (چیرز) ۔

ہاں یہ بحث باقی رہتی ہے کہ نماز میں یہ ارکان کیوں مقرر کیے گئے اور ان ارکانِ مقررہ کو فطرتِ انسانی سے کیا مناسبت ہے ؟ مگر میں کہوں گا کہ ہاں فطرتِ انسانی سے مناسبت ہے ۔ مگر میں اس وقت دوسرے فلسفیانہ طریقے سے اس کا جواب دوں گا ؛ اگر ہم کوئی دوسرے ارکان اُس فرض کے ادا کرنے کے لیے مقرر کریں تو جو سوال ان مقررہ ارکان کے مقرر کرنے پر وارد ہوتا ہے وہی سوال اُن ارکان کے مقرر کرنے پر وارد ہوگا اور علی ہذاالقیاس الی غیرالنہایۃ ۔ پس ایسا سوال کرنا جو عامۃالورود ہو ، ذی عقل انسان کا کام نہیں ہے ۔

البتہ یہ بات پیش کرنی چاہیے کہ ان سے عمدہ دوسرے رکن

مقرر ہو سکتے تھے - مگر میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی شخص ان ارکان سے بہتر ، جس میں تمام اعضاے اندرونی و بیرونی ، تمام قواے ظاہری و باطنی ، تمام طریقۂ ادب و تذلّل جسانی و روحانی ادا ہوتے ہیں اور جو انسان پر بمقتضاے فطرتِ انسانی مؤثر ہوتے ہیں ، اور کوئی ارکان نہیں بتلا سکتا (چیرز) -

میں نے مختصر طور پر اپنے تمام خیالات ، جو مذہبِ اسلام کی نسبت ہیں ، آپ کے سامنے ظاہر کیے ہیں اور یہ بات بھی بتائی ہے کہ جو جدید طرزِ تائید مذہب اسلام کی اور مباحثے کی میں نے اختیار کی ہے اُس کا کیا سبب ہے - اور اس بات کو بھی جتایا ہے کہ مجھ کو علماے متقدمین سے اختلاف کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے ؟ اس بات کے بیان کرنے کو ، کہ خود علماے متقدمین آپس میں کن کن باتوں میں مختلف ہیں اور میں نے کن کن امور میں علماے متقدمین سے اختلاف کیا ہے ، اور اُن میں سے کتنی باتیں ایسی ہیں جن میں بعض متقدمین علماء نے بھی وہی مسلک اختیار کیا ہے جو میرا ہے ، اور کتنے ایسے ہیں جن میں میں منفرد ہوں ، اور کل علماے متقدمین کے برخلاف ہیں ، ایک بہت بڑی فرصت چاہیے - مگر جس قدر کہ میں نے اس وقت بیان کیا اُس کے بعد اس بات کا تصفیہ ، کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آیا وہ اسلام کی تائید ہے یا نہیں ؟ آپ صاحبوں کے اوپر چھوڑتا ہوں -

اب میں اخیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو تائید اسلام کی میں نے اپنی دانست میں اختیار کی ہے وہ اس وجہ سے نہیں کی کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہؤا ہوں اور خواہ مخواہ مجھ کو اسلام کی تائید کرنی چاہیے - میں اس بات کو اچھا

نہیں سمجھتا ۔ جو شخص جس مذہب میں پیدا ہؤا ہے خاموشی سے اُس میں چلے جانا دوسری بات ہے اور اُس کی تائید پر مستعد ہونا دوسری بات ہے ۔ پچھلی بات اُس شخص کو زیبا نہیں ہے جس نے خود پورا یقین اس پر نہ کر لیا ہو ۔ میں نے خالی الذہن ہو کر اسلام پر بہت کچھ غور کی ہے اور نہایت غور و فکر کے بعد میرے دل میں اس بات کا یقین ہؤا ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب سچا ہے تو وہ اسلام ہی ہے ۔ اور میں اس دلی یقین پر اس کی تائید کرتا ہوں ، نہ اس وجہ سے کہ میں مسلمان کے گھر میں پیدا ہؤا[1] ہوں اور مسلمان ہوں (چیرز بہت زور سے) ۔"

یہ لیکچر ایسا مؤثر تھا جس کی کیفیت لکھنی ناممکن ہے ۔ سننے والوں کو ایک سکتے کا عالم تھا ۔ وہ بالکل محو تھے اور نہ جانتے تھے کہ ہم کہاں ہیں ۔ البتہ اکثر کی آنکھیں اپنا کام کرتی تھیں اور سید صاحب کے کلام پر دُرِ شاہوار نثار کرتی تھیں ۔ یا ایک اثر تھا کہ سب کے دلوں پر کام کر رہا تھا ۔ سید صاحب کی زبان سے دلی سچائی اور دلی جوش سے جو لفظ نکلتا تھا ہر ایک کے دل میں تیر بہدف جا کر بیٹھتا تھا ۔ مجھ کو سید صاحب سے اکثر ملنے اور بات چیت سننے کا اتفاق ہؤا ہے ، میں نے اس قدر مؤثر کلام ان کا کبھی اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا ۔ ہمارے شفیق ایڈیٹر اخبار "انجمن پنجاب[2]" لاہور نے جو کچھ اس لیکچر کی نسبت لکھا ہے ہم اس کو اس مقام پر لکھتے ہیں :

۱۔ اصل میں "ہؤا" نہیں ہے ۔ (ادارہ)

۲۔ اصل میں "پنجاب" کا لفظ رہ گیا ہے ۔ (ادارہ)

منقول از اخبار "انجمن پنجاب" مورخہ ۹ فروری سنہ ۱۸۸۴ع

''۳۱ جنوری کو سید صاحب کا ''اسلام'' پر لیکچر ہوتا لیکن کسی وجہ سے اس لیکچر کو ، جس کے مشتاق ہر صغیر و کبیر تھے ، ملتوی کر دیا گیا اور تیسرے روز یعنی یکم فروری کو یہ لیکچر شام کے وقت مہاراجہ کپور تھلہ کی کوٹھی میں ہؤا - لیکن کافی اطلاع نہ ہونے کے باعث اور مکان کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے بہت سے ایسے اشخاص ، جو اس لیکچر کے نہایت مشتاق تھے ، اس لیکچر میں شامل نہ ہو سکے - پھر بھی اس لیکچر میں ۸۰۰ آدمی سے زیادہ تھے اور دو سو آدمیوں سے زیادہ گنجایش اس مکان میں بھی نہ تھی - لیکن فی الحقیقت لیکچر نہایت فصیح ہونے کے علاوہ غایت درجہ مؤثر الفاظ میں تھا اور حاضرین پر ایک عجب کیفیت طاری تھی - اس لیکچر میں اہل ہنود میں سے بھی چند صاحبان موجود تھے اور شاید دو چار عیسائی بھی ہووین - لیکن مسلمانوں کے ہر فرقے کے آدمی موجود تھے - شیعہ لوگ بھی تھے جن میں سے جناب مولوی الفت حسین صاحب قابل ذکر ہیں - حنفی لوگ کثرت سے تھے اور غیرمقلّد بھی موجود تھے ، جن میں سے میاں رجب الدین قابل ذکر ہیں - سید صاحب نے جو کچھ اس لیکچر میں فرمایا ، ہر شخص کو پسند آیا - اُنھوں نے بہت سے بہتان ، جو اہل غرض نے اس بزرگ اور مقدس شخص پر لگائے تھے ، اپنے عقاید بیان کرنے سے دور کیے اور نہایت جوانمردی سے اُن شخصوں کو معاف کیا جنھوں نے اُن کو نیچری اور کافر ٹھیرایا تھا - سید صاحب فی الحقیقت فنافی القوم کے عمدہ سے عمدہ مثال ہیں ، اور اُن کے درد انگیز الفاظ ، جو تہِ دل سے نکلتے

تھے ، دلوں پر بہت بڑا اثر کرتے تھے ۔ یہ لیکچر لاہور میں نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کی کوشش سے ہؤا تھا ۔ اکثر اشخاص اس کے فوائد سے اور اس کے نتائج سے بالکل ناواقف تھے ، بلکہ بالکل برخلاف نتیجہ نکالتے تھے ۔ لیکن خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہمارے احباب کی آرزو صرف پوری ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ نتائج ظاہر ہوئے کہ جن کا خیال بھی نہ تھا ۔ لاہور میں ہر متنفس ، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ، برہمو ہو یا آریا ، مقلد یا غیرمقلد ، سنی ہو یا شیعہ ، سید صاحب کا مداح نظر آتا ہے ۔ اور صرف اس لیے کہ سید صاحب کے دنیاوی خیالات کو چھوڑ کر ، جس کا ہر شخص پہلے سے بھی ہمدرد تھا ، مسلمانوں کی طرح طرح کی غلط فہمیاں اس لیکچر سے اُن کے مذہبی عقاید کی طرف سے بالکل دور ہوگئیں ۔ اس سے سید صاحب کو چنداں بڑا فائدہ نہیں لیکن مسلمانوں کی قوم کو بڑا فائدہ ہوگا ۔ اب تک اکثر مسلمان ، جو اُن کے مخالف تھے اور اُن کی دنیاوی اصلاحوں میں طرح طرح کے شبہات رکھتے تھے ، وہ صرف اس قسم کی غلط فہمیوں کے باعث خواہ مخواہ اُن سے اختلاف ظاہر کرنے کو ایک فرض اسلامی سمجھتے تھے ۔ سچ ہے راستی کو ضرور فتح ہوتی ہے ۔ اگر افسوس ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ یہ لیکچر عام نہ ہو سکا جس کا باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ انتظام کو اس لیکچر کی قدر پہلے سے معلوم نہ تھی ۔ اور بڑا باعث یہ ہے کہ یہاں کوئی مسلمانوں کے پاس ایسا مکان نہیں تھا جو ہر طرح سے اس لیکچر کے مناسب ہوتا ۔''

سید صاحب سے مخالفت

قیل ان الالہ ذو ولد
قیل ان الرسول قد کہنا

ما نجی اللہ والرسول معا
من اذا ھم فکیف سیدنا

جیسی محبت سید صاحب کی لوگوں کے دلوں میں ہے اُن کے مخالفوں کے دلوں میں عداوت بھی کچھ کم نہیں ہے ، گو کہ اب وہ صرف معدودے چند باقی رہ گئے ہیں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں ۔ اُن کی مخالفت کے مختلف اسباب ہیں ۔ ممکن تھا کہ میں اُن سب کو ایک ایک کر کے بیان کرتا مگر مجھے یقین ہے کہ سید صاحب کی پسند خاطر نہ ہوتا ۔ تعجب یہ ہے کہ سید صاحب کے دل میں نہ کسی مخالف کی طرف سے رنج ہے نہ بدظنی ۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ جو لوگ میرے مخالف ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اسلام کے برخلاف ہوں اور میرے خیالات سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے ۔ پس جو کچھ کہ وہ اپنی دانست میں اس خیال پر کرتے ہیں اُس کے لیے وہ بزرگ تعریف کے قابل ہیں ، نہ مذمت کے لایق ۔

لوگوں نے اُن کے حسب و نسب و خاندان کے حالات دریافت کرنے میں کوشش کی ۔ اُن کی سیرت و خصلت اور اُن کے چال چلن کی بہت کچھ تفتیش کی ۔ اُن کی تحریرات تو درحقیقت ایسی تھیں کہ ایمانداری اور سچائی سے اُن پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی تھی ۔ بڑے سے بڑا الزام یہ لگا سکتے تھے کہ فلاں قول اگلے

علماء کے اقوال یا جمہور علماء کے برخلاف ہے ۔ اس امر کی سید صاحب کچھ پروا ہی نہیں کرتے تھے تو اُن مخالفین کے پاس بجز جھوٹ اور اتہام کے کیا چیز تھی کہ جس کو وہ مخالفت میں کام میں لا سکتے ۔ اس لیے اُن مخالفین نے اُسی کو اختیار کیا اور تقریر میں اور تحریر میں اُسی کی پیروی کی ۔ مگر اُنھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ سید صاحب اُس کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سید صاحب کے سامنے بیان کیا کہ فلاں صاحب آپ کی نسبت یہ بات بیان کرتے تھے جو کذبِ محض تھی ۔ سید صاحب سن کر ہنسے اور کہا کہ آپ اُن صاحب سے کہہ دیں کہ جناب ، مجھ میں واقعی عیب کون سے کم ہیں جو آپ کو خلافِ واقع اتہام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ؟

تحریرات میں مخالفین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ محض غلط باتیں اُن کی نسبت لکھتے ہیں ۔ اُن کے عمدہ اقوال کو بگاڑ کر ، تحریف کرکے چھاپتے ہیں کہ سید صاحب کا یہ قول اور یہ عقیدہ ہے حالانکہ وہ محض جھوٹ اور غلط ہوتا ہے ۔ یہ بلا ہمارے ہی اطراف کے لوگوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے ، اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا ، کیونکہ قدیم سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے ۔ واللہ در من قال :

حسن ز بصرہ ، بلال از حبش ، صہیب از روم
زخاک مکہ ابوجہل ، ایں چہ بوالعجبیست

پنجاب کے بزرگوں نے جو اس قدر محبت سید صاحب کے ساتھ کی اُس سے بھی اُن کے مخالف نہایت رنجیدہ ہوئے ۔ اخبار ''نیر اعظم'' مراد آباد نے بزرگانِ پنجاب کو بہت ملامت کی کہ کیوں سید

صاحب کی اس قدر توقیر کی اور ایسے بدعقیدہ کو کیوں اپنا پیشوا بنایا ۔ اور موافق اپنے طریقے کے چند عقاید نسبت سید صاحب کے منسوب کیے کہ آن کے یہ عقیدے ہیں ۔ اور سوال کیا کہ آیا اہل پنجاب بھی انھی عقیدوں پر ایمان لائے ہیں یا سید صاحب نے اپنے عقاید بد سے توبہ کی ہے ؟ افسوس ہے کہ اخبار ''نیر اعظم'' مراد آباد میرے پاس موجود نہیں ہے ورنہ میں اس کی بھی اسی طرح اس رسالے میں نقل کرتا جیسے کہ ''شفاءالصدور'' کی نقل کی ہے ۔ غالباً پنجاب کے کسی نوجوان تعلیم یافتہ نے اخبار ''نیر اعظم'' مراد آباد کے مضمون پر دو آرٹیکل لکھے ہیں اور ہمارے شفیق ایڈیٹر ''پنجابی اخبار'' لاہور نے اپنی مہربانی سے آن کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے جو واقعات سفر پنجاب کے قابل یاد واقعات میں ہو سکتا ہے ۔ اس لیے ہم دونوں آرٹیکلوں کو بجنسہ اس رسالے میں چھاپتے ہیں تاکہ آیندہ کو بھی آن کی یادگاری رہے ۔ اور جناب منشی عبداللطیف صاحب ایڈیٹر ''پنجابی اخبار'' لاہور کا شکر ادا کرتے ہیں جن کی مہربانی اور قومی ہمدردی کے سبب وہ دونوں آرٹیکل انھوں نے اپنے اخبار میں چھاپے اور آن کی بدولت آن کے لکھنے والوں کے خیالات ہم تک پہنچے ، اور اس رسالے میں مندرج ہونے سے ہمارے اس رسالے کی عزت کے باعث ہوئے :

پنجاب اور سید احمد خاں

(مندرجہ ''پنجابی اخبار'' لاہور ، مطبوعہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۸۴ع)

''جب کہ مسلمانوں کا جہاز افلاس کے گرداب میں چکر کھا رہا تھا ، نفاق کی جھنڈی علماے وقت کے ہاتھ میں تھی ، اسلام کی

قوت ۲/۱ پر تقسیم ہو چکی تھی ، دین داری کا مدار صرف اس بات پر رہ گیا تھا کہ کسی مسلمان کو کافر و لامذہب ، کسی کو خارجی ، ناصبی و معتزلی ، کسی کو مقلد و غیر مقلد کہہ کر پکارا جاتا تھا ، ہر ایک کے دل میں آپس کا حسد موج زن تھا ، سب ایک دوسرے سے الگ ہوتے جاتے تھے ، تب خدا کو رحم آیا ۔ اُس نے پردۂ غیب سے ہمارے لیے ایک ایسا اولوالعزم ناخدا بھیجا جو ہمارے جہاز کو گردابِ جہالت سے نِکال کر ساحلِ ترقی پر کھینچے لیے جاتا ہے اور سب کو ایک دردناک آواز سے یہ کہہ کر للکارتا ہے : ''کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً ۔''

افسوس بعض ضدی ، مسلمانوں کے دشمن اس کی پیاری باتوں ، اس کی سچی تحریروں کو بگاڑ بگاڑ کر دکھلا رہے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ تم کو دھوکا دیتا ہے ۔ اس کی ایک نہ سنو ۔ جو شخص سمجھ دار ہیں ، اپنی گرہ کی عقل رکھتے ہیں ، وہ تو کسی کی نہیں سنتے اور نہ کسی کی مخالفت کا اندیشہ رکھتے ہیں بلکہ نہایت استقلال سے اس کی تحریروں کو پڑھتے ہیں اور اس کی دل سوز تقریروں کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک ڈاکٹر بچے کے زخم میں نشتر مارتا ہے ، تاکہ اس کی تکلیف جلد رفع ہو ، اور وہ ناسمجھ چلاتا ہے اور گالیاں دیتا ہے ، ڈاکٹر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ پروا نہیں ، جب یہ سمجھ دار ہو جائیں گے تو خود جان لیں گے کہ میں ان کا سچا غم خوار تھا ۔ اگر غور کیا جائے تو یہی حال بعینہ آج کل ہندوستان کے آنریبل سید احمد اور اس کے مسلمان بھائیوں کا ہو رہا ہے کہ وہ اِس نعمتِ ربانی کو حسد کی لاتوں سے مار رہے ہیں ، اس کی

کوششوں پر طرح طرح کے حملے کر رہے ہیں - وہ بے چارہ کس کس جادو بھرے کلام سے اس کی تلافی کر رہا ہے کہ جوں جوں وہ ہم کو برا کہیں گے ، ہم پر کفر کے فتوے دہیں گے ، توں توں ہم کو ان سے زیادہ رغبت ہوتی جائے گی اور ہم ان کی بھلائی میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے -

بعض اخبار نویسوں نے تو یہ اپنا وظیفہ ہی مقرر کر لیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بزرگ سید کی کارروائیوں میں رخنہ انداز ہوں تاکہ مسلمانوں کو تحت الثریٰ میں پہنچنے میں کوئی آڑ باقی نہ رہے - چنانچہ پرسوں میری نظر سے اخبار ''نیر اعظم'' مراد آباد گزرا - جو تعظیم و تکریم سید صاحب کی پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں ہوئی اس پر ایڈیٹر اخبار نے بڑی بڑی نکتہ چینیاں کیں ، جس کو دیکھ کر مجھے کچھ افسوس ہؤا اور کچھ خوشی - افسوس تو اس لیے ہؤا کہ جن لوگوں نے سید صاحب کی کارروائی کو ناپسند کیا ان کو چاہیے تھا کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر مسلمانوں کی ترقی کی کر دکھاتے ، پھر کچھ کہتے تو سننے کے قابل ہوتا - اپنے اپاہج ہاتھوں سے تو کچھ کر نہ سکے ، دوسرے کے کام کو پسند نہ کیا - اب غریب مسلمان ادبار سے کیوں کر قدم نکالیں ؟ خوشی اس وجہ سے ہوئی کہ جس قدر سید صاحب کی باتیں لوگوں کو بذریعہ تفسیر بدنما کرکے دکھلائی جاتی ہیں ، لوگ اسی قدر سید صاحب کی طرف زیادہ رجوع ہوتے جاتے ہیں اور ان کے خیالات کے مطالعے کا شوق روز بروز بڑھتا جاتا ہے ، حق و باطل میں تمیز کرکے اپنی پچھلی حالت پر افسوس کرتے ہیں -

سید صاحب نے کوئی نیا اسلام اختیار نہیں کیا جس پر لوگ

ان پر فدا ہوگئے بلکہ ان کا خیال ، جیسا کہ پہلے تھا ، اب بھی ویسا ہی ہے ۔ البتہ فرق اتنا ضرور ہے کہ پہلے جو سید صاحب کے خیالات ہم تک پہنچے وہ آپ کے ذریعے سے پہنچے تھے اور جو اب سید صاحب کی زبانِ مبارک سے سنے وہ بالکل خالص تھے ۔ جن لوگوں نے سید صاحب کے خالص خیالات بذریعہ ان کی تصنیف کے دیکھے تھے وہ تو مدتِ مدید سے ان پر جاں نثاری کر رہے تھے ۔ جن لوگوں کو تصیف دیکھنے کا موقع میسر نہ ہؤا تھا انھوں نے اب زبانِ گوہر فشاں سے سن لیے ۔ آپ جیسے غم خوارِ قوم نے جو بدنما کرکے دکھلائے تھے ان کی حقیقت سب پر کھل گئی ۔ اس واسطے پنجاب کے سرسبز ملک نے سید صاحب کو اپنا حقیقی محسن سمجھ کر سر آنکھوں پر اٹھا لیا ۔

سنٹرل انڈیا جیسے گرم ملک میں سید صاحب کی مخالفت ہو تو کچھ تعجب نہیں کیوں کہ وہاں کی آب و ہوا ہی میں یہ تاثیر ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی ۔ البتہ پنجاب کی شاداب و سرسبز آب و ہوا نے لوگوں کے دل پر ظاہر کر دیا کہ بے شک ناخدا ہو تو ایسا ہی ہو اور ریفارمر ہو تو اسی صفت کا ہو ۔ جس قدر علم پھیلے گا اسی قدر سید صاحب کے قدردان پیدا ہوتے جائیں گے ۔ جس گرم جوشی اور فرطِ عقیدت سے لاہور کے ہزاروں آدمیوں نے ، اور خاص کر پنجاب کے نوجوان تعلیم یافتہ گروہ نے ، تُرکی لباس میں اس رستے کے دونوں طرف صفیں باندھ کر حضورِ ممدوح کا استقبال کیا ، جس میں لال بنات کا فرش ریل گاڑی سے باہر کی ڈیوڑھی تک تھا ، ہمیشہ پنجاب کے لیے فخر کا باعث ہوگا ۔ خیر جو ہؤا سو ہؤا ۔ اے عزیزو ! اب اس مخالفت کو جانے دو ۔ جو کام قومی بھلائی کا ہے اس میں رخنہ انداز نہ ہو ۔

مذہبی اعتقاد کسی کا کچھ ہو ، جب ہم اہل قرآن ہیں تو سب آپس میں بھائی ہیں - ہم سے جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی بہبود میں مل کر ساعی ہونا چاہیے - یاد رکھو اگر ترقی کے اسباب پیدا نہ کیے جائیں گے تو یہ افلاس کی گھٹا بے چارے مسلمان جولاہوں ، سقّوں ، دھوبیوں ، نائیوں ، بھٹیاروں اور حجاموں ہی پر محدود نہ رہے گی بلکہ تمام مسلمانوں پر برسے گی ، جس سے سب کے سب تباہ ہو جائیں گے - پھر تمہارا اسلام کس کام آوے گا ؟

اے ازلی ابدی خدا ! ہم پر رحم کر ، ہمارے دلوں میں الفت ڈال -

راقم
مہدی"

آنریبل سید احمد خاں کے عقاید

(مندرجہ "پنجابی اخبار" لاہور ، مطبوعہ بارھویں مارچ سنہ ۱۸۸۴ع)

"جو کچھ ۱۱ فروری کے "نیر اعظم" میں ہمارے اور ہمارے ملک کی نسبت چھپا ، اور نیز ہمارے سامنے سید صاحب کے چند غلط عقاید پیش کرکے ہم سے دریافت کیا ہے کہ جس حالت میں سید صاحب کے ایسے عقاید ہیں تو تم لوگوں نے سید کی ایسی تعظیم کیوں کی اور اپنا پیشوا کیوں مانا ہے ؟ پس ہم کو جو کچھ سید صاحب کے عقاید کی نسبت معلوم ہے ، پبلک کے سامنے پیش کرکے انصاف پذیر صاحبوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ مخالفت اسلام کی ہے یا علمائے وقت کی ؟ جس میں وہ خود بھی مختلف ہو

رہے ہیں -

سب سے پیشتر ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں انسان کو خدا نے مختلف طبائع پر پیدا کیا ہے ، جس کے سبب ہر ایک فرد بشر کی رائے ، پسند اور سمجھ بوجھ بالکل مختلف ہے (اس موقع پر ہم دو شخصوں کی نظیر دیتے ہیں جن کو زمانہ ابوجہل اور حضرت عمرؓ پکارتا ہے) ، جس کے سبب ایک گروہ ایک بات کو پسند کرتا ہے ، دوسرا اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - اب ضرور ہؤا کہ کوئی معیار انسان اپنے لیے ایسی مقرر کرے جس سے اپنی صداقت اور دوسروں کی غلطی کا فیصلہ کر لے - وہ کیا ؟ وہ ایک کتاب ہے جو خدا نے اپنے ہاتھ سے ، اپنے قلم سے لکھی ، جس کو لوگ نیچر یا فطرت اللہ کہتے ہیں - یہ وہ کتاب ہے جو ابدالآباد تک ویسی ہی سچی اور مستحکم رہے گی جیسی کہ اب ہے - یہ وہ لازوال کتاب ہے جس سے خدا کی مرضی لوگوں نے پہچانی - اسی کی تائید کلامِ ربانی یوں کرتا ہے : ''لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم و لکن اکثرالناس لایعلمون -'' (سورۃ الروم) ترجمہ : ''خدا کے نیچر میں کچھ تبدیلی نہیں ہے - یہی مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے -'' اس موجودات اور تجربے سے انسان تمام باتیں اپنے لیے اخذ کرتا ہے - جو چیز اپنے لیے مفید پاتا ہے اس کو قبول کر لیتا ہے ، جس کو مضر دیکھتا ہے فوراً چھوڑ دیتا ہے - اگر غور کیا جاوے تو یہی انسانیت کی اصل صفت ہے -

اب اس بات کا بیان کرنا بے فائدہ نہ ہوگا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی - افلاس کی چیخ

ہر ایک کے گھر سے آ رہی تھی - ہمارے ہی بیچ میں سے ایک بندۂ خدا نے اس کو اپنا فرض جان کر قوم کے لیے ایک دارالعلوم بنا دیا جس میں وہ پناہ گیر ہوں - اور ہم لوگوں نے ایسے نازک وقت میں اس کو مدد دی یا اپنا پیشوا و رہبر سمجھا تو کیا برا کیا ؟ اگر ایسی حالت کو پیری و مریدی سے تعبیر کیا جائے تو نہایت افسوس کا مقام ہے - اس زمانے میں اگر علم کو سب کا پیر کہا جاتا تو شاید درست ہوتا کیوں کہ آج کل اس کے تمام مرید ہوتے جاتے ہیں - اس کی شعاؤں کے سامنے کسی کی کچھ بات نہیں ٹھیرتی - جو درست ہوتی ہے وہی قابل قبول ہوتی ہے -

اگر آپ ہم کو اس پیر سے بیعت کرنے سے روکتے ہیں تو آپ ہمارے دردخواہ نہیں ، اور نہ ہم آپ سے متفق الرائے ہیں - پنجاب میں تمام فرقے کے لوگوں نے جو سید صاحب کی اس قدر تعظیم و تکریم کی تو اس کا یہی سبب ہے کہ اس ملک کے باشندے علم دوست ہیں ، بلکہ اس نے تمام ملک پر یہ افتخار حاصل کر لیا کہ جو شخص ان کے لیے علم کا ذریعہ ہو اس پر کیسی جان نثاری کرتے ہیں -

رہی یہ بات کہ سید صاحب کو ہم نے اپنا پیشوا مانا یا نہیں ؟ سو اس پر یہ عرض ہے کہ سید صاحب کے جس قدر عقاید ہم لوگوں تک تحریر و تقریر کے ذریعے سے پہنچے ، انھوں نے ہر ایک فرقے کے محقق گروہ پر ثابت کر دیا کہ وہ بے شبہ پکے مسلمان اور اسلام کے سچے خیرخواہ ہیں - ان کے عقاید یا محققہ مسائل نے ہم پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر انھوں نے کچھ مخالفت کی ہے تو اسلام کے بعض علماء کے اعتقادات سے ، جو معصوم

نہ تھے ۔ اسلام کی مخالفت کبھی تو جب زیبا ہوتی جب وہ اسلام کو سچا مذہب نہ جانتے ، نبی ؐ کو برحق نہ کہتے ، قرآن مجید کو خدا کا کلام نہ مانتے ، خدا کو وحدہ لا شریک خیال نہ کرتے ۔ جب وہ ان تمام باتوں پر دل سے یقین کامل رکھتے ہیں تو بلا شبہ پکے مسلمان اور ٹھیٹ اسلام کے پیرو ہیں ۔

سید صاحب کے جس قدر عقاید آپ نے پبلک کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کیے ہیں ، افسوس وہ سراسر غلطیوں سے لبریز ہیں ۔ جو کچھ ہم کو جناب ممدوح کے عقاید کی بابت معلوم ہے ، ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں ، جس سے ایڈیٹر مذکور کی غلط بیانی دور ہو جائے ۔ بروقت ملاحظہ کرنے اس اخبار کے ناظرین اخبار ''نیر اعظم'' کے چھٹے صفحے کے تیسرے اور چوتھے کالم کو سامنے رکھ لیں ۔

قرآن مجید بے شک جبرئیل کے ذریعے سے محمد صاحب صلعم کو پہنچا تھا ۔ جبرئیل کے معنی قوت اللہ کے ہیں ۔ جبر بمعنی قوت ، ایل کے معنی اللہ کے ہیں ۔ جو خدا نے ہم کو حقیقت جبرئیل وحی کی بتائی وہ تو یہ ہے : ''من کان عدوالجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ'' (سورۂ بقر) ۔ خدا نے محمد صلعم کو خطاب کر کے فرمایا : ''جبرئیل نے خدا کے حکم سے تیرے دل میں قرآن جمع کر دیا یا ڈال دیا ۔'' اگر جناب کا یہ خیال ہے کہ کوئی مجسّم فرشتہ محمد صلعم کو قرآن سامنے کھڑا ہو کر سنا جایا کرتا تھا تو قرآن ایسے مجسّم ہونے کی خود تکذیب کرتا ہے ۔ جہاں اس نے فرمایا ہے : ''وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون'' یعنی کافروں نے کہا : ''کیوں نہیں بھیجا پیغمبر پر

فرشتہ - اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالی جاتی -'' اس سے پایا جاتا ہے کہ عرب کے کافر آپ کی مانند فرشتوں کے مجسّم ہونے کے قائل تھے - جب اُنھوں نے ظاہر کوئی فرشتہ محمد صلعم صاحب کے پاس آتا نہیں دیکھا تو ''لولا أنزل علیہ ملک'' کہا ، جس کے جواب میں خدا نے فرمایا : اگر تمھارے خیال کے موافق فرشتہ بھیج بھی دیتے تو یہ بات ڈھیل میں نہ پڑتی - علاوہ ازیں جو آیتیں آگے مذکور ہیں اُن سے جبرئیل کا واسطہ بھی نہیں پایا جاتا ، جیسے کہ ''ان علینا جمعہ و قرآنہ'' یعنی ہمارا ذمہ ہے وحی کو تیرے دل میں اکھٹا کر دینے اور اُس کے پڑھنے کا - پھر ''فاذا قرآناہ فاتبع قرآنہ'' فرمایا ، یعنی جب ہم اُس کو پڑھ چکیں تو تُو اُس کے پڑھنے کی پیروی کر - پھر کہا : ''ثم علینا بیانہ'' یعنی ہمارا ذمہ ہے اس کا مطلب بتانا - پھر دوسری جگہ اور زیادہ صاف کر کے بتایا جہاں فرمایا : ''وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی'' یعنی محمد صلعم اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا مگر یہ وہ بات ہے جو اُس کے دل میں ڈالی گئی[1] - جو آیت سورۂ النحل میں مذکور ہے اس کے بھی آپ یقینی یہی معنی سمجھتے ہوں گے کہ مکھی کو جبرئیل امین نے

---

[1] - یہ اوہام اور وساوس قطعاً باطل ہیں اور خدا و رسول کے مطلب کے خلاف - نہ ان آیات کے یہ معنی ہیں جو سمجھے گئے ہیں - جب ہم ہوا کے وجود کے قائل ہیں جو نظر نہیں آتی تو فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہے ؟ جیسی خدا کی اور ہزاروں قسم کی مخلوق ہے ایسی ہی ایک مخلوق فرشتے بھی ہیں جو خدا کے حکم کے موافق کارخانۂ عالم کو چلاتے اور انسان کے دل میں نیکی کے خیالات اور بھلائی کے جذبات پیدا کرتے ہیں - (محمد اسماعیل پانی پتی)

وحی کو پڑھ کر سنا دیا تھا جس کو مکھی مذکور نے یاد کر لیا ہوگا - چنانچہ وہ آیت یہ ہے : ''و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون'' یعنی وحی بھیجی تیرے خدا نے شہد کی مکھی کی طرف تاکہ مکان بنائے پہاڑ کے اونچے درختوں میں - یہاں سے صاف پایا جاتا ہے کہ مکھی کے دل میں خدا نے اس بات کا القا کر دیا تھا جس کے سبب وہ ایسا خوبصورت مسدسیہ گھر بناتی ہے -

دیکھیے قرآن کیسے جوش سے سید کی تائید کرتا ہے - اگر آپ کو کوئی آیت فرشتوں کے مجسّم ہونے کی یاد ہو تو فرمائیے -

ہم نے آج تک سید کا کوئی قول نہیں دیکھا جس میں انھوں نے یہ کہا ہو کہ کوئی حدیث صحیح نہیں ، جب تک ہماری رائے کے مطابق نہ ہو - یہ محض افترا ہے - البتہ جو سید صاحب نے اپنی رائے احادیث کی بابت لکھی ہے ، اس مضمون کے اول میں سید نے علماء کے اختلاف کو ظاہر کرکے لکھا ہے کہ ''علمائے متقدمین نے جو کچھ ان کی نسبت رائے قائم کی ہے وہ صرف ان کی رائے ہے - کوئی حدیث با حکم منجانب شارع اس پر نہیں ہے - پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی ان راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن ان کی طرف رکھیں - مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور خود کچھ بھی خیال نہ کریں - ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حدیثوں کو حدیث نبوی ٹھیرانے کے لیے کوئی عمدہ اصول قرار دیں : پس وہ یہ ہیں (دیکھو تہذیب الاخلاق ، بابت جلد دو ، پرچہ ۲۰) :

۱- ہم کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید

کے برخلاف ہے یا نہیں ۔ اگر ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے ، جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سماع موتیٰ کے حدیث نبوی ہونے سے بسبب مخالفت قرآن کے انکار کیا ، باوجودیکہ صحابی اس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت مہد رسول مقبول صلعم سے گزرا تھا ۔

۲۔ اس حدیث میں اشیائے موجودہ میں سے کسی شے کی حقیقت الہام سے بطور واقعہ کے بیان کی ہو ، نہ بطور عرف عام کے ، اور وہ بیان درحقیقت اس موجودہ شے کی حقیقت کے برخلاف ہو تو وہ حدیث نبوی نہیں ۔

۳۔ اس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاقہ رکھتا ہے ، اور تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے ، تو ہم اس کو حدیث نبوی نہیں تسلیم کرتے ۔

۴۔ اس حدیث میں ایسا واقعہ حسّی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقع ہوتا تو ہزاروں آدمی اس کو دیکھتے ، مگر اس کا ہونا صرف اسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہوں تو وہ بھی حدیث نبوی قرار نہیں پاتی ۔

۵۔ اس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاقہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا سب کو ضرور تھا ، مگر اس سے صرف اسی حدیث کے راوی واقف تھے ، نہ اور کوئی تو وہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی ۔

۶- اس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصولِ مذہب اسلام کے ہو جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو وہ بھی حدیثِ نبوی قرار نہیں پا سکتی۔

۷- اس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو، اور جب تک ان کا الہام سے ہونا نہ ثابت ہو تو تسلیم کرنے کے لایق نہیں ہے۔

جبرئیل اور شیطان کا نام خدا نے رکھا ہے۔ ان کو آپ فرضی سمجھتے ہوں گے کیوں کہ آپ کی نظرِ مبارک سے کبھی آج تک نہیں گزرے۔ شیطان کا جیسا جسم آپ نے مقرر کر رکھا ہے اگر ویسا ہوتا، یعنی ایک بڑے قد کا آدمی، سر پر عمامہ بندھا ہوا، گلے میں عربی جبّہ پڑا ہوا، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنا ہوا تو ایسے وجود کا ضرور فطرت اللہ میں ثبوت ملتا۔ آپ کو یاد رہے کہ وجود کی پانچ قسمیں ہیں: وجودِ ذاتی، وجودِ حسّی، وجودِ خیالی، وجودِ عقلی، وجودِ شبہی۔ پس علمائے اکابر متقدمین کے نزدیک اگر کوئی شخص تمام مذہبی باتوں کو ان پانچ وجود میں سے کسی وجود پر محمول کرے تو وہ شخص سلام اکا مصدّق ہے نہ مکذّب۔ علاوہ اس کے سید سے کئی سو برس پیشتر ایک بزرگ ملایک اور شیطان کے وجود کا فیصلہ کر گیا جس کا لقب امام الموحّدین، کبریتِ احمر، اکسیرِ اعظم اور شیخ الطایفہ ہے۔ ان حضرت کا نام محی الدین ابنِ عربی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''فصوص الحکم'' میں، جس کی شرح شیخ عارف باللہ مویدالدین ابن محمود المعروف بالجندی نے ملایکہ کے وجود کی نسبت کی ہے، جو بحث لکھی ہے اس کے یہ چند فقرے درج ہیں۔

وہ فرماتے ہیں : ''اعلم ان الملائکۃ ارواح القوائے القائمۃ بالصور الحسیۃ والارواح النفسیۃ والعقلیۃ القدسیۃ و تسمیتہا ملائکۃ لکونہا روابط و موصلات الاحکام الربانیۃ والآثار الالٰہیۃ الی العوالم الجسمانیۃ فان الملک فی اللغۃ ھو القوۃ والشدۃ . . . فکانت الملائکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشانات الانسان و کل قوۃ منہا محجوبۃ بنفسہا لاتری افضل من ذاتہا . . . و اما القوۃ الروحانیۃ فکالمتخیلۃ والمتفکرۃ والحافظۃ والذاکرۃ والعاقلۃ والناطقۃ و ھذا القوی الکلیات . . . انواعہا و شخصیاتہا منتشرۃ و منبثۃ فی فضاء السماوات والارضین و ما بینہا ۔'' اگر تمام عبارت کو نقل کیا جاتا تو کئی صفحے لکھنے پڑتے ۔ جو صاحب چاہیں اصل کتاب میں یا سید صاحب کی تفسیر میں ملاحظہ کرلیں ۔ مطلب اس تمام کا یہ ہے کہ جو قوا انسان میں ہیں آنھی میں سے بعض کا نام ملائکہ ہے ۔ پھر شارح فرماتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا اور سونگھنا اور چکھنا ، چھونا وغیرہ ، جو انسان میں ہے ، وہ سب انھی قوائے ملکوتی حسّیہ کے ماتحت ہیں ، اور قوتِ متخیلہ و متفکرہ ، عاقلہ و ناطقہ انھی قوائے ملکوتی روحانیہ کے طابع ہیں ۔ جاذبہ و ماسکہ اور ہاضمہ و مصورہ وغیرہ انھی قوائے ملکوتی طبیعیہ میں داخل ہیں ۔ حلم ، علم اور وقار ، عدالت ، شجاعت ، سیاست اور ریاست انھی قوائے ملکوتی حیوانیہ میں شامل ہیں اور یہ تمام قوا زمین اور آسمان اور آن کی فضا میں پھیلے ہوئے ہیں[1] ۔

۱۔ ابن عربی یا سرسید کے صرف کہہ دینے سے ملائکہ کا خارجی وجود باطل نہیں ہوجاتا ۔ یہ آن کے اپنے خیالات ہیں جو ضروری نہیں کہ صحیح ہوں ۔ مگر اس باب میں جمہور علمائے اسلام کا مذہب یہی ہے اور یہی سچ ہے کہ فرشتوں کا الگ وجود یقیناً موجود ہے ۔
(محمد اسماعیل پانی پتی)

پھر شیطان کی بابت قیصری شرح فصوص میں لکھا ہے : ''قبل ابلیس ہو قوۃ الوھمیۃ الکلیۃالتی فی‌العالم‌الکبیر و القوی‌الوھمیۃالتی فی‌الاشخاص الانسانیۃ . . . '' یعنی بعض اکابر نے کہا ہے کہ عالمِ کبیر . . . . میں جو قوت وھمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوت وھمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں ۔ خدا نے بھی دوسری آیت میں اس کی اصل حقیقت کھول دی ، یعنی فرمایا ہے : ''جو وسوسے تیرے دل میں آتے ہیں آن کو ہم جانتے ہیں ۔'' پھر فرمایا ہے : ''نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے ۔'' غرض کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انھی قویٰ کو ، جو انسان میں ہیں اور جن کو نفسِ اماره یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں ، شیطان کہتے ہیں ۔

اول جاننا چاہیے کہ معجزہ کیا چیز ہے ؟ وہ خرقِ عادت کا ایک شرعی نام ہے ، یا آس کو شرعی اصطلاح میں معجزہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جب یہ خرقِ عادت نبیوں اور غیر نبیوں دونوں سے ظہور میں آتی ہیں تو ہر ایک کے لیے گنجایشِ نبوت نکل سکتی ہے ۔ تو پھر سچے نبی کی کیا نشانی ہو سکتی ہے ؟ دیکھیے امام حجۃالاسلام کی ''کیمیاے سعادت'' میں ۔ وہ دل کے چند خواص بیان کرکے فرماتے ہیں کہ ''ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ اگر بیمار کی طرف ہمت باندھ کر کہے کہ یہ اچھا ہو جائے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے ۔ اگر ہمت کرے کہ بارش ہو جائے تو وہ ہو جاتی ہے ۔'' وہ فرماتے ہیں کہ ''آنرا چشم زدگی گویند و سحر ہم گویند ۔ ازیں بابست در جملہ تاثیر نفس آدمی است . . . پس این نیز از عجایب قدرتہاست کہ در دل ست و این چنیں خاصیت چوں کسی را پدید آید اگر داعی خلق باشد معجزہ گویند و اگر نباشد

کرامات گویند و اگر درکار خیر باشد آں کس را نبی یا ولی گویند و اگر در شر باشد آنکس را ساحر گویند ۔ سحر و کرامات و معجزہ ہمہ از خاصیت قدرت دل آدمی ست ۔'' پس معلوم ہؤا کہ جادو ، کرامات و معجزہ ایک ہی چیز ہے مگر نام مختلف ہیں ۔ اسی کو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ مسمریزم کہتے ہیں ۔

علاوہ بریں کتاب اللہ سے بھی کہیں نہیں پایا جاتا کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے ، بلکہ جا بجا اس کی نفی پائی جاتی ہے ۔ اور نہ محمدؐ صاحب نے کبھی معجزہ دکھانے کا دعویٰ کیا ۔ چنانچہ جب کفار نے محمدؐ صاحب سے نشانیاں یعنی معجزے طلب کیے تو خدا فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دے : ''وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون'' یعنی نہیں روکا ہم کو معجزے بھیجنے سے مگر یہ کہ ان کو اگلوں نے جھٹلا دیا تھا ۔ پھر دوسری جگہ فرمایا : ''لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما الآیات عنداللہ و انما انا نذیر مبین (عنکبوت) ۔'' کافروں نے کہا : کیوں نہ اتارے گئے پیغمبر پر معجزے ۔ اس کے جواب میں محمد صلعم سے کہا کہ ''ان سے کہہ دے کہ معجزے اللہ کے پاس ہیں ۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ۔ میں تو علانیہ (بری باتوں سے) ڈرانے والا ہوں ۔'' اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ہے : ''کافروں نے صاف صاف کہا کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک تو زمین میں سے چشمے نہ نکالے یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ ہو جس کے بیچ میں بہتی نہریں ہوں ۔ یا تو ہم پر جیسا کہ تو سمجھتا ہے ، آسمان کے ٹکڑے ڈالے یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ لاوے'' وغیرہ وغیرہ ۔ خدا فرماتا ہے : ''قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرالرسولاً'' یعنی ان سے کہہ دے پاک ہے میرا پروردگار ، میں تو کچھ نہیں

ہوں مگر ایک انسان ، بھیجا ہؤا رسول ہوں - بعض لوگ قرآن مجید میں سے ایک معجزہ شقّ القمر کا پیش کرتے ہیں - ان کو لازم ہے کہ پہلے مقدس عالموں سے فیصلہ کر لیں نہ کہ بزرگ سید پر اتہام لگاویں - چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ''تفہیمات الٰہیہ'' میں صاف لکھتے ہیں کہ ''اما شق القمر فعندنا لیس من المعجزات انما ھو من آیات القیامة کما قال اللہ تعالیٰ : اقتربت الساعة وانشق القمر و لکنه صلعم اخبر عنه قبل وجوده فکان معجزة من ھذا السبیل'' یعنی ہمارے نزدیک شقِ قمر معجزات میں نہیں ہے : ہاں وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے ، جیسا کہ خدا نے فرمایا : قریب ہوئی ساعت ، پھٹ گیا چاند - لیکن آنحضرتؐ نے اس کے ہونے سے پہلے اس کی خبر دی ، اس راہ سے معجزہ ہے - پھر اور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے جب کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان معجزات میں سے کچھ بھی اپنے قرآن میں ذکر نہیں کیا اور نہ مطلق اس کی طرف اشارہ کیا ہے - یعنی ان کے نزدیک قرآن میں کوئی معجزہ نہیں ہے - اصل عبارت یہ ہے ''. . . ولم یذکر اللہ سبحانه شیئا من ھذه المعجزات فی کتابه ولم یشر الیه قط بسر بدیع و ھو ان القرآن انما ھو من الاسم فلا یذکر فیه ما ھو من تحته (تفہیمات الٰہیہ) -''

سید صاحب نے جو کچھ جنّت و نار کی بابت ''تفسیر القرآن'' میں لکھا اس کا ماحصل یہ ہے کہ بہشت کی حقیقت جو خدا نے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ ''فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون'' یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا آن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے ، اس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے - اسی آیت کی تائید حدیثِ قدسی سے اس

طرح ہوتی ہے ، جیسے کہ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ کی سند پر بیان کیا ، وہ یہ ہے : ''قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمت و لا خطر علی قلب بشر'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے ۔ پس اگر بھشت میں درحقیقت یہی چاندی سونے کے محل ، لذیذ میوے اور خوب صورت عورتیں اور لونڈی ہوں تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہیں ، کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے ۔ اگر فرض کیا جاوے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں تو بھی ''ولا خطر علی قلب بشر'' سے خارج نہیں ہو سکتیں ۔ عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جب کہ ان تمام چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے تو اُس کی صفت اضافی کو جہاں تک ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے ، حالانکہ بھشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ ''ولا خطر علی قلب بشر'' ۔ پس بھشت کی یہ تمام چیزیں ، جو بیان ہوئی ہیں ، درحقیقت بھشت میں جو ''قرۃ اعین'' ہوگا اس کے سمجھانے کو بقدرِ طاقتِ بشری تمثیلیں ہیں ، نہ بھشت کی حقیقتیں ۔

اگر آپ کے خیال کے موافق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہاں بھی دنیا کے سے چکلے موجود ہیں اور حوریں منہ پر مثل کشمیرنوں کے پوڈر ملے ہوئے لال گال چمکا رہی ہیں تو اس سے ہمارے خرابات ہزار درجہ بہتر معلوم ہوتے ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ ہم اس قرۃالعین کو نہیں جان سکتے تھے اس لیے خدا و رسول نے ہم کو ایسے پیرائے میں سمجھایا جو ہمارے خیالات کے موافق عالی درجے

کے ہو سکتے تھے - قرآن کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس کا طرز کلام ہر ایک کے دماغ کے مناسب ہے اور نتیجہ پانے میں سب یکساں ہیں -

بے شک قرآن مجید میں خاص کسی آدم کا ذکر نہیں ، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے : ''لقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملئکة اسجدوا لآدم'' یعنی خدا نے تم کو پیدا کیا ، پھر تمھاری صورتیں بنائیں ، پھر ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو - اس میں ''کم'' کا خطاب تمام انسانوں کی طرف ہے - چنانچہ تفسیر ''کشف‌الاسرار و ہتک‌الاستار'' میں لکھا ہے : ''وما المقصود بآدم آدم واحدہ -''

بے شک قرآن مجید سے یہ نہیں پایا جاتا کہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی مارنے کے سبب سمندر درحقیقت جدا ہوگیا یا پھٹ گیا تھا ، بلکہ یہ پایا جاتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے پایاب تھا - جن لفظوں سے آپ صاحبوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہیں : ''فاضرب بعصاک البحر'' - اگر اس مقام پر 'ضرب' کے معنے چلنے کے لیے جاویں ، جیسا کہ دوسری جگہ خود قرآن میں موجود ہے : ''و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة (نساء)'' یعنی جب تم چلو زمین پر یعنی سفر کرو تو کچھ حرج نہیں کہ نماز میں کمی کرو - یہاں 'ضرب' کے معنی چلنے کے ہیں - اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت ''فاضرب لهم طریقاً فی البحر'' کے یہ معنی کیے ہیں کہ ''پس برو برائے ایشان در راہ خشک'' - یعنی شاہ صاحب نے ضرب کے معنے زمین کے لیے ہیں - پس معنے آیت کے یہ ہوئے کہ موسیٰؑ اپنی لاٹھی کے سہارے سمندر میں چل - وہ

پایاب (بسبب جوار بھاٹے کے) ہو رہا ہے - چنانچہ جو آیت (سورۂ طٰہٰ) میں ہے اُس کا صاف یہ مطلب ہے جہاں آں سے فرمایا : ''و لقد اوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا لاتخاف درکا ولاتخشی'' یعنی وحی کی ہم نے موسیٰؑ کو میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے رستے سے لے کر نکل چل - پس اگر معجزہ تھا تو یہی تھا کہ ایسے مشکل وقت میں خدا نے موسیٰؑ اور اُس کے لشکر کو بچا لیا -

حضرت ابراہیمؑ کی عبادت کو تو وحشیانہ کسی نے بھی نہیں کہا ، البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں لوگ ننگے سر ، تہبند باندھ کر ننگ دھڑنگ اس کوٹھے کے گرد کودا کیا کرتے تھے جو ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا اور جس کو اب طواف کہتے ہیں - اگرچہ اُس زمانے کے مطابق وہ وحشیانہ طریقہ تھا مگر دل پر زیادہ اثر کرنے والا تھا ، کیونکہ آج کل دست بستہ صفیں باندھ کر نہایت شایستگی و ادب سے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں -

نبوت کا ملکہ بے شک ایک خلقی امر ہے - جس میں خدا نے یہ ملکہ رکھا ہوگا ضرور وہ نبی ہوگا - سید صاحب کا قول ہے کہ نبی جب اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے نبی ہی ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو نبی ہی مرتا ہے - کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عہدہ کارگزاری پر منحصر ہے ؟ لوہاری اور شاعری تو فن انسانی ہیں مگر خدا تو ایسا بے نیاز ہے کہ وہ مکھی کو بذریعہ وحی کے گھر کی تعمیر سکھاتا ہے جس کو بڑے بڑے انجینیر دیکھ کر حیران ہوتے ہیں -

قرآن مجید میں ناسخ منسوخ نہ ہونے کا خیال صرف سید ہی کا نہیں بلکہ ابومسلم کا بھی ہے : ''ان المراد من الآیات المنسوخة فی الشرائع التی فی الکتب القدیمة من التوراة و الانجیل کالسبت والصلوة الی المشرق والمغرب الخ۔'' ان کے نزدیک قرآن کی آیتوں میں منسوخیت نہیں بلکہ ان سے مراد پہلے احکام توریت و انجیل کے ہیں جیسے سبت کا دن اور نماز بیت‌المقدس کی طرف پڑھنے کی منسوخیت ۔ اگر قرآن میں ناسخ منسوخ مان لیا جاوے تو ذات باری کے علم و دانش میں نقص لازم آتا ہے اور ہر ایک شخص اپنی عقل کے موافق تمام قرآن کی آیتوں کو ناسخ و منسوخ ٹھیرا سکتا ہے ۔

قرآن کی نسبت سید صاحب فرماتے ہیں کہ ''اس میں کچھ شک نہیں قرآن شریف نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ[3] فصاحت و بلاغت پر واقع ہے ۔'' کیوں کہ وہ کلام الٰہی ہے ، مگر قرآن میں اس کی فصاحت سے کسی جگہ معارضہ نہیں چاہا گیا ۔ اگر کسی جگہ ہو تو فرمائیے ، ورنہ اپنی حالت پر افسوس کیجیے ۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ کہا گیا کہ اس کی مثل کوئی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو ۔ مگر اس مثل کا مطلب سورۂ قصص میں صاف کھول دیا جہاں فرمایا : ''قل فاتوا بکتاب من عندالله هو اهدیٰ منهما اتبعه ان کنتم صادقین'' یعنی تو ان سے کہہ دے کہ خدا کے پاس سے کوئی کتاب لاؤ جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو ۔

بلاشبہہ قرآن مجید میں سے کسی جگہ بیان نہیں ہؤا کہ مسیح[4] کا کوئی باپ نہیں تھا یا وہ بغیر باپ کے پیدا ہؤا ۔ سورۂ انعام میں

لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کی ذریّت سے ہیں۔ پس اگر وہ بغیر باپ کے ہوتے تو ابراہیمؑ کی نسل سے کیوں پکارے جاتے۔ علاوہ اس کے انجیل میں رومیوں کے خط کے ۱ باب ۵ ورس میں ہے کہ ''وہ مسیحؑ جسم کے حق میں داؤدؑ کے تخم سے ہؤا۔'' پھر اعمال کے ۲ - ۳۱ میں ہے: ''خدا نے داؤدؑ سے قسمیہ کہا کہ میں تیرے تخت پر بیٹھنے کے لیے جسم کے طور پر تیری کمر سے مسیحؑ کو پیدا کروں گا۔'' پھر لوگوں نے کہا کہ ''یہ (مسیحؑ) بڑھئی کا بیٹا نہیں۔ کیا اس کی ماں مریم نہیں کہلاتی؟'' متی ۱۳ - ۵۶۔ چنانچہ یوسفؑ کو انجیل میں متعدد جگہ داؤدؑ کے گھرانے سے ہونا بیان کیا ہے: لوک ۱ - ۲۷، متی ۱ - ۱۲۱ - مسیحؑ کے وقت میں کسی کو بھی ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا خیال نہ تھا۔ چنانچہ پادری رچرڈ واٹسن نے اپنی تفسیر انجیل میں لکھا ہے: ''یہ عام یقین تھا کہ حضرت عیسیٰؑ یوسف بڑھئی کے بیٹے ہیں۔''

آپ لوگوں نے اپنی کم فہمی سے تین زمانوں کے واقعات کو، جو قرآن میں مسلسل بیان ہوئے، ایک ہی سمجھا ہے۔ اول مریمؑ کی خواہش کے موافق فرشتے کا ایک لڑکے کی بشارت لے کر آنا جب کہ وہ کنواری تھیں۔ پھر دوسرا زمانہ جب کہ وہ حاملہ ہوئیں۔ پھر تیسرا زمانہ جب کہ مسیحؑ نے لڑکپن میں فقیہوں سے مباحثہ کیا اور اپنا نبی ہونا بیان کیا: ''قال انی عبداللہ اتنی الکتاب و جعلنی نبیا'' یعنی بولا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا۔ پھر فرمایا: ''و اوصانی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ ما دمت حیا'' یعنی جب تک میں جیتا رہوں مجھے نماز و زکوٰۃ کی تائید کی ہے۔ پس جیسے عجائب پسند لوگوں

نے ان تینوں زمانوں کو ایک سمجھا کہ جس وقت فرشتے نے خبر دی اسی وقت مریم[ؑ] حاملہ ہوگئی ، پھر جھٹ پٹ بچہ پیدا ہوگیا ، پھر مسیح[ؑ] نے اسی وقت کہا : ''میں نبی ہوں ۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نماز و زکواۃ کی تائید کی ۔'' معمولی عقل کا آدمی ان تمام آیتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ یہ تین واقعوں کا ذکر ہے ۔ چنانچہ جو سب سے پچھلا ذکر ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ جب وہ بالغ ہو چکے تھے اور نبوت کی حد کو پہنچ گئے تھے ، کیوں کہ بچوں کو نماز و زکوۃ کا حکم نہیں ملتا بلکہ وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں ، چنانچہ ابو قاسم بلخی کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ[ؑ] جوان ہونے کے قریب تھے جب یہ واقعہ ہؤا ۔ ''تفسیر کبیر'' میں ان کا یہ قول موجود ہے : ''اختلف الناس فیہ فالجمھور علی انہ قال ھذا الکلام حال صغرہ و قال ابوالقاسم البلخی انہ انما قال ذلک حین کان کالمراھق الذی یفھم و ان لم یبلغ حدالتکلیف ۔''[۱]

۱۔ اس مضمون میں جن جن معتقدات کا بیان آیا ہے یعنی ملائکہ ، شیاطین ، معجزات ، جنّت ، جہنّم ، نبوت اور ولادتِ مسیح وغیرہ آن کی سرسید نے یورپ کے فلسفے سے مرعوب ہوکر ایسی دور از کار تاویلیں کی ہیں جن کی تائید قرآن کریم پر تدبر کرنے کے بعد ہرگز نہیں ہوتی ۔ اور یہ تمام مسائل جمہور علماے اسلام کے مسلک اور عقاید کے بالکل خلاف ہیں ۔ خود سرسید کے بہت بڑے معاون اور مددگار نواب محسن الملک اور حضرت شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی ان مسائل میں سرسید کے موافق نہیں اور سر سید کے بیانات کو تاویلاتِ رکیکہ سمجھتے ہیں ۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبی'' میں ان مسائل پر بڑی سیر حاصل اور مفصل بحث کی ہے ۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے ملاحظہ فرمائیں ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

پس ہم اس مضمون کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے ۔ جن صاحبوں کو زیادہ تحقیق منظور ہو سید صاحب کی ''تفسیرالقرآن'' اور مولوی ممتاز علی صاحب کا رسالہ ''انفصال ولادت مسیح؂'' ملاحظہ کریں ، جن میں تمام شبہات کو برہانِ عقلی و نقلی سے اور نیز قرآنِ مجید سے اور فطرت اللہ سے ثابت کیا ہے ۔

ہم نے جہاں تک غور کیا ، اور جو صاحب اس مضمون پر غور کریں گے ، ان پر یہ بات منکشف ہو جاوے گی کہ سید صاحب کے عقاید بالکل کتاب اللہ اور متقدمین کے موافق ہیں ۔ اگر کسی میں قدرے اختلاف ہے تو یہ زمانۂ حال کی تحقیقات کا سبب ہے کیوں کہ حقایق موجودات کا علم روز بروز کھلتا جاتا ہے ۔

جو کچھ کہ آپ صاحبوں کی اس وقت سمع فرسائی کی گئی اس سے ہماری یہ غرض نہیں کہ ہم نے سید صاحب کے معصوم ٹھہرانے میں کوشش کی ، بلکہ ہمارا یہ فرض تھا (اور آیندہ بھی اس کے ادا کرنے کو موجود ہیں) کہ جب کوئی ہمارے ایسے محب قوم کی نسبت غلط عقاید بیان کرے ، تاکہ لوگوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو ، تو ہم اس کو دور کریں ، جس سے ایڈیٹر مذکور کی دھوکا دہی لوگوں پر ظاہر ہو جاوے اور مسلمان اس کے فریب میں آ کر اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہیں ۔

نہایت افسوس ایسے اخباروں کے ایڈیٹروں پر ۔ دعویٰ تو یہ کرنا کہ ہمارا اخبار سوشیل اور ملکی معاملات پر بحث کرتا ہے (یعنی اتفاق و اتحاد کو بڑھاتا ہے) اور ساتھ ہی مذہبی پیرایے میں مسلمانوں میں نفاق ڈالتے جانا کون سی انسانیت کا فرضِ اعلیٰ ہے ؟

راقم

لاہور ۵ مارچ ۱۱۸۳ھ — مسلمان''

زمانۂ قیام لاہور میں ایک دن منشی حامد علی صاحب چشتی ایک قصیدہ بزبان فارسی اور ایک تاریخ تشریف آوری سید صاحب بمقام لاہور کہہ کر لائے اور مجمع میں اس کے پڑھنے کی اجازت چاہی ۔ سید صاحب کو اگرچہ اپنی مدح کے اشعار پڑھے جانے کسی قدر ناپسند ہوتے تھے مگر بپاس خاطر منشی صاحب اجازت دی اور کہا کہ اگرچہ میں اس لایق نہیں ہوں کہ میری تعریف میں کوئی قصیدہ لکھا جاوے مگر جو آپ کی خوشی ہے اس کے برخلاف کرنے کی میں جرأت نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ منشی صاحب نے نہایت خوبی سے اس مجمع میں مندرجہ ذیل قصیدہ مع تاریخ پڑھا :

قصیدۂ مدحیہ و شکریہ نوشتۂ منشی حامد علی صاحب چشتی

شب از شغل گیتی چو فارغ شدم
بہ بستر پئے خواب پہلو زدم
گزر بر زمینے فتادہ مرا
کہ گوئی بروے زمیں بُد ارم
یمین و یسارش عمارات نغز
ولے نا مرتّب بہم بیش و کم
بہ یکسو گلستان و دیگر طرف
ستادہ درختان پُر پیچ و خم
ز مسجد عیاں شد کہ ایں جائیگہ
ز اسلامیان است بس محترم
فراتر کہ رفتم چو زانجا بشرق
رسیدہ ندائے بگوش اندرم

که اے قوم یا حسرتا حسرتا!
ز بے وقت خوابت دریغ آیدم
چو ایں را شنیدم ، پئے آں ندا
بصد شوق زانجا روانہ شدم
منوّر یکے حجرۂ یافتم
درونش یکے پیرِ ثابت قدم
ز بعدِ سلام و علیک و علیک
مصافحہ نمودم بصدقِ اتم
بپرسید نام و طریقِ مرا
بگفتم کہ از امّتِ احمدم
شنید ایں و بگریست بس زار زار
بگفتم سبب ؟ گفت اے خوش شیم!
چگونہ نگریم بر احوالِ وے
کہ در ذل و نکبت رود دمبدم
بگفتند یکسر ہمہ خیر باد
بعلم و ہنر اے دریغ آیدم
ز تدبیر بد اعتقادے کمال
کشید است تقدیر تیغِ دو دم
ز ذلش چو پرسم دہد ایں جواب
نہ تقدیر دادہ قلم در یدم
ز پستیِ ہمت بافلاس عرق
ز مخدوم خادم شدہ اے ستم

گدائے و یا قصہ خوانی ہنر
و یا با خراباتیاں ہم قدم
و یا بہرِ تسخیرِ ملکِ عدم
بر افراشتہ بر مقابر علم
نصیحت گرے گر نصیحت کند
کہ این است بد نزدِ اہلِ ہمم
تفاخر کناں میدہد ایں جواب
کہ دنیاست چوں جیفہ ، بگزاشتم
عذابست تحصیلِ علم و ہنر
صوابست افلاس اے ذی الکرم
گزشتہ و آیندہ خواب و خیال
بموجود خوش ذی تو اے محترم
ور از بہرِ اصلاحِ پوشاکِ وے
بگوید کسے گویدش از ستم
لباسیکہ آدم بپوشید پس
شود تارکش را گنہ لاجرم
کجا رفت روشن خیالی او
کجا رفت تہذیب و اخلاص ہم
بجائے تواریخ داند کنوں
فسانہ ز مجنون و نل یا پدم
علوم و فنون و آلوالعزمیش
نظیرے و ضرب المثل بد اعم

فسانہ بہ بینم ہمہ سربسر
کنوں زاں چہ پیشینیاں شد رقم
بآواز گویند باصد بکا
عمارات ہند و عراق و عجم
کہ اے بے خبر قومِ عالی نژاد
کجا آں ترقی و جاہ و حشم
کجا شد شکوہ و کجا شانِ تو
کجا ثروت و جاہ و خیل و خدم
چگونہ نگریم بر احوال وے
کہ در ذل و نکبت رود دم بدم
ہمہ شب دریں گریہ و زاری ام
نہ آرام و راحت نہ خواب و خورم
بگفتم کہ اے پیرِ روشن ضمیر
بیادا دل و جاں نثارِ قدم
علاجش چہ باشد بفرما دگر
کہ یابم خبر زاں من اے محترم
بگفتا کہ اینک مکان عظیم
نمودم بنابش مجہدِ اتم
تمناست در دل کہ بیت العلوم
شود نیز تیّار پہلوے ہم
اگر قوم سازد بدیں التفات
شود زود آسان کارِ اہم

بگفتم قدم رنجہ سازی اگر
سوے ملکِ پنجاب اے محترم
چنیتم نماید کہ سکناے آں
نمایند کوشش بلطف و کرم
بگفتا سفر مردم پیر زا
اگرچہ بود شاق وقتِ ہرم
و لیکن مرا بہرِ بہبودِ قوم
بسا خوش نماید ز باغِ ارم
تو ہم یاد دار این سخن را ز من
کہ آمد در اخبار شاہِ امم
غمِ دین بود ، غم مخور غم دگر
نماید ازاں این سفر خوشترم
بتاریخِ فرخ بروز سعید
رواں ازیں جا شوم صبح دم
مبارک بس اے حاضرین با شما
کہ آمد بسر سایۂ میدّم
زہر گونہ سازید با وے مدد
بدم یا درم یا قدم یا قلم
بیابید مُزد از خداے کریم
شود نیز خوش روحِ خیرالامم

قطعۂ تاریخ نوشتۂ منشی حامد علی صاحب چشتی

چو مخدومنا سیّدی نجمِ ہند
کہ بہبودیِ قوم جویند ہر دم
فزودند اعزاز و عزّ و شرف
بہ لاہور و اقطاع وے از قدم
دلم وقتِ رونق فروزیِ شان
بگفتا کہ اے رہنما خیر مقدم

میں سمجھتا ہوں کہ لاہور کی بڑی بڑی باتوں کا ذکر اب ختم ہو گیا ، صرف چھوٹی چھوٹی دل لگی کی چند باتیں باقی ہیں ، پھر ان کو کیوں چھوڑوں ؟ جب ہم سب لاہور پہنچے تو یہ تجویز ہوئی کہ اس سفر کی یادگاری میں پنچ تن پاک کا ، جو باہم رفیق سفر تھے ، ایک گروپ فوٹو گراف کا بنوایا جاوے ۔ چنانچہ میسرز جمس کریڈک سے ، جو نامی فوٹوگرافر لاہور کے ہیں ، وہ گروپ[1] بنوایا گیا اور ایک نہایت عمدہ یادگار رفیقانِ سفرِ پنجاب کی بن گئی ۔

پھر ایک اور گروپ کے بنوانے کی تجویز ہوئی جس میں احباب پنجاب بھی شامل ہوں ۔ یہ تجویز اخیر وقت پر ہوئی اور اس وقت تمام احباب کا جمع ہونا ناممکن تھا ۔ (مندرجہ ذیل) چھ صاحب اس وقت موجود تھے جو شریک ہوئے :

خان بہادر محمد برکت علی خان صاحب :

خان صاحب موصوف کے گروپ میں شریک ہونے سے ہم

---

[1]۔ اس گروپ میں یہ اصحاب تھے : سرسید ، نواب محمد اسماعیل رئیس دتاولی ، سید محمد علی ، سید اقبال علی اور محمد اکرام اللہ خان رئیس دہلی ۔

سب کو نہایت خوشی ہوئی ، بلکہ باعث افتخار ہؤا ۔ خان صاحب کی ایک قدیم مہاپاہانہ وضع ہے ۔ وہ پٹھانی لمبی نوک کی ٹوپی پہنتے ہیں اور اس پر مختصر و خوبصورت عمامہ باندھتے ہیں ۔ ان سے التماس کیا گیا کہ اس مجمع میں تو آپ کو بھی لال ترکی ٹوپی پہننی ہوگی ۔ انھوں نے از راہ مہربانی بلحاظ اس مقولے کے کہ ''آزردن دل دوستاں جہل است و کفارۂ یمین سہل'' اس کو منظور کیا اور ایک وضع اور ایک فیشن کے احباب کا گروپ تیار ہؤا ۔

خان بہادر ممدوح کا کچھ زیادہ ذکر لکھنا فضول ہے ۔ وہ پنجاب میں بسبب اپنے اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ کے آفتاب کی مانند روشن ہیں ۔ بسبب خدمات جوڈیشل و پولیٹیکل کے ، جو اپنے زمانۂ ملازمت سرکاری میں انھوں نے انجام کیں ، حکام کی آنکھوں میں بھی بہت زیادہ معزز ہیں ۔ گو اس زمانے میں انھوں نے پنشن لی ہے مگر ان کا اعزاز و اکرام حکام و اہل پنجاب کی آنکھ میں ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ ہے ۔

انھوں نے پبلک کی خدمت گزاری میں بہت بڑا حصہ لیا ہے ۔ انجمن اسلامیہ پنجاب کی بناء اور اس کی رونق زیادہ تر انھی کے سبب سے ہوئی ہے ۔ بادشاہی مسجد کی مرمت و درستی میں انھوں نے بہت کچھ کوشش کی ہے ۔ قلعۂ لاہور میں سکھوں کے وقت سے جو تبرکات تھے ان کا مسلمانوں کو مل جانا اور قلعے سے مسجد بادشاہی کو منتقل ہونا ، جس کے سبب تمام مسلمان زیارت سے مستفید ہو سکتے ہیں ، انھی کی سعی کا آخری نتیجہ ہؤا ہے ۔ پنجاب کی یونی ورسٹی قائم ہونے میں بھی انھوں نے بہت کچھ کوشش کی ہے اور اب اس یونی ورسٹی کے ''فیلو'' ہیں ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ بھی ان کی فیاضیوں کا کچھ کم ممنون نہیں ہے ۔ ہمیشہ اپنی جیب خاص سے مدرسے کے قیام کے لیے بہت فیاضی کی ہے ، ہمیشہ اس کی تائید میں سرگرم رہے ہیں ۔ سنہ ۱۸۷۳ع میں مدرسۃ العلوم کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن پنجاب میں گیا تھا جس میں سید صاحب ، جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر ، جناب منشی محمد مشتاق حسین صاحب اور اور احباب شامل تھے اور ان سب کے میزبان ہمارے خان بہادر ممدوح تھے ۔ اور صرف مہمان نوازی میں سینکڑوں روپیہ خرچ کر دیا تھا ۔ اس زمانے میں بھی انھی کے سبب سے معتدبہ چندہ ہوا تھا ۔ حال کے سفر پنجاب میں اگرچہ سید صاحب نے کوشش کی تھی کہ مہمانی کے اخراجات سے دوستوں کو بچایا جاوے مگر وہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور وہی قدیم مہمان نواز اب کی دفعہ بھی میزبان ہوئے اور نہایت فیاضی سے تمام مہمانوں کی مہمان نوازی میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا اور نقد بھی دیا اور فراہمی چندہ میں کوشش فرمائی ۔ ان کی ان کوششوں کے لیے صرف ہم لوگ ہی ممنون نہیں ہیں بلکہ تمام قوم اور آیندہ نسلیں بھی ممنون ہیں ۔ خدا ، جس کے بندوں پر ، اور رسولؐ ، جس کی اُمت پر وہ احسان کرتے ہیں ، ان کو اس کا اجر دے ۔

حاجی غلام حسن صاحب و شیخ غلام حسن صاحب :

یہ دونوں حسنین ہمارے دوست بھی اس گروپ میں شریک تھے جن کا نام نامی امرتسر کے حالات میں متعدد جگہ آیا ہے ۔ ان دونوں صاحبوں کے گروپ میں شریک ہونے سے نہایت خوشی ہوئی ہے ۔ اس وقت وہ گروپ میرے سامنے رکھا ہوا ہے اور وہی

لطف دے رہا ہے جو لاہور میں اس وقت تھا ۔ اگر وہ صورتیں بولتی بھی ہوتیں تو پورا پورا لطف حاصل ہوتا ۔

خواجہ یوسف شاہ صاحب :

(یہ) بھی اس گروپ میں شریک ہیں جن کا بہت کچھ ذکر امرتسر کے حالات میں بیان ہو چکا ہے ۔ خواجہ صاحب میں دوراندیشی اور دانائی اور قوم کی آیندہ حالت کی فکر اور اخلاق ، قومی ہمدردی اور انسان کی بھلائی و ترقی کی بھی ایک اسپرٹ ہے اور اسی سبب سے ان کی شرکت سے گویا گروپ میں جان پڑ گئی ہے ۔

مرزا فتح محمد بیگ صاحب :

یہ بھی اس گروپ میں موجود ہیں ۔ قومی ہمدردی کا جوش خدا تعالیٰ نے ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ پنجاب میں ہمیں نے ان سے زیادہ کسی شخص کو قومی ہمدردی کے جوش میں بھرا ہؤا نہیں دیکھا ۔ نہایت فصیح آدمی ہیں اور بہت عمدہ عمدہ اور لمبے لمبے دلچسپ لفظوں اور دلچسپ لہجے سے اسپیچ دینے میں انجمن قصور کو ان کے سبب سے بہت کچھ رونق ہوتی ہے ۔ ہر ایک قومی کام میں قلمے ، قدمے ، درمے سب طرح پر شریک ہوتے ہیں ۔ علی گڑھ میں بھی ایک دفعہ مع چند احباب کے تشریف لائے تھے اور مدرسۃ العلوم میں سید صاحب کی یادگار بنانے کی جو تجویز درپیش تھی ، اس میں نہایت عمدہ گفتگو کی تھی ۔

مولوی محمد ممتاز علی صاحب :

یہ بھی اس گروپ میں موجود ہیں ۔ اگر یہ نہ ہوتے تو پھر

احباب لاہور کا گروپ ہی نہ کہلایا جاتا - مولوی صاحب نوجوان تعلیم یافتہ ہیں اور نہایت لایق و ذہین اور سعادت مند جوان ہیں - اعلیٰ درجے کا ذہن و ذکاء خدا نے ان کو عنایت کیا ہے - سید صاحب سے دلی خلوص رکھتے ہیں اور سید صاحب کو بھی ان سے دلی محبت ہے - افسوس ہے کہ اس زمانے میں وہ بیمار تھے - گروپ میں بھی ان کے چہرے سے علالت اور ضعف ظاہر ہوتا ہے - سید صاحب جب اس گروپ کو دیکھتے ہیں تو ان کی صورت سے جو علالت ظاہر ہوتی ہے آس پر افسوس کرتے ہیں -

سردار دیال سنگھ بہادر مجیٹھہ

سکھ سرداروں کے خاندان میں سردار صاحب ایک بہت نامی اور گرامی سردار ہیں ، مگر خاندانی عزت سے بہت زیادہ خدا تعالیٰ نے ان کو ذاتی اعزاز عطا کیا ہے - اخلاق اور عام محبت ، سب کے ساتھ سلوک ، ہر قوم کے لوگوں کے ساتھ شفقت ، آن کی جبلتِ ذاتی ہے - مسلمان بھی ان کو سب سے زیادہ سچا دوست اور اپنا شفیق مکرّم سمجھتے ہیں - پبلک کی بھلائی کی اسپرٹ ان میں بھری ہوئی ہے اور اس کے ساتھ رفاہِ عام کے کاموں میں بے دریغ فیاضی کی ہے - انڈین ایسوسی ایشن لاہور کے پریسیڈنٹ ہیں - ''ٹریبیون'' اخبار آپ کی فیاضی کا نمونہ ہے - نہایت لبرل مائنڈ رکھتے ہیں - یورپ کی سیر و سیاحت کی ہے - ایک زمانے تک لندن میں رہے ہیں اور اس سفر سے بہت کچھ فواید اٹھائے ہیں - مدرسۃ العلوم بھی ان کی فیاضی کا ممنون ہے - اس دفعہ جو انھوں نے فیاضی کی ہے ، یہ پہلی ہی دفعہ نہیں ہے بلکہ یہ تیسری دفعہ ہے جو اس قدر کشادہ دلی سے مدرسۃ العلوم کی نسبت فیاضی کی ہے - اگر سچ

پوچھو تو لاہور میں بلکہ پنجاب میں صرف یہی ایک شخص ہیں جن پر پنجابی یا ہندوستانی فخر کر سکتے ہیں ۔

نواب عبدالمجید خان صاحب و نواب غلام محبوب سبحانی صاحب

اگر سچ پوچھو تو لاہور میں مسلمان سرداروں اور قدیم معزّز و مفتّخر خاندان کی نشانیوں میں یہی دو صاحب باقی ہیں ۔ خدا ان کو سلامت رکھے ۔ اخلاق و مروت دونوں صاحبوں کا ان کے عالی خاندان ہونے کا روشن ثبوت ہے ۔ جناب نواب عبدالمجید خان بہادر آنریری اسسٹنٹ کمشنر بھی ہیں اور انجمن اسلامیہ لاہور کے پریسیڈنٹ بھی ہیں ۔ ان دونوں صاحبوں کے سبب سے لاہور کے مسلمانوں کو عزت ہے ، اور سب لوگ ان کو معظّم و مکرّم سمجھتے ہیں ۔ با ایں ہمہ ان کی حالت اور مکانات کو دیکھ کر ہر شخص یقین کر سکتا ہے کہ بلاشبہ یہ دولت سرا مسلمان سرداروں ، معزّز خاندان کے مسلمانوں کی ہے ۔

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادیدِ عجم را

خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان صاحب و رائے بہادر ڈاکٹر برج لال گھوش صاحب

ڈاکٹری کے فن میں ان دونوں صاحبوں نے نہایت اعلیٰ درجہ حاصل کیا ہے اور اسی سلسلے میں نہایت معزّز عہدے رکھتے ہیں ۔ مسلمان اور ہندو دونوں کو فخر کرنا بجا ہے کہ ان کی قوم

میں ڈاکٹر رحیم خاں صاحب و ڈاکٹر برج لال گھوس صاحب جیسے ذی علم و لایق و فایق ڈاکٹر موجود ہیں ۔

ڈیوڈ راس صاحب سی ۔ آئی ۔ اے اور ان کی میم صاحبہ

راس صاحب اور ان کی میم صاحبہ کا ذکر کیے بغیر میں لاہور کے حالات کو ختم نہیں کر سکتا ۔ راس صاحب پنجاب ریلوے کے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ ہیں ۔ ان کے اخلاق کی لوگ تعریف کرتے ہیں ۔ ان کی میم صاحبہ کو یوروپین لڑکیوں کی تعلیم کا بہت شوق ہے ۔ انہوں نے ریلوے کے متعلق یوروپین ملازموں کی لڑکیوں کی تعلیم میں بہت کوشش کی ہے اور خود اس میں بہت محنت کرتی ہیں ۔ اکتوبر سنہ ۱۸۸۳ع میں ، جب آنریبل مسٹر جسٹس محمود ولایت سے آتے تھے ، تو اتفاق سے ان کی میم صاحبہ بھی اسی جہاز میں تھیں ۔ جب میم صاحبہ موصوفہ نے سید صاحب کے لاہور میں آنے کا حال سنا تو انہوں نے سید صاحب سے ملنا چاہا ۔ سید صاحب اور ہم سب لوگ ان کی کوٹھی پر گئے جو نہایت ہی عمدگی و خوبصورتی سے آراستہ تھی ۔ راس صاحب اور ان کی میم صاحبہ بہت مہربانی سے ملیں ۔ تھوڑی دیر وہاں ٹھیرے ، چائے پی اور دوستانہ باتیں ہوتی رہیں ۔ راس صاحب نے ایک کتاب اپنی تصنیف کی ہوئی ، جس کا ''دی لینڈ آف فیف (فائیو) روورز اینڈ سندھ'' نام ہے ، بطور تحفہ کے سید صاحب کو دی ۔

راس صاحب نے یہ بھی مہربانی کی کہ اپنے احاطے کے تمام اسٹیشن ماسٹروں کو سید صاحب کی لاہور کی روانگی کی تاریخ سے اطلاع دی اور یہ چاہا کہ ہر اسٹیشن پر سید صاحب کے اور ان

کے ہمراہیوں کے آرام کا خیال رکھا جاوے گا اور جہاں ضرورت ہو ان کے اور ان کے ہمراہیوں کے لیے علیحدہ گاڑی مہیا کی جاوے۔

صاحبانِ اخبارات پنجاب

اب ہم کو پنجاب کے احباب کا ، جن کے ہاتھ میں اخبار ہیں ، شکر ادا کرنا باقی ہے - ہم بالتخصیص حافظ عمردراز صاحب مدیر ''پنجابی اخبار'' لاہور اور ان کے مربّی منشی شمس الدین صاحب مترجم چیف کورٹ پنجاب ، منشی محرّم علی صاحب چشتی مدیر اخبار ''رفیق ہند'' ، سید نادر علی شاہ صاحب سیفی مدیر اخبار ''رہبر ہند'' ، جناب مولوی محمد اشرف صاحب بی۔اے مدیر اخبار ''انجمن پنجاب'' اور ایڈیٹر صاحب ''ٹریبیون'' کا شکر ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس سفر کے حالات کو بذریعہ اپنے اخباروں کے شایع کیا اور ہم مسافروں کے حال پر مہربانی کی - ''کوہِ نور'' لاہور بھی بہت نامی اور پرانا اخبار لاہور کا ہے ، اس کا شکریہ ادا کرنے سے بھی ہم باز نہیں رہ سکتے -

یہ سب کچھ تو ہم نے لکھا مگر یہ نہ لکھا کہ لاہور کے بزرگوں نے ہم لوگوں کی نسبت بھی ، جو سید صاحب کے ہمراہ اس سفر میں تھے ، کچھ کہا یا نہیں ؟ ہم کچھ ایسے بے قدر نہ تھے کہ ہماری نسبت کوئی کچھ نہ کہتا - ہمارے دوست منشی محرّم علی صاحب چشتی نے اپنے اخبار ''رفیق ہند'' میں جو ریمارک ہماری نسبت لکھے ہیں ہم نہایت شکرگزاری سے بطور ان کی عنایت کی یادگاری کے اس مقام پر لکھتے ہیں :

سید صاحب اور ان کے رفقا

(منقول از اخبار ''رفیق ہند'' مطبوعہ ۲ فروری سنہ ۱۸۸۴ء)

''خود سید صاحب بفضلِ الٰہی ایک بھاری بھر کم قوی اور تنومند بزرگ ہیں۔ گو کمر بہت سے سالوں کے بوجھ سے دبی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر پھر بھی آگے بہت خمیدہ ہونے نہیں دیتے۔ پرہیزگاری اور باقاعدہ عادات نے ان کے کونسٹیٹیوشن کو بہت عمدہ رکھا ہے۔ گلے میں ایک رسولی ہے مگر خضر صورت ریش مبارک اس کو کسی قدر پردے میں رکھتی ہے۔ آواز خوب مضبوط ہے۔ عام تقریروں میں عموماً وہ اپنا قومی ہمدردی کا جذبہ روک نہیں سکتے اور اکثر ان کی بے بس اشک باری ان کی فصاحت اور تاثیر تقریر میں بہت مدد دیتی ہے۔ آپس کے میل جول میں ہر ایک سے حد درجے کا خلیقانہ سلوک ہے۔ مزاج میں کسی قدر ظرافت بھی ہے، مگر اسی قدر کہ کالملح فی الطعام۔ باتیں بہت کرنے کی عادت نہیں۔ چہرے سے ایک خاص قسم کا بزرگانہ رعب ظاہر ہوتا ہے۔

جناب حاجی مولوی سید محمد اسماعیل خاں صاحب رئیس اعظم دتاولی ضلع علی گڑھ: ایک متوسط قد کے دیدارو جوان ہیں۔ عموماً عربی پوشاک پہنتے ہیں اور سچ مچ آسی پاک خطہ زمین کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ بہت متشرع اور متقی، ہنس مکھ اور خلیق بزرگ ہیں۔

جناب مولوی سید اقبال علی صاحب منصف فیض آباد: کامل جنٹلمین اور ٹھیک ترکی لباس پہنتے ہیں۔ ڈاڑھی پوری چٹ رہتی ہے۔ برچہ گیرید مختصر گیرید۔ متوسط قد کے آدمی ہیں اور چہرے سے

چستی چالاکی برستی ہے ۔ سید صاحب کے رفقا میں بہت مستعد ہیں ، اور گویا جناب ممدوح کے سیکریٹری اعظم ہیں ۔ ان کے عمدہ مضامین اور قومی ہمدردی کا عموماً اہل ہند میں اس قدر شہرہ ہے کہ شاید ہمارے ناظرین کے سامنے ان کو زیادہ انٹروڈیوس کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ایک کمال جو آپ میں پایا گیا ، وہ خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے ، یعنی یہ صاحب ایسے زود رقم ہیں کہ ہر ایک مقام کے ہر ایک جلسے کی تقریروں کو فی الفور ساتھ ساتھ قلم بند کرتے جاتے ہیں ۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ شاید انگریزی شارٹ ہینڈ طریقے پر آپ علامات کے ذریعے سے مطلب لکھتے جاتے ہوں گے ، مگر جب دیکھا گیا تو بلفظہٖ قلم کے ایک عجیب ناٹک سے ایسا شعبدہ دکھاتے ہیں جو بلاشبہ قابل تقلید ہے ۔ ہمارے کارسپانڈنٹوں کو جس قدر سید صاحب کی تقریروں وغیرہ ، حالات کا خلاصہ ملا وہ زیادہ تر انھی کی مخلصانہ توجہ کا نتیجہ ہے جس کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ کسی قدر لطیفہ گوئی بھی آپ کی عادت میں ہے اور انگریزی سے بھی واقف ہیں ۔

جناب بخشی اکرام اللہ خاں صاحب رئیس دہلی : خاصے گورے چٹّے ، خوبصورت ، خوب سیرت اور نہایت ہی معقول اور متین شخص ہیں ۔ انگریزی میں عمدہ لیاقت ہے ۔ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو مسلمانوں کے مسئلۂ جہاد کی نسبت جو ایک دو عمدہ مضمون کچھ عرصہ ہؤا ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں شایع ہوئے تھے ، آپ ہی کے قلم کا نتیجہ تھے ، جس کا شکریہ سب مسلمانوں پر فرض ہے ۔ موجودہ رواجی فیشن کے بموجب باوجود جوانی کے اکثر عینک لگائے رکھتے ہیں ۔ ضرورت کے بغیر بہت کم گفتگو کرتے ہیں ۔ غرض کہ جوانوں کے لیے ایک ماڈل ہیں ۔

سید محمد علی صاحب بورڈر مدرسۃالعلوم : ایف ۔ اے پاس کردہ ہیں ۔ سید صاحب کے نواسے ہیں اور پورا ترکی لباس پہنتے ہیں ۔ بہت خلیق نوجوان ہیں ۔ ان کو سید صاحب کا پرائیویٹ سیکریٹری اس سفر میں سمجھنا چاہیے ۔ انگریزی زبان کے متعلق سب کاروبار انھی کے سپرد ہیں ۔ انگریزی میں بہت اچھی لیاقت ہے اور ہونہار معلوم ہوتے ہیں ۔''

ذکر شہر لاہور

لاہور ایک نہایت مشہور و پرانا شہر ہے ۔ مدت تک دارالسلطنت رہا ہے ۔ واقعاتِ عظیمہ ، جو ہندوستان کی تاریخ میں معظم واقعات میں سے ہیں ، اس شہر میں گزرے ہیں ۔ عمارات شاہی یہاں کی اور خصوصاً شالامار باغ نہایت مشہور ہیں ۔ جدید عمارتوں میں لارنس ہال اور اس کے برابر منٹگمری ہال نہایت عمدہ و نفیس عمارتیں ہیں جو ہندوستانیوں کے روپے سے بنی ہیں ، مگر افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہندوستانیوں کو اس لایق نہیں کیا کہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ البتہ یورپین کے لیے وہاں سب طرح کا عیش و آرام مہیا ہے ۔ جب ہم اس کو دیکھنے کو گئے تو وہاں دفتر کے چھوٹے کمرے میں ، جو منٹگمری ہال کے دروازے کے متصل ہے ، ایک یورپین صاحب ، جو شاید منتظم یا مینجر ہال کے ہوں گے ، تشریف فرما تھے ۔ انھوں نے یہ بات سن کر کہ چند ہندوستانی ہال کے دیکھنے کو آئے ہیں ، نہایت اکراہ سے ان کے دیکھنے کی اجازت دی ۔

لاہور کے شہر کا ذکر بالتخصیص میں نے ایک جدید عمارت کے ذکر کے لیے ، جو بن رہی ہے ، کیا ہے ۔ وہ عمارت ایک نہایت

بڑا اور عظیم الشان گرجا ہے جو تیار ہو رہا ہے اور جس کی تیاری میں کم سے کم پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اور یہ کل روپیہ چندے سے جمع ہوگا ۔ ایک یوروپین انجینئر اس کی تعمیر کا ٹھیکہ لینے کو ولایت سے آیا ہے ۔ وہ محض اپنے فائدے کے لیے نہیں آیا بلکہ جو حق المحنت اور نفع اس ٹھیکے میں ہوگا اس میں سے بقدر اپنے صرف و ضرورت کے لے گا ، باقی سب گرجے کو بطور چندے کے چھوڑ دے گا ۔ مشہور ہے کہ علاوہ چھاؤنی میاں میر کے گرجے کے ، جو بنا ہؤا موجود ہے ، یوروپین نے گورنمنٹ سے ایک اور گرجا بننے کی درخواست کی تھی جس کی وہ ضرورت سمجھتے تھے ۔ مگر چونکہ ایک گرجا موجود تھا ، گورنمنٹ نے درخواست منظور نہیں کی ۔ اس پر لوگوں نے ہمت کی اور خود آپس میں چندہ کرنے پر کمر باندھی اور ایسا بڑا گرجا بنوانا شروع کیا کہ گورنمنٹ بھی اگر چاہتی تو اتنا بڑا نہ بنوا سکتی ۔ اس واقعے پر اگر غور سے نظر کی جاوے تو اہلِ ہند کو عبرت پکڑنے کا مقام ہے ۔

لوگ خیال کریں گے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی ہمت بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے ۔ امرتسر کی مسجدیں ، سہارنپور کی نئی جامع مسجد اس کی نظیریں موجود ہیں ، مگر اس میں یہ غلطی ہے کہ یہ چیزیں قوم کے لیے یا قوم کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں ۔ پس ان عمارتوں کے وجود سے پہلے قوم کے قوم بنانے کی فکر مقدم ہے ۔ یوروپین نے اپنی قوم کو قوم بنا لیا ہے ۔ اب وہ جو چاہیں سو کریں ۔ لیکن جب کہ مسلمانوں نے نہ قوم کو قوم بنایا ہے ، نہ اس کے بنانے کی کچھ فکر کرتے ہیں تو پھر صرف اینٹ پتھر کا مکان بنانے سے ، گو کہ وہ مسجد ہو یا امام باڑہ ، کیا

نتیجہ ہے ؟ لوگوں نے چند کاموں کو سمجھ رکھا ہے کہ ثواب کے کام ہیں اور اسی خیال پر وہ کام کرتے ہیں حالاں کہ یہ ان کی محض غلطی ہے ۔ قوم کو جس چیز کی زیادہ ضرورت ہے وہی کام زیادہ ثواب کا ہے ، ورنہ نہ مسجد بنوانے سے کچھ ثواب ہے نہ امام باڑہ بنوانے سے ۔ خدا کی زمین مسجد ہونے کے لیے اور مومنین کا دل حسین علیہ السلام کے غم کے امام باڑہ ہونے کے لیے کافی ہے ۔

چوتھی فروری سنہ ۱۸۸۴ع دس بجے صبح کے سید صاحب کی لاہور سے روانگی کا وقت قرار پایا تھا ، مگر کسی کو روانگی کے وقت سے اطلاع نہیں دی گئی تھی ۔ پھر بھی اکثر احباب خدا حافظ کرنے کے لیے ریل کے اسٹیشن پر جمع ہو گئے تھے ۔ اخبار ''انجمن پنجاب'' نے سید صاحب کی روانگی کی نسبت اپنے اخبار مطبوعہ نویں فروری میں یہ فقرہ لکھا ہے ۔

''مشایعت کے وقت زیادہ آدمی نہ تھے کیوں کہ اول تو کسی کو خاص طور پر بلایا نہیں گیا تھا ، لیکن بڑا سبب یہ ہے کہ موسم بڑا خراب تھا ۔ ترشح بھی ہو رہا تھا اور متعلقین دفاتر و مدارس وغیرہ اس لیے نہ حاضر ہو سکے کہ دفتر وغیرہ سے غیر حاضری نہ کر سکتے تھے ۔ پھر بھی رؤساء اور دیگر تعلیم یافتہ صاحبوں میں سے بہت سے اصحاب موجود تھے ۔ نواب عبدالمجید خاں صاحب بہادر ، خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب ، سید فضل شاہ صاحب ، ڈاکٹر امیر شاہ صاحب ، صدرالدین خاں صاحب خلف الصدق ڈاکٹر رحیم خاں صاحب ، مولوی میرزا فتح محمد بیگ صاحب ، مولوی سید ممتاز علی صاحب اور دیگر صاحبان مشایعت میں شامل تھے ۔ سید صاحب کی جس وقت ٹرین روانہ ہوئی تو ایک ''ہرّا''

کیا گیا لیکن یہ سہرا پر افسوس تھا - اور جو سہرا ان کے آنے کے وقت ہؤا تھا اس میں اور اس میں بہت بڑا فرق تھا جو آوازوں سے ، چہروں سے ہر طرح ظاہر ہوتا تھا - سید صاحب کے دوستوں کو ان کی مفارقت کا بڑا صدمہ معلوم ہوتا ہے ، جس کا کوئی چارہ نہیں ہو سکتا - سید صاحب کا یہ لاہور کا سفر مدت تک یاد رہے گا اور اس کے نتائج بھی بہت خاطرخواہ ہوں گے -

ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ ریل کی روانگی میں دو منٹ سے بھی کم باقی ہوں گے کہ دفعتاً جناب مولوی فیض الحسن صاحب ، سید صاحب سے ملنے اور رخصت کرنے ، دونوں کام اکٹھے کرنے کو ، تشریف لائے - اس وقت سب لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے - گاڑی کا دروازہ بھی بند ہو چکا تھا مگر سید صاحب نے کھڑکی ہی میں سے ان سے مصافحہ کیا اور اس ترشّح میں تشریف لانے اور تکلیف اٹھانے کی زیادہ تر احسان مندی قبول کی - مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں تو مہاراجہ کپور تھلہ کی کوٹھی پر تم سے ملنے گیا تھا ، وہاں جا کر تمھارا روانہ ہونا معلوم ہؤا ، میں وہاں سے یہاں آیا - خوب ہؤا کہ ابھی ریل نہ چھوٹی تھی - سید صاحب اس کا پورا شکر بھی ادا کرنے نہ پائے تھے کہ ریل چل دی - سب دوستوں نے ہم کو اور ہم نے سب دوستوں کو خدا حافظ کہا -

حالات مقام جالندھر

مرتبۂ دوم

بروقت مراجعت از لاہور

لاہور کے دوستوں کو رخصت کر کے اسی تاریخ چوتھی فروری سنہ ۱۸۸۴ع کو چار بجے سید صاحب اور آن کے ہمراہی جالندھر کے اسٹیشن پر پہنچے۔ جو خط سید صاحب نے لاہور سے مولوی شیخ مراد علی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا، اور جس میں تاریخ و وقت پہنچنے جالندھر کا مندرج تھا، وہ کسی سبب سے ان کے پاس نہیں پہنچا۔ افواہاً آن کو پہنچنے کی تاریخ معلوم ہو گئی تھی مگر تردد باقی تھا۔ باوجود اس کے ریلوے اسٹیشن پر متعدد احباب تشریف رکھتے تھے اور سواریاں موجود تھیں۔ سید صاحب، مع اپنے ہمراہیوں کے، سردار بکرماں سنگھ بہادر سی۔ ایس۔ آئی کی کوٹھی میں، جہاں سردار صاحب خود بھی تشریف رکھتے ہیں، فروکش ہوئے اور آنھی کے مہمان ہوئے۔

کوٹھی نہایت وسیع و عمدہ اور ایک بہت بڑے احاطے میں واقع ہے۔ تمام کمرے نفیس اسباب و شیشہ آلات و فرش فروش سے سجے ہوئے ہیں۔ کوٹھی کے ایک طرف وسیع چبوترہ ہے

جس پر شامیانہ تانا گیا تھا اور اُسی چبوترے پر دو نفیس ڈیرے بھی استادہ تھے تاکہ اگر ضرورت ہو تو کام میں آویں ۔ خود سردار صاحب اپنی وسعت اخلاق کے سبب اور اُن کے فرزند ارجمند ٹیکا پرتاب سنگھ صاحب ، جو بمصداق اس شعر کے :

بالاے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

لائق اور ہوشیار اور ہونہار معلوم ہوتے ہیں ۔ اور کرنل محمد علی خان صاحب ، جو سردار صاحب کی سرکار میں بطور نایب ہیں ، مہمانوں کی خاطر و تواضع میں مصروف تھے ۔

ہمارے مخدوم و مکرّم خان بہادر سردار یار محمد خان صاحب اور مولوی شیخ مراد علی صاحب ہر وقت ہم لوگوں پر شفقت و عنایت فرمانے کو موجود تھے ۔ جلسے کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور ٹکٹ تقسیم ہوئے تھے اور کوٹھی کا بڑا ہال بشمول اُس بڑے چبوترے کے ، جس پر شامیانہ تانا گیا تھا ، لیکچر کے جلسے کے لیے مقرر کیا گیا تھا ۔

وقت معینہ پر ایک مجمع کثیر ، جس میں چند یورپین اور ہندوستانی عیسائی بھی شامل تھے ، جمع ہوگیا ۔ سید صاحب ، خان بہادر سردار یار محمد خاں اور مولوی شیخ مراد علی صاحب کے ہمراہ اپنے کمرے سے بڑے ہال میں تشریف لائے ، جہاں تخت بچھا کر ایک اونچی جگہ لیکچر دینے کے لیے بنائی گئی تھی ۔ سید صاحب ایک لمحہ اپنی کرسی پر بیٹھے اور پھر کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل لیکچر دیا :

سید صاحب کا لیکچر بمقام جالندھر

کوٹھی سردار بکرماں سنگھ بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی میں

''جناب سردار صاحب و دیگر بزرگان !

آج مجھ کو نہایت خوشی ہے کہ دوسری مرتبہ آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھ کو اتفاق ہؤا ہے ۔ پہلی دفعہ اور نیز اس دفعہ جالندھر کے بزرگوں نے جو کچھ عنایت و شفقت میرے حال پر فرمائی ہے ، اس کا میں دلی شکر ادا کرتا ہوں ۔ اگلی دفعہ جب میں یہاں آیا تو ایک مضمون خاص پر بشمول دیگر مضامین کے لیکچر دینا قرار پایا تھا لیکن وہ ملتوی ہوگیا ۔ اب انھی مضمونوں کو پھر اختیار کرنا اور انھی کے بیان پر پھر متوجہ ہونا میں غیر ضروری سمجھتا ہوں ۔ میرا ارادہ ہے کہ جو چیز ہندوستانیوں کے لیے زیادہ ضروری اور زیادہ تر مفید اور کارآمد ہے اور جس پر ہندوستانیوں کو زیادہ غور کرنا اور دل سے متوجہ ہونا درکار ہے اور جو درحقیقت ملک کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے ، اسی کے متعلق کچھ بیان کروں ۔ جس چیز پر میں نے اس قدر زور دیا ہے وہ چیز تعلیم ہے اور اسی کے ساتھ تربیت ۔ اگرچہ مجھے بہت خوشی ہے کہ دس برس کے بعد جو میں اس مرتبہ پنجاب میں آیا اور مختلف اضلاع کے لوگوں سے ملا تو مجھ کو معلوم ہؤا کہ اس خطے نے ہر ایک امر میں بہت کچھ ترقی کی ہے ۔ میں اس ترقی پر رؤسائے پنجاب کو مبارک باد دیتا ہوں ۔ اگر کوئی شخص اپنی آنکھ سے نہ دیکھے تو اس کو اس بات پر مشکل سے یقین ہوگا کہ اس تھوڑے سے زمانے میں اس ملک میں اس قدر ترقی ہوگئی ہے ۔ تعلیم کی نسبت بھی یہاں کچھ کم ترقی نہیں

ہوئی - اضلاع شمال و مغرب میں ، جہاں اسّی برس سے گورنمنٹ کی عمل داری ہے ، اگر پنجاب سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس ملک میں ترقی کی چال کس قدر آہستہ اور پنجاب میں کس قدر تیزی پر ہے ، اور پنجاب کس طرح ان اضلاع پر غالب ہوگیا ہے - لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ پنجاب کو اب کچھ کرنا باقی نہیں ہے بلکہ ابھی اس کو بہت کچھ کرنا ہے - پنجاب کو ایک یونیورسٹی بھی مل گئی ہے جس کے اصول پر لوگوں کی رایوں میں بہت کچھ اختلاف ہؤا تھا اور اس کے تقرر کے وقت بہت سے جھگڑے بھی پڑے تھے - یہ مخالفت عجب طرح کی تھی - جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ بھی ملک اور قوم کے خیرخواہ تھے اور جو لوگ کہ اس کے طرف دار اور قایم کرنے والے تھے ، وہ بھی اپنی دانست میں ملک اور ملک کے لوگوں کی بہتری چاہتے تھے - کوئی شک نہیں ہے کہ ابتدا میں اس کی بنا کے طریقے نے ایک نامناسب صورت پکڑی تھی ، مگر حال کے جناب نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے اس میں کچھ اصلاح کی اور اس کی صورت کو سنوارا - اب پنجاب یونیورسٹی ایک ایسے درخت کی مانند ہوگئی ہے جس میں دو قسم کے پھل لگتے ہیں : ایک میٹھا اور دوسرا پھیکا - یا دو پھول کھلتے ہیں : ایک خوش نما اور خوشبودار اور دوسرا بغیر خوشبو کا - اب یہ بات کہ کس پھل اور کس پھول سے عمدہ نتیجہ ملک کی ترقی کا اور ملک میں اعلیٰ درجے کی تعلیم کے پھیلنے کا حاصل ہوگا ، غور طلب باقی ہے - اب پنجاب کے لوگوں کے اختیار میں ہے کہ اس پر غور کریں اور جس کو پسند کریں اختیار کریں - اے حضرات! میں بھی ہندوستان ہی کا رہنے والا ہوں - میرے باپ دادا نے مشرقی ہی علوم میں

تعلیم پائی تھی ، اسی سے فائدے اٹھائے تھے - میرے ہندو بھائیوں نے بھی اپنے ہی علوم میں بڑی ترقی کی تھی - ان کی مقدس زبان سنسکرت میں بہت سے علوم موجود ہیں جن پر ان کو فخر کرنے کا مقام ہے کہ ان کے باپ دادا نے ایسے علوم جاری کیے تھے اور ان میں ایسی عمدہ عمدہ کتابیں لکھی تھیں اور وہ سب مشرقی ہی علوم تھے - جو مناسبت مجھ کو مشرقی علوم سے بوجہ ہندوستان کے باشندہ ہونے یا باپ دادا کے موروثی علوم ہونے کے سبب سے ہے ، میرے دل میں اسی بات کو آنا چاہیے تھا کہ وہی علوم قابل ادب ہیں اور انھی علوم کو از سر نو زندہ کرنا یا ترقی دینا چاہیے - مگر زمانے کی چال نے مجھ کو یہ سکھایا ہے اور اس پر مجبور اور مضبوط کر دیا ہے کہ میں یہ کہوں کہ ہمارے نوجوان طالب علم اور پیارے بچے انگلش لٹریچر اور یورپین سائنس سیکھیں -

اے دوستو ! ایک زمانہ تھا کہ ہمارے باپ دادا اپنے حاصل کیے ہوئے علوم پر فخر کرتے تھے - ہندو صاحبوں کے باپ دادا کا بھی ایسا ہی حال تھا - وہ فخر بے شک ہمیشہ رہے گا اور ان بزرگوں کے نام عزت سے لیے جائیں گے مگر اس زمانے میں یہ چیز قابل دیکھنے کے ہے کہ کون سی چیز اب ہم کو اور ہمارے ملک کو مفید ہے ؟ کون سے علوم ہم کو مہذب بناویں گے ؟ اور کس زبان کا سیکھنا ہماری شائستگی کو ثابت کرے گا ؟ اور دنیا میں ہم کو بکارآمد بناوے گا - میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ انگلش لٹریچر اور سائنس ہے - جس زمانے میں مشرقی علوم ہمارے اور تمہارے باپ دادا نے حاصل کیے تھے اس کو ہزاروں برس ہوگئے - جو علوم سابق میں جاری اور ایجاد ہوئے تھے ان میں بعض علوم تو بلاشبہ اب تک سچے ثابت ہوئے ہیں مگر

ان میں بھی بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے اور بہت سے علوم اب ایسے ایجاد ہوئے ہیں جن کو ہمارے تمہارے باپ دادا نہ جانتے تھے اور وہ اس زمانے کے لیے مفید اور کارآمد ہیں ۔ اگر ہم اسی پرانی لکیر کو پیٹتے رہیں تو گویا ہم موجودہ زمانے سے سینکڑوں برس پیچھے ہٹتے ہیں حالاں کہ ہم کو آگے بڑھنا چاہیے (چیرز) ۔ میں کہتا ہوں کہ پنجاب کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ان جدید علوم کو اپنی زبان کے ترجموں سے حاصل کر لیں گے اور یہی بنا مشرق زبان کی یونیورسٹی قایم کرنے کی ہوئی ، مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جس کے خیال میں بیس بائیس برس قبل یہی بات آئی تھی ۔ میں نے صرف اس کو خیال ہی نہیں کیا تھا بلکہ کرکے دکھایا اور آزمایا ، تجربہ کیا ۔ سائینٹیفک سوسائٹی قایم کی جو اب تک زندہ ہے ۔ اس میں یہی کام شروع کیا تھا تاکہ علوم اور فنون کی کتابیں اپنی زبان میں ترجمہ ہو کر قوم کی تعلیم کے لیے شایع کی جاویں ۔ مگر بعد تجربے کے معلوم ہؤا کہ ان جدید علوم کا ترجمہ کر کے اپنی قوم کو سکھلانا ناممکن ہے[1] ۔ میں اس کا مخالف نہیں ہوں کہ بذریعہ ترجمے کے وہ علوم ہماری زبان میں نہ لائے جاویں بلکہ مجھ کو جس قدر مخالفت ہے وہ اس بات سے ہے

---

[1] ۔ ریاست حیدرآباد میں اس کا تجربہ سرکاری طور پر کیا گیا اور نظام کے حکم سے تمام علوم کی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو میں ہونے لگی اور تین سو سے زیادہ کتابیں مختلف زبانوں سے اس کے لیے ترجمہ کی گئیں اور ترجمے کا محکمہ الگ قائم کیا گیا جس پر نظام نے لاکھوں روپیہ خرچ کیا اور کام چل پڑا ۔ تجربہ نہایت کامیاب رہا ۔ مگر آہ ! بہت جلد حکومت مٹ گئی اور ساری محنت پر پانی پھر گیا ۔ اناللہ واناالیہ راجعون ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

کہ ہمارے ملک کی تعلیم اور خصوصاً اعلیٰ درجے کی تعلیم انھی پر منحصر رکھی جاوے یا وہی کافی متصور ہوں اور انگریزی زبان میں تعلیم کی ضرورت نہ ہو - جن لوگوں نے ترجمے کا کام کیا ہے وہ جان سکتے ہیں کہ غیر زبان کی اصطلاحوں کو اپنی زبان میں لانے کے واسطے کس قدر دقتیں پیش آتی ہیں - پھر اس کے سوا یہ کیسی دقّت ہے کہ جب تک کسی ایک علم کی کتاب کا ترجمہ ہو کر شایع ہونے کا وقت آئے تب تک اس علم میں بہت سی اصلاح اور بہت کچھ ترقی ہو جاتی ہے - ہاں یہ اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب علم محدود ہو گئے ہوتے اور ہماری زبان حکمران زبان ہوتی - ہمارا یہ حال نہیں ہے - ہماری حکمران زبان انگریزی ہے - ہم کیسی ہی کوشش کریں ناممکن ہے کہ ہماری زبان میں علوم پھیل سکیں - یورپ میں بھی غیر قوم کے علوم کی کتابوں کے اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کا کام ہؤا ہے اور ہوتا ہے - باوجودیکہ انھوں نے ترجموں میں اصطلاحیں قرار دینے کو مجلسیں مقرر کیں اور بڑے بڑے عالموں نے اس پر توجہ کی ، پھر بھی اصطلاحات کے مقرر کرنے میں غلطیاں نکلتی ہیں اور ثابت ہوتا ہے کہ ان سے چارہ نہیں - معہذا وہ ترجمے اس لیے نہیں ہوئے اور نہ اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ترجمے یورپ کے لیے علوم کے سرمایہ ہوں گے بلکہ وہ صرف اس بات کے جاننے کے لیے ہوتے ہیں کہ اور قوموں کے کیا خیالات تھے ؟ ہمارے مسلمان بھائی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خلفاے عباسیہ کے وقت میں یونانی علوم اپنی زبان میں ترجمہ کر کے شایع کیے گئے تھے اور ملک و قوم کے لیے مفید ہوئے - مگر اس میں دو غلطیاں ہیں - ایک تو میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ ترجموں کے ذریعے سے علوم پھیلنے کے لیے ترجموں کی زبان

وہی حکمران زبان ملک کی ہونی چاہیے ۔ خلفائے عباسیہ کے وقت میں وہی زبان ملک کی حکمران زبان تھی ۔ لوگوں کو دوسری زبان سیکھنے کی حاجت نہ پڑتی تھی اور اسی زبان میں علوم پھیلتے تھے ۔ اس کے سوا دوسری بات یہ ہے کہ ان کو یونان کی چند اور محدود کتابیں ملی تھیں ۔ اُس زمانے میں یونان کے علوم ترقی کرکے رک گئے تھے ۔ ان میں روز روز نئی اصلاحیں نہ ہوتی تھیں ۔ اُس وقت میں ان ترجموں سے کام نکل سکتا تھا ۔ اس زمانے میں یورپ کے جدید علوم نے ایک جگہ قرار نہیں پایا ، ترقی موقوف نہیں ہوئی ۔ خدا کرے کہ اس کی ترقی موقوف بھی نہ ہو ۔ اس زمانے میں کوئی مہینہ ، کوئی ہفتہ نہیں جاتا کہ علوم میں کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا نہ ہو ۔ طلبا کو روز بروز اس کو دیکھنا اور اس سے واقف ہونا چاہیے ۔ کیا یہ بات کسی طرح ممکن ہے کہ جو دریا روز بروز موج مارتا ہؤا بڑھتا آتا ہو اور اس کو ایک کوزے میں بند کر لیں ؟ کالج کے طالب علم بخوبی جانتے ہیں کہ دس برس اس طرف جو کتابیں ٹیسٹ بک تھیں اب وہ ردی ہیں ۔ اگر میری یاد میں غلطی نہ ہو تو تھوڑے دن ہوئے کہ لارڈ ڈفرن نے قاہرہ ملک مصر میں تعلیم پر ایک لیکچر دیا تھا ۔ مصر کی حکمران زبان عربی ہے ۔ وہاں علوم کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جاتا ہے ۔ فرانس اور جرمن میں جا کر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے وہاں کے علوم اپنی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں اور وہی کتابیں وہاں شایع ہوتی ہیں ۔ لارڈ ڈفرن نے لوگوں کو یہ بات دکھائی کہ بہت سی کتابیں جو ابھی چھاپے خانے سے نکلنے بھی نہیں پائی تھیں وہ ردی ہو گئیں ۔ علوم کا ایک حد تک رکھنا اور چیز ہے اور ترقی دینا اور چیز ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ کیا

اگر گورنمنٹ بھی بہت بڑا حصہ خرچ کا دے تب بھی ان تمام علوم کا ، جو شایع ہوتے جاتے ہیں ، ترجمہ اور ہم کو ان سے فائدہ پہنچنا ناممکن ہے ۔ ادنیٰ ترین تعلیم کے لیے وہ ترجمے مفید ہو سکتے ہیں ۔ اعلیٰ درجے کی تعلیم کے لیے ، جو یونیورسٹی کی تعلیم کہلاتی ہے ، صرف نامفید ہی نہیں ہیں بلکہ ملک و قوم کے لیے نہایت مضر ہیں ۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں ؟ ترجموں کے پیچھے پڑا رہنا میری دانست میں پیچھے ہٹنا ہے ۔ بعض مسلمان مجھ سے کہتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے عقاید اسلام میں سستی آ جاتی ہے ۔ بہت سے خطوط بھی میرے پاس اس مضمون کے آئے ہیں مگر میں نہیں جانتا کہ یہ گفتگو کس بنیاد پر ہے ؟ میرے خیال میں تو یہ مباحثہ نئی بات نہیں ہے ۔ خلفاے عباسیہ کے وقت میں بھی علما نے ، جو سادہ مزاج تھے اور جن میں دوراندیشی کا مادہ نہ تھا ، ایسے ہی فتوے دیے تھے کہ فلسفے اور لاجک کا پڑھنا ممنوع ہے اور پڑھنے والا گنہگار ۔ مگر مسلمانوں کے مشہور اور مقدس عالموں میں کوئی ایسا نہ نکلے گا جس نے فلسفہ اور منطق نہ پڑھا ہو ۔ اگر کسی نے ایسا نہیں کیا تو وہ اس درجے کو نہیں حاصل کر سکتا تھا جو عالموں کا درجہ کہلاتا ہے ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ انگریزی پڑھنے سے مذہب میں نقصان آتا ہو ۔ ایک زحمت کا زمانہ ہندوستان پر اور گزرا ہے ۔ میری سمجھ میں کم لوگ موجود ہوں گے جنھوں نے اس کو دیکھا ہوگا ، اور اس جلسے میں یقیناً بہت کم لوگ ہوں گے جو اس سے واقف ہوں گے ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب لارڈ مکالے پریسیڈنٹ ایجوکیشنل بورڈ کے تھے ۔ اس وقت اس کی تکرار اور بحث تھی

کہ ہندوستانیوں کو آیا انگریزی علوم اور فنون سکھائے جاویں یا ان کو انھی مشرقی علوم میں مبتلا رکھیں جن میں وہ ابتدائے عمل داری انگریزی سے سنہ ۱۸۳۰ء یا سنہ ۱۸۳۲ء تک مبتلا تھے ؟ یہ تکرار علوم انگریزی کے مفید یا غیر مفید ہونے پر نہ تھی بلکہ اس بات پر تھی کہ خدا نے جن بندوں کو ہمارے قبضے میں دیا ہے ان کو اپنے فائدے کی نظر سے اندھیرے میں رکھنا بہتر ہے یا خدا کا ، ملک کا ، انسانیت کا فرض ادا کرنے کے خیال سے اُن کو روشنی میں لانا فرض ہے ؟ یہ بحث نہ صرف ہندوستان میں تھی بلکہ اس بحث سے پارلیمنٹ کے کمرے انگلستان میں بھی گونجتے تھے ۔ وہ شخص ، جو اپنی نیک دلی سے خدا کے بندوں پر نیکی کرنا چاہتا تھا ، اس امر میں گورنمنٹ سے مخالف تھا مگر بڑی بحث کے بعد وہ نیک بندہ خدا کے بندوں پر شفقت کرنے والا ، یعنی لارڈ مکالے ، جیت گیا ۔ میری دانست میں کوئی گورنر جنرل ، کوئی وایسرائے ، کوئی ملک کا خیرخواہ ایسا نہیں گزرا جس نے لارڈ مکالے سے زیادہ ہندوستان پر اور ہندوستانیوں پر احسان کیا ہو ، جس نے اس طرح کے استقلال اور ملک کی خیرخواہی زور قلم اور سچی رائے سے ثابت کرکے یہ طے کرا دیا کہ انگریزی زبان اور یورپین سائنسز کی ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجے کی تعلیم ہو ۔ میں پنجاب کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ اُس کے احسان کو یاد رکھیں اور سوچیں کہ اُس نے کیسی مفید چیز ہم کو دلا دی ہے ۔ اور لوگوں کو خود دیکھنا چاہیے کہ اُن کو کیا چیز مفید اور کیا مضر ہے ؟ ابھی دو دن کا عرصہ ہؤا کہ میں ایک ایوننگ پارٹی میں شریک تھا جو براہ مہربانی مجھے دی گئی تھی ۔ اُس میں میں بہت سے بی ۔ اے جوانوں سے ملا جنھوں نے

یورپین سائنسز اور لٹریچر میں ڈگری حاصل کی ہے اور ایسے بزرگوں سے بھی مشرف ہؤا جنھوں نے مشرق علوم اور اورینٹل زبانوں کے ذریعے سے ڈگری پائی ہے ۔ میں ان پچھلے عالموں کو غور سے دیکھتا تھا کہ وہ مشرق علوم اور مشرق زبانوں کے عالم اس زمانے میں کس کام کے ہوں گے اور ملک کو اُن سے کیا فائدہ ہوگا ۔ مانا کہ وہ علم کے خزانے رکھتے ہوں ، مگر وہ خزانے ہمارے کس کام آویں گے ؟ جب کہ ہماری حکمران زبان وہ زبان نہیں ہے ۔ اُن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک پُتلے کے پیٹ میں بہت سی کتابیں بھر دی جاویں (چیرز) ۔ پنجاب یونیورسٹی کا مسودۂ قانون جب پیش ہوا تھا تب میں بھی کونسل میں تھا ۔ میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوتا تھا کہ اگر یہ مسودہ اُسی حیثیت پر پاس ہو گیا تو پنجاب کی قسمت ڈوب جاوے گی ۔ مگر مبارک ہو سر چارلس ایچیسن کو جنھوں نے کسی قدر تکمیل اور اصلاح کے بعد اُس کو پاس کرایا ۔ اب پنجاب کا ڈوبنا یا ترنا اُسی کے باشندوں کی رائے پر منحصر ہے ۔ ہم کو گورنمنٹ کی پالیسی سے آنکھ بند کر لینی چاہیے ۔ ہم کو وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ہمارے ملک اور قوم کے لیے بہتری کا باعث ہو ۔ ہم کو گورنمنٹ کا مشکور ہونا چاہیے جس نے ہم کو آزادی دی ہے ۔ ہمارے واسطے ایسا امن قایم کیا ہے جو ہم ہندو اور مسلمانوں کو کبھی پہلے حاصل نہ تھا ۔ ہم کو گورنمنٹ کا خیر خواہ رہنا چاہیے ، وفاداری اور فرمان برداری میں دریغ نہ کرنا چاہیے ، جو بحیثیت ایک لایل سبجکٹ ہونے کے ہمارا فرض ہے ۔ مگر جو چیز ہمارے ملک اور قوم کے لیے مفید ہے اور جس کے اختیار کرنے میں گورنمنٹ ہماری مزاحم بھی نہیں ہے ، خود سوچ کر ہم کو اختیار کرنی چاہیے ۔ ہم کو گورنمنٹ کی

پالیسی کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے براہِ مہربانی ہمارے لیے تعلیم کا بڑا بوجھ اس طرح سے اپنے اوپر اٹھا لیا ہے جس کی نظیر دنیا میں نظر نہیں آتی ۔ گورنمنٹ ہمارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ کر نہیں سکتی ۔ ہندوستان جیسے ملک میں ، جہاں مختلف قوم ، مختلف حاجتوں ، مختلف عقاید ، مختلف مقاصد اور اغراض کے لوگ ہوں ، بجز یکساں طریقۂ تعلیم جاری کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی ۔ اور یہی امر اُس کا بڑی تعریف کے لایق ہے ۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان جیسے ملک کے لوگ گورنمنٹ کی اس پالیسی سے اپنے اپنے مقاصد اور اغراض کے لایق فایدہ نہیں اٹھا سکتے ۔ فرض کیجیے کہ گورنمنٹ کی عام پالیسی ہے کہ وہ تعلیمِ مذہبی سے بالکل علیحدہ رہے ۔ یہ پالیسی اس کی تمام قوموں میں لایقِ تعریف اور تمام دنیا اُس کی ثنا خواں ہے (چیرز) ۔ مگر اس ملک میں بہت لوگ ہیں جو مذہبی تعلیم بھی چاہتے ہیں ۔ اس میں خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان ، یہ لوگ کیوں کر گورنمنٹ پر ایسی تعلیم کا بھروسا رکھ سکتے ہیں ؟ اُن کو تو ضرور اپنی تعلیم اپنے ہاتھ میں لینی چاہیے ۔ اے دوستو ! ہندوستان ، جو مدت سے علم اور سویلیزیشن میں مشہور چلا آتا ہے اور یہ شہرت اُس کی اُس وقت سے تھی جب کہ دوسری قومیں وحشی اور جانور کے موافق تھیں ، کیا اُن کو غیرت نہیں آتی کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے ، جو بنیاد تہذیب کی ہے ، گورنمنٹ کا منہ دیکھیں اور مشنری اسکولوں کی طرف تکیں ؟ جس کے بانیوں نے اپنے خیال کے موافق انسانی ہمدردی سے جو کچھ کیا ہو اُس کو غنیمت سمجھیں اور اپنی اولاد کو اُس مہربانی اور خیرات کی تعلیم پر چھوڑ دے ؟ تم کو غیرت نہیں آتی ؟ کیا تمہاری مجموعی قوت ، تمہاری ہمت ،

تمہاری دولت اس قدر بھی نہیں ہے کہ تم اپنے بچوں کو تعلیم دے سکو ؟ مذہبی انگریزی دنیوی تعلیم کے تم مختار بنو اور جس طرح پر چاہو اپنی اولاد کو تعلیم دو ؟ کئی روز ہوئے ، جب کہ میں امرتسر میں تھا ، مجھ کو خبر ملی کہ ایک زنانہ اسکول الگزنڈریا وہاں قائم ہؤا ہے - ریورنڈ کلارک صاحب نے براہِ مہربانی میری خواہش کے بموجب وہ اسکول مجھ کو دکھایا - میں بیان نہیں کر سکتا جس قدر اُن مشنریوں کی عزت اور خوبی میرے دل میں اُس کے دیکھنے سے بیٹھی ہے - اس اسکول میں غیر قوم کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں جن سے اسکول کے منتظموں کا نہ کچھ رشتہ ہے ، نہ ہم قوم ہیں ، نہ برادری ، نہ ایک ملک کے رہنے والے ہیں - اُن لڑکیوں کی تعلیم جس قدر خوبی اور عمدگی اور صفائی سے ہو سکتی ہے وہاں ہوتی ہے اور اس کے دیکھنے سے ریورنڈ کلارک کی بڑی قدر دلوں میں بیٹھتی ہے - میں نے جہاں تک دیکھا کہہ سکتا ہوں کہ جس عمدگی سے الگزنڈریا اسکول قائم ہؤا ہے ، ہندوستان میں بے نظیر ہے - بچانوے ہزار روپے کے قریب اس کی عمارت میں خرچ کیا گیا ہے - یہ ان کی قوم اور ان کے بچوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اس ملک کی ہندوستانی عیسائی لڑکیوں کے لیے ہے - غرض کہ جس قدر عزت ان مشنریوں کی میری نظر میں بیٹھی اسی قدر بے عزتی اپنے ملک اور قوم کی دکھائی دی - ان لوگوں نے بھیک مانگ کر دوسری قوم کے بچوں کے لیے یہ بندوبست کیا ہے ، مگر حیف ہے ہندوستانیوں پر کہ اپنی قوم اور بچوں کے لیے کچھ نہیں کرتے - اگر فرض کیا جاوے کہ اُنھوں نے گورنمنٹ کی دی ہوئی تعلیم بچوں کے لیے کافی سمجھی ہے تو یہ خیال غلط ہے - اگر میری رائے غلط نہ ہو تو نِری تعلیم کسی کام کی نہیں ، جب تک اُس

کے ساتھ تربیت نہ ہو ۔ تربیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بچہ دوزانو ہو کر بیٹھے اور ہاتھ جوڑ کر ہماری ہاں میں ہاں ملائے ۔ یہ تو انسان کی تعلیم نہیں ہے ، یہ تو بندر کو بھی سکھا دیا جاتا ہے ۔ بچوں کی تربیت کے لیے سچائی ، نیکی ، لحاظ ، سچی آزادی ہونی چاہیے اور یہ تمام باتیں گھر پر تعلیم پانے سے نہیں آ سکتیں ۔ جب تک ان کے لیے ایک ایسی تعلیم گاہ نہ ہو اور وہ اس تعلیم گاہ کے اڑگڑے میں نہ ڈال دیے جائیں جہاں بجز تعلیم اور تربیت کے اور کوئی چیز نہ ہو ۔ جن لوگوں نے کیمبرج اور آکس فورڈ کے کالجوں کی تعلیم اور وہاں لڑکوں کا رہنا نہ دیکھا ہو ان کے خیال میں اس کی خوبی واقعی ذرا مشکل سے آوے گی ۔ وہاں جوان جوان اور خوبصورت لڑکے نہایت صفائی اور ستھرائی سے بسر کرتے ہیں اور کالج لائف کا ان کے اخلاق اور تربیت پر ایسا اثر ہوتا ہے جس سے وہ دنیا میں تربیت یافتہ اور شایستہ کہلاتے ہیں ۔ ہندوستان میں راجہ ، سردار بہادر ، خان بہادر ، اور آور نامی لوگوں نے اپنے بچوں کی تربیت کا کیا بندوبست کیا ہے ؟ گو میں ایک غریب آدمی ہوں مگر میں نے بڑے بڑے امیروں کے بچے دیکھے ہیں ۔ وہ نوکروں کے لونڈوں ، اور اگر وہ نہیں تو بازاری لونڈوں ، کی صحبت اٹھاتے ہیں ۔ گالی گلوچ ، برے الفاظ ، بد اخلاق کی باتیں ، خراب عادتیں سنتے ، دیکھتے اور سیکھتے ہیں ۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ بھلا ایسی حالت میں بھی تربیت ہو سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ مدرسے میں جا کر ، چارگھنٹے ماسٹر یا زیادہ سے زیادہ انگریزی پروفیسر کے پاس بیٹھنے سے تربیت نہیں آ سکتی ۔ وہ مقام کچھ جادو گھر نہیں ہے کہ وہاں تین یا چار گھنٹے کا رہنا باقی چوبیس گھنٹوں کی خراب صحبتوں کی خرابیوں کو دور کر سکے ۔ آپ کالکٹے سے

پشاور تک ، ہمالیہ سے لے کر دکن تک کوئی جگہ بتائیے جہاں لڑکے تربیت اور تعلیم پا سکتے ہوں ۔ گو میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ جیسا چاہیے تعلیم بھی نہیں پا سکتے ۔ لیکن بفرض تعلیم کے تربیت تو ہرگز نہیں پا سکتے ۔ کوئی رئیس کیسا ہی بڑا رئیس کیوں نہ ہو ، کوئی سامان کافی اپنے گھر پر تعلیم اور تربیت کا نہیں کر سکتا ۔ اس تعلیم کے واسطے یہ ضروری ہے کہ عمدہ خاندان ، عمدہ اخلاق ، عمدہ تعلیم کے معلّم اور پروفیسر ہوں اور لڑکے ، جو آپس میں ساتھ پڑھتے اور رہتے ہوں ، اُسی طرح اچھے خاندان اور اچھی عادتوں کے خوگر ہوں ۔ یہ امور ہر جگہ مہیا ہونے ناممکن ہیں ۔ اور واقعی جب ایسا نہ ہو تو کوئی شخص اپنے لڑکے کو بلا لحاظ اُس کی تیمارداری اور خرابیوں سے بچنے اور ہر طرح کی حفاظت سے محفوظ رہنے کے بھروسے پر کہیں نہیں بھیج سکتا ۔ یہ اُسی وقت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں سب عمدہ سامان موجود ہوں اور مربی اپنے لڑکوں کو اور روپیہ خرچ کا بھیج کر سب طرح پر مطمئن ہوں (چیرز) ۔ یہی خیالات میرے دل میں تھے جب کہ میں نے علی گڑھ میں کالج کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا اور اُس کا ایک ایسا وسیع تعلیم گاہ بنانا تجویز کیا جس میں کافی تعداد ہماری قوم یعنی ملک کے باشندوں ہندو اور مسلمان دونوں کی گنجایش ہو اور دونوں گروہ عمدہ طور سے وہاں تعلیم اور تربیت پاویں ۔ جب یہ خیال میرے دل میں آیا تو میں لندن گیا ۔ وہاں کے کالجوں ، بورڈنگ ہاؤسوں ، کیمبرج کے طلبہ کے رہنے کا حال دیکھا اور سمجھا کہ حقیقت میں جب تک اپنے ملک کے بچوں کے لیے ایسی جگہ نہ بناویں تو تعلیم اور تربیت ناممکن ہے ۔ مگر جب میں نے اپنے دوستوں سے ایسا ارادہ ظاہر کیا تو اُنھوں نے روپے کی تعداد

پوچھی جو اُس کے واسطے ضروری تھی - میں نے ایک معتدل تعداد پندرہ لاکھ روپے کی بیان کی جو حقیقت میں اتنے بڑے کام کے واسطے کافی نہ تھی - اس تعداد کو سن کر میرے وہ دوست بھی ، جو میری رائے کو پسند بھی کرتے تھے ، متعجب ہوئے اور اُن کے منہ سے یہ آواز نکلی کہ پندرہ لاکھ روپیہ اور ہندوستان ! کیا کچھ جنون ہو گیا ہے ؟ مگر مجھے تعجب اس آواز سے نہیں ہوا ، گو میں سمجھتا تھا کہ قوم کو اس کام میں پندرہ ہزار روپیہ خرچ کرنے کی بھی توفیق نہیں تھی - اے میرے دوستو ! میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کے لوگ روپیہ خرچ کرنے میں اور قوموں سے پیچھے رہتے ہیں - بے شک وہ مکانات ، مساجد ، خانقاہ ، شوالہ ، دھرم سالہ بنانے اور شادی بیاہ میں آرایش اور آتشبازی ، عیش کے سامان مہیا کرنے میں بڑی فیاضی سے روپیہ صرف کرتے ہیں - اُن میں جو کچھ نقص ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کہاں روپیہ صرف کرنا چاہیے اور کہاں نہیں (چیز) - یہ حال انگلستان اور شائستہ ملکوں میں بھی ہے - وہ لوگ بھی فضول خرچی کرتے ہیں - اپنے دل کی خوشی میں بہت کچھ صرف کر ڈالتے ہیں - لیکن وہ لوگ اپنی ترقی کا سامان سب کچھ کر چکے ہیں - اب وہ جو چاہیں کریں - ہندوستان میں ملک کی بھلائی کی کوئی چیز ابھی تک نہیں ہے - اگر ہندوستان کے لوگ بھی اپنے ملک کی ترقی اور بہتری کے سامان مہیا کرلیں تو پھر خوشی سے جو چاہیں کریں - اُن پر بھی اعتراض نہ ہو - اعتراض تو اس بات کا ہے کہ ملک اور قوم کی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا اور نہیں کرتے اور فضول خرچی کرنے میں اندھے ہیں - تاہم میں اس بات کا ذکر ضرور کروں گا کہ اُن میں کچھ تحریک پیدا ہو گئی ہے -

پانچ لاکھ روپے کا سرمایہ اس تعلیم گاہ کے واسطے جمع ہوگیا ، دو ڈھائی لاکھ روپیہ اُس کی عمارت میں خرچ ہو چکا ہے ۔ کوئی انگریز ، جو علی گڑھ سے گزرتا ہے ، شاید ہی ہے کہ اُن میں سے کوئی ایسا ہو کہ اس کالج کو ہندوستان میں ایک نئی چیز سمجھ کر نہ دیکھتا ہو ۔ ایجوکیشنل کمیشن نے اسی کالج کے ہونے کے سبب سے وہاں ایک اجلاس کیا اور اپنی رپورٹ میں اُس کمیشن کے پریسیڈنٹ ، مشہور عالم فاضل ڈاکٹر ہنٹر ، اور اُس کمیشن کے لایق ممبروں نے یہ لکھا کہ ہندوستان میں کوئی کالج اس سے عمدہ نہیں ہے ۔ اور بورڈنگ ہاؤسوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ وہ کیمبرج کے بورڈنگ ہاؤسوں کے موافق ہیں بلکہ بعض اچھے ہیں ۔ تین سو لڑکے ہندو مسلمانوں کے اُس میں تعلیم پاتے ہیں ۔ سنی ، شیعہ اپنے اپنے مذہب کے طریقے پر نماز پڑھتے ہیں ۔ ہندو اپنے مذہبی طریقے بجا لانے کے واسطے خود مختار ہیں ۔ مسلمان اور ہندو دونوں بورڈنگ ہاؤسوں میں رہتے ہیں ۔ ان دونوں گروہوں کے کھانے کا بندوبست جدا جدا کیا گیا ہے ۔ ایک جگہ رہنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے ، ایک دوسرے کا ہمدرد ہوتا ہے ۔ اس کو ہندوستانیوں سے نہیں ، انگریزوں سے پوچھنا چاہیے ۔ وہ اس کی قدر خوب جانتے ہیں کہ ایک کالج میں رہنے سے باہمی طلبہ کے کیسی محبت اور برادرانہ رسم ہو جاتی ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کالج میں ان سب باتوں کا برتاؤ ہوتا ہے ۔ گو مجھے اس بات کے بیان کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ اب تک روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنے کے واسطے مسجد تک تیار نہیں ہو سکی ۔ صرف ایک بہت وسیع چبوترہ ہے جس پر ایک طرف شیعہ ، دوسری طرف سنی اپنی اپنی نماز پڑھتے ہیں ۔ یہ تمام باتیں باہم اتفاق قایم ہونے کی ہیں ، جس کی

ہندوستان میں اشد ضرورت ہے ۔ اے صاحبو ! صدیاں گزر گئیں جب سے خدا کو یہ منظور ہؤا کہ ہندو اور مسلمان اسی ملک کی ہوا اور پیداوار کھائیں ، اسی زمین پر جییں اور اسی پر مریں ، ان واقعات سے خدا کی یہ مرضی پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں گروہ باہم دوست ہو کر ، بلکہ دو بھائی کی طرح ہندوستان میں رہیں ۔ ہندوستان کے خوبصورت چہرے کی یہ دونوں دو آنکھیں بنیں ۔ یہ دونوں قومیں ، جو دال اور چاول کی طرح سے مل گئی ہیں ، متفق ہو کر رہیں ۔ جب تک یہ اتفاق نہیں ہوتا بے شک قومی تعلیم کا بھی بندوبست نہیں ہو سکتا ۔ اگر ہندو اپنی ڈو پتھروں کی اور مسلمان اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا جدا عمارت بنائیں گے تو کچھ نہ ہو سکے گا ۔ ان دونوں کو چاہیے کہ متفق ہو کر پہلے ایک کام کو پورا کریں اور جب وہ ختم ہو جائے تب دوسرے میں ہاتھ لگائیں ۔ مجھ کو اس بات کے ظاہر کرنے میں خوشی ہے کہ ہمارے کالج میں ہمارے ہندو بھائیوں نے مدد کی ہے اور خدا ترسی کے خیال سے اپنے محتاج مسلمان بھائیوں کا حق ادا کیا ہے ۔ کالج کے منتظموں نے بھی اُس احسان کو بھلایا نہیں ۔ اُنھوں نے ایک جگہ پر رہنا ، ایک بینچ پر بیٹھ کر تعلیم پانا ، ایک احاطے میں رہنا ، پھرنا ، کھیلنا دونوں قوموں کے لیے ایک ہی طرح پر قرار دیا ہے ، جس سے باہمی دوستی کو ترقی ہوتی ہے ۔ میرے خیال میں اس سے عمدہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے ۔ مگر میری یہ غرض نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ قوم کی بھلائی کی کوئی اور بات نہ سوچیں ۔ ان کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کریں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اگر اس کے سوا کوئی اور چیز ان کو نظر آوے تو اس کو وہ کریں ۔ لیکن یہ نہ ہونا چاہیے کہ ایک کام ادھورا

چھوڑ کر دوسرا کام شروع کر دیا جاوے ۔

اے صاحبو ! ایک زمانہ گزرا جب کہ ہندوستان ایسی قوم کے زیر حکم تھا جن کو لوگ ہندو کہتے ہیں ۔ پھر مسلمان اس پر حکمراں ہوئے ۔ ابھی ایک تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ اسی ملک پنجاب میں ایک بہت بڑی بہادر اور جری قوم سکھوں کی حکومت تھی ۔ یہ تمام زمانے اور حکومتیں کیسے ہی کچھ رہے ہوں مگر مدتوں سے اس ملک کے رہنے والوں کو علم کی ترقی دینے کا کوئی موقع نہ تھا ۔ اس وقت ہر فخر کرنا چاہیے جب کہ خدا نے ہم کو ایک ایسی گورنمنٹ دی ہے جس نے امن قایم کیا ہے ، اصلی آزادی ہم کو دی ہے ، آزاد قانون وضع کیے ہیں ، ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے ، گورنمنٹ کی طرف سے کسی قسم کی روک ہماری ترقی میں نہیں ہے ۔ ایسی پُر امن سلطنت میں بھی اگر ہم غافل رہے تو ہماری قوم کو اور کب اُمید ہوگی اور اب وہ کون سا زمانہ آوے گا کہ دنیا میں ترقی کرکے ایک معزز قوم کہلائیں گے ۔'' (بہت زور سے چیرز)

اس لیکچر کے ختم کرنے کے بعد سید صاحب اُس تخت پر سے اترے اور جہاں اور سب لوگ بیٹھے تھے وہاں آ بیٹھے ۔ اُس وقت سید اولاد علی صاحب اپنی کرسی پر سے اٹھے اور سید صاحب سے اجازت چاہی کہ نوجوانان جالندھر کے دل میں جو آپ کی شکرگزاری کا جوش ہے وہ اُس کو بذریعہ ایک سپاسنامے کے عرض کرنا چاہتے ہیں اور اُس کے پڑھے جانے کی اجازت چاہتے ہیں ۔ سید صاحب نے نہایت خوشی سے اُس کو منظور کیا اور سید اولاد علی صاحب نے اُس شکریے کو نہایت خوبی سے پڑھا ۔ سید صاحب نے مختصر مگر دلچسپ اُس کا جواب دیا جو ذیل میں مندرج ہے :

کورنش نوجوانانِ مسلمانانِ جالندھر

بعالی خدمت

جناب جوادالدولہ ، عارف جنگ ، آنریبل مولوی سید احمد خاں
صاحب بہادر سی - ایس - آئی

"جناب فخرالاسلام !

آن احسانات کو ، جو جناب نے اپنی قوم پر کیے ہیں ، اور آن خدمات کو ، جو جناب نے اپنے سچے مذہب اور گورنمنٹ کی کی ہیں ، بیان کرنا ہم ہیچمدانوں کا مقدور نہیں ، کسی فصیح زبان کا کام ہے - اور آن تکالیف اور مصائب کو ، جو جناب نے قوم و ملک کی بہتری کی سعی و محنت میں اپنے جدِ بزرگوار کی طرح اپنی ہی قوم سے برداشت کی ہیں ، ظاہر کرنے کا حوصلہ کسی سنگ دل میں ہی پڑے ، ہم ارادت مندوں کی مجال نہیں -

جناب نے بایں ہمہ قدر و منزلت کے کہ جناب نواب لیفٹیننٹ گورنر صاحب جیسے معزز اور عالی مراتب اشخاص اس بات کا فخر کریں کہ "وہ جناب کے دوستوں میں سے ہیں" ، یہ جو ایک قسم کی گدائی اختیار فرما کے اپنی قوم و ملک کے لیے ولایت کی یونیورسٹیوں کے نمونے پر ایک کالج قایم کیا ہے ، اور یہ جو جناب نے اپنا قدیمی وطنِ مالوفہ دہلی جیسا پُر فضا شہر اور اپنے خویش و اقربا چھوڑ کر ہمارے بھائی طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے واسطے علی گڑھ جیسے ویرانے میں اپنی سکونت اختیار فرمائی ہے ، اور یہ جو جناب نے ہمارے مفلس اور نادار بھائیوں کو بھی سول سروس میں بھیجنے کا بیڑہ اٹھایا ہے تو ، ان سے اور

جناب کے دیگر نیک کاموں سے جناب کا نام نامی ہی صرف صفحۂ روزگار کی تاریخ پر نہیں رہے گا بلکہ آیندہ نسلیں جناب کے کارناموں کو نہایت عزت اور ادب کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور نہایت اعلیٰ درجے کے بزرگ القابوں سے جناب کو یاد کریں گے۔

یہ جناب کی ہی سراسر عنایت ہے کہ جناب نے ادھر تو ہمارے دلوں میں گورنمنٹ کی خیرخواہی اور تابعداری کا بیج بویا اور ہم کو حضرت قیصر ہند دام ملکہا و سلطنتہا کی وفادار اور جان نثار رعیت بنایا اور آدھر گورنمنٹ کے آئینۂ دل سے وہ غبار، جو چند لوگوں کی بے دانشی اور حرکات ناشایستہ اور بعض کی کم فہمی سے بیٹھ گیا تھا، اپنی پُرتاثیر تحریرات اور تقریرات سے دھویا اور گورنمنٹ کو ہماری حالت زار پر متوجہ فرمایا، تو اس لحاظ سے اگر ہم نہایت خوشی سے پکاریں کہ ''مبارک ہے گورنمنٹ کا خیر خواہ، امن کا بانی اور قوم کا فخر'' تو بہمہ وجوہ زیبا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف ملکوں، قوموں اور زمانوں میں ریفارمر گزرے ہیں جنھوں نے کسی قدر تکالیف اٹھا کر اپنی اپنی قوم و ملک کو فواید پہنچائے ہیں، لیکن ان میں اور جناب میں فرق ہے۔ کیوں کہ اول تو ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں، جو جناب کی ذات والا صفات سے گورنمنٹ کی خیرخواہی اور قوم و ملک کی بہتری کے لیے ظہور میں آئے ہیں، نہیں ہوئے۔ دوم نہ ان کو مختلف عقاید کی، مختلف اقوام کے بے جا اعتراضات کے دفعیے میں، جو قوم پر ہوئے، اس طرح کی کوئی مشکل پیش آئی اور نہ ان کی اپنی قوموں نے کوئی مذہبی آڑ رکھ کے ایسی

سخت مخالفت کی ، اور نہ ان زمانوں کی اقوام کو ایسے اسباب مخالفت دستیاب تھے ۔ ماسوائے ازیں جناب نے یہ جو بڑا بھاری احسان قوم پر کیا ہے کہ نوجوان مسلمانان اعلیٰ تعلیم یافتگان کو ، جن کے دلوں میں بباعث مطالعۂ علوم فلسفہ وغیرہ الحاد اور کفر گھر کرتا جاتا تھا ، الحاد سے بچایا اور حلقۂ اسلام میں رکھا اور آیندہ نسلوں کو اس کم بخت مصیبت سے نجات دی ۔ تو پس اس سے اگر ہم کہیں کہ ''ریفارمیشن اور سچی حُبِ قومی کا جامہ صرف جناب کی ہی ذاتِ مبارک پر قطع ہؤا ہے'' تو کچھ مضایقہ نہیں ۔

کوئی برے سے برا نام جہان میں نہیں رہا جو جناب کو اسی قوم نے ، جس کی بہتری کے لیے جناب نے مال و جان تک دریغ نہیں فرمایا ، نہ دیا ہو ۔ لیکن برخلاف اس کے کوئی بزرگ اور مقدس نام بھی باقی نہیں جو جناب کی شان میں نہ کہا گیا ہو ۔ الا یقیناً عرض کی جاتی ہے کہ جس قدر یہ ناشایستہ نام برے اور سخت ہوں گے اسی قدر وے آیندہ روشنی کے زمانے میں جناب کی ثابت قدمی اور استقلال کے ثبوت اور جناب کی حُبِ قومی اور ہمدردی کے زیور اور جناب کی تعظیم و تکریم اور ادب کے باعث ہوں گے ۔ فی زماننا بھی ہم جناب کو مبارک باد دے کر عرض کرتے ہیں کہ بہت سے اہلِ قلم و علم سچے دل سے اپنے آپ کو جناب کے نیازمندوں میں شمار کرتے ہیں ۔

ہم نہایت ادب سے جناب کی خدمت میں ''تہذیب الاخلاق'' کے دوبارہ جاری فرمانے کے واسطے عرض کرتے ہیں ، کیوں کہ جس قدر اس سے قوم و ملک کو فواید حاصل ہوئے ہیں وہ جناب

نے اس سفرِ پنجاب میں بچشمِ خود ملاحظہ فرمائے ہوں گے ، اگرچہ جناب کو کثرت کار کے باعث فرصت بہت کم ہے ۔ چونکہ اس میں قوم و ملک کی ترقی ہے تو اس لیے امید قوی ہے کہ جناب و جناب کے احباب ، جنھوں نے قوم کی بہتری کے لیے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ، اپنے بیش قیمت وقت کا کچھ حصہ مثلِ سابق صرف فرما کر اس ہاری عاجز درخواست کو قبول فرماویں گے ۔

اخیر میں ہم سب سے اول خداوند کریم کی درگاہ پاک میں یہ دعا مانگ کر اس معروض کو ختم کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہاری گورنمنٹ کو ، جس کے عہدِ معدلت مہد میں ہمیں وہ آسایش ، وہ امن ، وہ آزادی حاصل ہے جو آگے اس ملک کو کبھی نصیب نہیں ہوئی ، باروز افزوں ترقی سلطنت سلامت رکھے اور ہم کو جناب قیصرِ ہند کی سچی تابعدار اور جان نثار رعیت بناوے ۔ اور ہاری گورنمنٹ اور قوم کے خیرخواہ کو جمیع مقاصد و مطالبِ دینی ، دنیاوی پر کامیاب و سرسبز فرماوے اور ہم کو حُبِ قومی اور ہمدردی کی توفیق دے ۔ آمین ثم آمین ، بحقِ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔''

مِن مقام جالندھر

چھارم فروری سنہ ۱۸۸۴ ع

آپ کے خادم

محمد نیاز الدین خاں دانش مند ، محمد بیدار خاں غذ ، محمد رحیم الدین خاں دانش مند ، اصغر علی انصاری ، محمد ضیاء الدین خاں ، چراغ محمد ، فتح الدین خاں ۔

سید صاحب کا جواب

''اے نوجوانانِ جالندھر !

آپ لوگوں کا ، جنھوں نے یہ ایڈریس میرے سامنے پیش کی ہے ، میں دل سے شکرگزار ہوں ۔ مجھے اس بات کے سننے سے ، کہ آپ میں خیال قومی ہمدردی کا پیدا ہؤا ہے ، قوم کو قوم سمجھنے لگے ہیں ، بہت خوشی ہوئی ۔ اور جیسا کہ آپ نے اپنی تحریر میں ذکر کیا ہے ، اگر یہ خیال میرے ہی سبب سے ہؤا ہے تو میں خود اپنے اوپر فخر کرتا ہوں ۔ مگر اے دوستو ! یہ بات اس طرح نہیں ہے ۔ خدا نے تمھارے دل اس طرح سے بنائے تھے کہ تھوڑی سی تحریک پر تم لوگ نیک کاموں کی طرف مائل ہوگئے ۔ آپ لوگ اس خیال کو اپنی ہی نیک دلی کی طرف رجوع کیجیے ۔ آپ نے جو کچھ ذکر ان خدمتوں کا کیا ہے ، جو میں نے اپنی گورنمنٹ کی کیں ، میں آپ کی اس قدردانی کا ممنون ہوں ۔ لیکن آپ اس بات کو یاد رکھیے کہ مجھ سے اگر کچھ اچھی خدمت یا وفاداری گورنمنٹ کی ہوئی تو وہ بالکل میں نے اپنے مذہب کی پیروی کی ہے ۔ میں اپنے خدا اور رسولؐ کا ، جن پر کہ میں یقین رکھتا ہوں ، یہی حکم سمجھتا ہوں کہ جس حاکم کے امن میں رہیں اس کی اطاعت کریں ۔ پس میں نے جو کچھ کیا اپنے خدا و رسولؐ کی اطاعت کی ۔ بے شک میں نے گورنمنٹ کی خدمت کی ہے مگر اس کا اصلی سبب وہی تھا ۔ تمام ہندو اور مسلمان اس کو یاد رکھیں کہ رعیت کا کام ہے کہ جس حاکم کی رعیت ہوں اور اس کے امن میں ہوں اس کی اطاعت کریں (چیرز) ۔ ''تہذیب الاخلاق'' کا پرچہ ابتدا میں اسی واسطے جاری کیا گیا تھا

کہ ہندوستانیوں کے دل ، جو مردہ ہو گئے ہیں ، ان میں کچھ تحریک لائی جاوے ۔ ہندوستان کی حالت ایک بند پانی کی سی ہو گئی تھی جس سے طرح طرح کے نقصان اور مضرت کا اندیشہ تھا ۔ اس کے واسطے ایک چپو کی ضرورت تھی کہ وہ اس کو ہلا دے ۔ اس نے اپنا کچھ کام کیا ۔ اب تحریک پیدا ہوگئی ہے ۔ ہندوستانیوں کی زبانوں اور قلموں سے قومی ترقی اور ہمدردی کے الفاظ نکلنے لگے ہیں ۔ اخباروں میں قومی بھلائی اور قومی ترقی کے الفاظ بلکہ آرٹیکل نظر آنے لگے ، جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پرچے نے اپنا کام پورا کیا ۔ جب قوم میں تحریک اور اپنے تئیں ذاتی کی حالت میں ہونے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے تو یہی ذریعہ ان کی ترقی کا ہوتا ہے ۔ میری فرصت اور کاموں کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جو دیکھتے رہتے ہیں ۔ وقت کم اور کام بہت ۔ نہ مجھ میں یہ قوت ہے کہ سورج کو ٹھیرا کر دن کو بڑھا دوں ، نہ یہ طاقت کہ سورج کو نکلنے سے باز رکھ کر رات کو وسعت دے دوں ۔ اگر ایک طرف ایک کام پر متوجہ ہوتا ہوں تو اور بہت سے ضروری کام ملتوی رہ جاتے ہیں ۔ اس سبب سے بمجبوری اس پرچے کو بند کرنا پڑا ۔ مگر مجھے امید ہے کہ کوئی شخص اور اٹھ کھڑا ہوگا جو آپ کی اس خواہش کو پورا کرے گا ۔ آپ نے بنظر ہمدردی ان مخالفتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو میرے کاموں میں ہوئیں ۔ اے دوستو ! جب میں نے یہ خیال کیا تھا کہ قوم اچھی حالت میں نہیں ہے ، اس کے واسطے کچھ کرنا چاہیے ، تو میں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اس میں سخت مخالفتیں ہوں گی ۔ مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ جوں جوں مجھ پر تہمتیں لگائی گئیں ، گالیاں دی گئیں ، مکّے سے کفر کے فتوے منگائے گئے

میری محبت اپنے مخالفوں کی طرف بڑھتی گئی اور میری کوشش کو ترقی ہوتی گئی ، کیوں کہ میں سمجھتا رہا کہ میرے مخالف جو کچھ کرتے ہیں ناسمجھی سے کرتے ہیں ۔ اگر قوم کی ایسی حالت نہ ہوتی کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھتی تو ہم کو کوشش کی کیا حاجت تھی؟ آن کے ان افعال سے یہ ثابت ہؤا کہ اور زیادہ کوشش کرنے کی حاجت ہے ۔ ابتدا میں جو کوشش شروع کی گئی تھی اس کو روز بروز ترقی ہوتی گئی ۔ مگر یہ کوشش میری نہ کسی دنیوی فائدے کی غرض سے تھی ، نہ دینی ثواب کی غرض سے ، بلکہ اس محبت کے سبب سے ہے جو مجھ کو قوم کے ساتھ ہے ۔ اے دوستو ! میں ایسے شخص کو ، جو ایسا کام اس غرض سے کرے کہ اس کو کوئی نفع ہو ، میں اس کو تاجر سمجھتا ہوں کہ ایک چیز بیچ کر دوسرا نفع حاصل کرنے کی فکر میں ہے ۔ آخرت کے ثواب کے واسطے کوئی کام کرنے اور دنیا کی تجارت میں صرف جلد اور دیر میں نفع پانے کا فرق ہے ۔ میرا مذہب یہ ہے کہ بھائیوں کی خدمت کرنی چاہیے ، نہ خدا کے لیے بلکہ بھائیوں کے لیے ۔ آخر میں میں آپ کے شکریے پر اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں ۔'' (چیرز زور سے)

ایڈریس کے جواب کے ختم ہونے پر مولوی شیخ مراد علی صاحب نے مبلغ تین سو چورانوے روپے ایک آنہ ممبران انجمن اسلامیہ و دیگر احباب جالندھر کی طرف سے بطریق دعوت سید صاحب کے پیش کیے جس کو سید صاحب نے نہایت احسان مندی سے قبول کیا اور یہ تجویز ہوئی کہ یہ روپیہ کار عمارت مدرسۃ العلوم میں صرف کیا جاوے گا ۔ اس عطیے میں جناب سردار بکرماں سنگھ بہادر کسی سبب سے شریک نہیں تھے ۔

اس کے بعد جلسہ برخاست ہؤا ۔ تھوڑی دیر آپس میں احباب گفتگو کرتے رہے ۔ پھر کھانا کھانے کا وقت ہؤا ۔ ہم سب لوگ کھانے کے کمرے میں گئے جہاں ہمارے میزبان سردار صاحب کی طرف سے نہایت سلیقے سے میز آراستہ تھی اور تمام کھانے نہایت عمدہ و نفیس تھے ۔ میز پر سید صاحب کی پارٹی کے سوا خان بہادر سردار محمد یار خان صاحب ، منشی سید اولاد علی صاحب ، فقیر ظفر الدین صاحب ، مولوی شیخ مراد علی صاحب ، بابو برمناتھ صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ ، صاحب کمشنر بہادر بھی شریک تھے ۔

خان بہادر سردار یار محمد خان صاحب

سردار یار محمد خان صاحب نہایت عالی خاندان ہیں ۔ ان کے دادا شاہ مراد خان پوپلزئی تیمور شاہ کابل کے بادشاہ کے دربار میں بخطاب ضبط بیگی اور لقب امیر اعظم کے ممتاز تھے ۔ یہ عہدہ اور یہ خطاب و لقب جدید نہ تھا بلکہ موروثی تھا ۔ ان کی وفات کے بعد سردار محمد شریف خان اپنے باپ کی مسند پر بیٹھے اور شاہ شجاع کے عہد میں علاوہ منصب ہائے سابقہ کے اور متعدد منصب پائے اور وزارت اعلیٰ اور مشیر مال کل ممالک افغانستان کے منصب پر سرفراز ہوئے ۔

اسی زمانے میں کابل میں وزیر فتح خان اور شاہ شجاع میں لڑائی شروع ہوئی اور وزیر فتح مند اور شاہ مغلوب ہو گئے ۔ اُسی کے ساتھ سردار محمد شریف خان کے خاندان کو بھی صدمۂ عظیم پہنچا ۔

جب شجاع الملک نے بہ مدد گورنمنٹ انگریزی کابل پر

فوج کشی کی تو سردار پاینده خاں خلف سردار محمد شریف خاں افغانستان کی فوج کے سپہ سالار تھے ۔ سردار دوست محمد خاں سے متعدد لڑائیاں لڑے اور امیر دوست محمد خاں کے تمام کنبے کو گرفتار کر کے سرکار انگریزی کے سپرد کر دیا جو آخر کو مع دوست محمد خاں کے قیدی ہو کر ہندوستان میں بھیج دیا گیا ۔

جب کہ امیر دوست محمد خاں نے قید سے رہائی پائی اور پھر کابل کا امیر ہؤا تو اس نے ورثائے سردار محمد شریف خاں کو جلاوطن کر دیا اور تمام جائداد و املاک ضبط کر لی ۔ سردار پاینده خاں نے ، جو قندھار میں علی زئی کی لڑائی میں زخمی بھی ہوئے تھے ، مع اپنے بھائیوں کے گورنمنٹ انگریزی کی پناہ لی اور تمام خاندانِ پوپلزئی کی سرکار انگریزی سے بطور وظیفہ ریاستی کے پنشن مقرر ہو گئی ۔

پنجاب کے فتح ہونے کے بعد گورنمنٹ انگریزی نے سردار گلستان خاں ، سردار محمد صدیق خاں ، سردار محمد خاں کو ، جو سردار محمد شریف خاں کے بیٹے اور ہمارے مخدوم سردار یار محمد خاں کے بھائی تھے ، فوج میں سردار بہادر کے عہدوں پر مقرر کیا اور ان کے ایک بھائی سردار عطا محمد خاں ڈیرہ اسماعیل خاں میں مدت تک ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ۔ اور سردار محمد حیات خاں پوپلزئی آن کے ایک بھائی گورداس پور میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں جن کا نام نامی گورداس پور کے حالات میں آیا ہے ۔ اور ہمارے مخدوم و مفتخر میزبان سردار یار محمد خاں صاحب سنہ ۱۸۵۰ع میں اول تحصیل دار ہوئے اور اب تخمیناً بیس برس سے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں ۔ مسلمانوں کی بھلائی کے کام میں بہ دل مصروف رہتے

ہیں - انجمن اسلامیہ جالندھر کے پریسیڈنٹ ہیں - مدرسة العلوم کے چندے میں بھی اعانت کی ہے - تمام قوم ان کا ادب کرتی ہے - خدا تعالیٰ قومی بھلائی میں کوشش کرنے کے لیے ان کو سلامت رکھے - ہم سب بھی ان کی عنایت و مہماں نوازی کے بہ دل ممنون ہیں -

اسی رات جالندھر سے روانگی قرار پا چکی تھی - شہر کے اسٹیشن پر ریل بہت کم ٹھیرتی ہے اور کیمپ کے اسٹیشن پر ، جو شہر سے چند میل کے فاصلے پر ہے ، زیادہ دیر تک ٹھیرتی ہے - اس لیے ہم نے اپنا سب اسباب کیمپ کے اسٹیشن پر بھیج دیا تھا اور اسی اسٹیشن سے سوار ہونے کا ارادہ تھا - اس لیے کھانے کے بعد سردار بکرماں سنگھ بہادر سے بعد شکرگزاری ان کی عنایت و مہماں نوازی کے اور خان بہادر سردار یار محمد خاں اور مولوی شیخ مراد علی صاحب اور دیگر احباب سے رخصت ہوئے ، اور سردار بکرماں سنگھ بہادر کی تیز رو جوڑی کی گاڑیوں پر سوار ہو کر اسٹیشن پر پہنچے اور بقصد پٹیالہ اسٹیشن راج پورہ کو روانہ ہوئے -

حالات مقامِ پٹیالہ

چوتھی فروری سنہ ۱۸۸۴ع کی رات کو ہم سب جالندھر سے چلے اور پانچویں فروری کو صبح ہونے سے پیشتر راج پورہ کے اسٹیشن پر پہنچے - حاجی محمد اسماعیل خاں صاحب بعض ضروری کاموں کی وجہ سے سیدھے علی گڑھ کو چلے گئے - سید صاحب اور محمد اکرام اللہ خاں صاحب، سید محمد علی صاحب اور میں راج پورہ اسٹیشن پر اترے - میر محمد حسن صاحب نائب ناظم راج پورہ اسٹیشن پر موجود تھے - ان سے ملاقات ہوئی - راج پورہ سرکارِ پٹیالہ کی ریاست میں واقع ہے - اسٹیشن کے قریب ڈاک بنگلہ سرکارِ پٹیالہ کی طرف سے بنا ہوا ہے - ہم سب نے اس میں آرام کیا -

راج پورہ میں پٹیالہ سے دو گاڑیاں چوکڑی کی اور ایک گاڑی جوڑی کی اسباب کے لیے آئی ہوئی تھیں - صبح ہوتے ہی وہ سواریاں وہاں حاضر ہوئیں - صبح کو سردار بستا سنگھ صاحب ناظم راج پورہ سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے - تھوڑے دن چڑھے ہم سب وہاں سے پٹیالہ کو روانہ ہوئے -

سید صاحب کو پٹیالہ میں آنے سے بجز وزیرالدولہ، مدبّرالملک خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر اور مشیر الدولہ، ممتاز الملک خلیفہ

سید محمد حسین خاں بہادر کی ملاقات کے اور کچھ مقصود نہ تھا ۔ پٹیالہ ایک میل یا ڈیڑھ میل باقی رہ گیا ہوگا کہ دونوں خلیفہ صاحبوں کو دور سے آتے ہوئے دیکھا ۔ جب گاڑیاں قریب آئیں تو ٹھہر گئیں ۔ سب لوگ گاڑیوں پر سے اترے ۔ جس طرح طرفین کو اشتیاقِ ملاقات تھا اسی طرح آپس میں ملے ۔ دل خوش ہؤا ۔ خدا کا شکر کیا ۔ خلیفہ عنایت حسین صاحب فرزندِ ارجمند مشیرالدولہ بہادر بھی ان کے ساتھ تھے ۔ سید صاحب ان سے مل کر بہت خوش ہوئے ۔

وہاں سے گاڑیاں تبدیل ہو گئیں ۔ سید صاحب اور میں وزیر الدولہ بہادر کی گاڑی میں اور محمد اکرام اللہ خاں اور سید محمد علی ، خلیفہ عنایت حسین مشیر الدولہ کے ساتھ سوار ہوئے اور چند لمحے کے بعد پٹیالہ پہنچے ۔ وزیرالدولہ بہادر کی کوٹھی میں اترے جو نہایت عمدگی سے سجی ہوئی تھی ۔

اُس کوٹھی میں میں نے ایک تصویر دیکھی جس کو دیکھ کر میں متعجب ہو گیا ۔ سمندر کے کنارے پر سید صاحب ایک درخت سے کمر ٹیکے ہوئے متحّیر کھڑے ہیں اور کسی قدر فاصلے پر ہزاکسلنسی سر سالار جنگ بہادر مرحوم استادہ ہیں ۔ سمندر طوفان کی حالت میں ہے ۔ موجیں اُٹھ رہی ہیں اور ایک جہاز ، جس میں بہت سے مسافر چڑھے ہوئے ہیں ، طوفان میں آ گیا ہے ۔ اُس کا مستول ٹوٹ گیا ہے اور ڈوبنے کو ہو رہا ہے ۔ چند آدمی پانی میں گر پڑے ہیں اور ڈبکیاں کھا رہے ہیں ۔ ایک کشتی میں چند آدمی سوار ہیں اور اُن ڈوبتوں کے بچانے کو جا رہے ہیں ۔ اس کشتی کے پھریرے پر انگریزی میں لکھا ہؤا ہے : ''ون لک (لاکھ) روپی''

سید صاحب اس حیرت اور مایوسی کی حالت میں کہہ رہے ہیں : ''ناٹ سفشنٹ'' یعنی یہ روپیہ کافی نہیں ہے ۔ ایک فرشتہ آسمان پر سے اترا ہے اور ایک ہاتھ سید صاحب کے کندھے پر رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ کو لمبا کر کے اور انگلی اٹھا کر سر سالار جنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور سید صاحب سے کہتا ہے : ''لک ٹو دس نوبل مین'' ۔ مجھ کو یہ معمّا نہیں کھلا کہ کیا ہے ۔ بعد اس کے وزیر صاحب کے فرمانے سے معلوم ہؤا کہ یہ صرف تصویر ہی نہیں ہے بلکہ سید صاحب کی ایک عرضداشت کا فوٹوگراف ہے جو انھوں نے مدرسۃالعلوم مسلمانان کی امداد کے مطلب سے سرسالار جنگ مرحوم کی خدمت میں بھیجی تھی ۔ اس وقت تک صرف ایک لاکھ روپے کا سرمایہ مدرسۃالعلوم کے لیے جمع ہؤا تھا جو کافی نہ تھا ۔ اس حال کے معلوم ہونے پر مجھ کو نہایت لطف آیا اور دیر تک اس تصویر[1] کو دیکھتا رہا ۔

۱- یہ تصویر ، جو سید اقبال علی صاحب نے وزیر الدولہ ، مدبّرالملک خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر وزیر اعظم پٹیالہ کی کوٹھی میں لگی ہوئی دیکھی ، دراصل اس تصویر کی نقل ہے جو سرسید نے کالج کے لیے چندہ لینے کی غرض سے بنوا کر ریاست حیدرآباد دکن کے وزیر نواب مختار الملک کی خدمت میں پیش کی تھی (سید اقبال علی صاحب نے نام سر سالار جنگ لکھا ہے) ۔ اس تصویر کی مفصل اور دلچسپ کیفیت حضرت شمس‌العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے ''حیات جاوید'' میں اس طرح بیان کی ہے :

''ابتدائے قیام مدرسہ کے وقت جس طریقے سے سرسید نے نواب مختار الملک مرحوم کو مدرسۃ العلوم کی طرف

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۵ پر)

دو دن ہم پٹیالہ میں رہے اور اپنے گھر سے زیادہ آرام پایا اور یہ دو دن نہایت خوشی و خرّمی سے گزرے - سید امداد علی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۴)

متوجہ کیا وہ یادگار کے قابل ہے - انھوں نے مصوّر سے ایک تصویر بنوائی جس میں مسلمانوں کی حالت اور ان کے تنزّل کی کیفیت محض تصویر کے ذریعے سے ظاہر کی گئی تھی - اس کی صورت یہ تھی کہ سرسید سمندر کے کنارے ایک درخت سے کمر لگائے حیران اور فکر مند کھڑے ہیں اور اس سے کسی قدر فاصلے پر مختار الملک مع اپنے دو صاحبوں کے استادہ ہیں - سمندر میں طوفان آ رہا ہے - جہاز ، جس میں بہت سے مسافر سوار ہیں ، اس کا مستول ٹوٹ گیا ہے اور وہ ڈوبا چاہتا ہے - کچھ آدمی پانی میں گر پڑے ہیں اور ڈبکیاں لے رہے ہیں - ایک کشتی ، جس میں کچھ آدمی سوار ہیں ، ان ڈوبتوں کے بچانے کو جہاز کی طرف جا رہی ہے - اس کی جھنڈی کے پھریرے پر انگریزی میں یہ الفاظ لکھے ہیں : One Lac Rupees (یعنی ایک لاکھ روپیہ) - سرسید اس حیرت اور تشویش کی حالت میں کہہ رہے ہیں کہ Not sufficient (یعنی یہ روپیہ کافی نہیں ہے) - ایک فرشتہ آسمان سے اترا ہے جو ہوا میں معلّق ہے اور ایک ہاتھ سے سرسید کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے ہاتھ کی انگلی سے نواب مختار الملک کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور سرسید سے کہتا ہے : Look at this noble man (یعنی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۶ پر)

خاں صاحب چیف جسٹس ریاست پٹیالہ نے پچیس روپے ، جناب مشیر الدولہ ممتازالملک خلیفہ سید محمد حسین خاں بہادر نے دو سو روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵)

اس شریف آدمی کی طرف دیکھو) - اس تصویر میں :

(۱) سمندر سے زمانہ مراد ہے -

(۲) جہاز سے مسلمانوں کی قوم -

(۳) کشتی ، جو جہاز والوں کی دستگیری کے لیے جا رہی ہے ، اس سے مدرسۃ العلوم مراد ہے -

(۴) اس کے پھریرے پر جو "ایک لاکھ روپے" کا لفظ لکھا ہے ، اس سے وہ لاکھ روپیہ مراد ہے جو اس وقت تک مدرسے کے لیے جمع ہؤا تھا -

(۵) سرسید گویا مسلمانوں کی سقیم حالت دیکھ کر اپنے دل میں یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ابھارنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ کافی نہیں ہے -

(۶) اس وقت خدا کی طرف سے ان کے دل میں یہ القا ہوتا ہے کہ نواب مختار الملک سے مدد مانگنی چاہیے - فرشتے کا ان کی طرف اشارہ کرنا اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے -

یہ تصویر نواب مختار الملک سید تراب علی خاں مرحوم کی خدمت میں بھیجی گئی اور وہ اس کو دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے - سنا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ اس تدبیر کے سوا کوئی دوسری تدبیر روپیہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۷ پر)

سید صاحب کو بھیجے ، اور آور صاحبوں نے بھی کچھ کچھ بھیجا ۔
وہاں بھی مبلغ دو سو چھپن روپے مدرسۃالعلوم کے لیے سید صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷٦)

مانگنے کی میرے دل پر متاثر نہیں ہو سکتی تھی ۔
انہوں نے سو روپیہ ماہوار اپنی خاص جاگیر سے اور
اول تین سو اور پھر پانسو ماہوار سرکارِ عالی نظام
سے مقرر کیے ۔ اس کے بعد جب حضور نظام نے عنانِ
اختیار اپنے ہاتھ میں لی [یہاں مولانا حالی کی مراد
''حضور نظام'' سے میر محبوب علی خاں والیِ دکن سے
ہے جو اپنے باپ افضل الدولہ میر تہنیت علی خاں کے
انتقال کے بعد ۱۸٦۹ء میں مسند نشین ہوئے اور بالغ
ہونے کے بعد ۱۸۸۳ء میں عنانِ اختیار اپنے ہاتھ
میں لی ۔ حیدرآباد کا آخری نواب عثمان علی خاں میر
محبوب علی کا بیٹا ہے جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد
۱۹۱۱ء میں تخت نشین ہؤا تھا اور تقسیمِ ملک کے
وقت اپنی حکومت کھو بیٹھا] تو پانسو روپے ماہوار
کا دو دفعہ کر کے اور اضافہ ہؤا اور پھر ۱۸۹۱ء
میں ، جب سرسید ڈیپوٹیشن لے کر حیدرآباد گئے ،
تو حضور نظام نے بجائے ایک ہزار کے دفعتاً دو ہزار
روپیہ ماہوار ہمیشہ کے لیے مقرر کیا اور اس کی سند
سرسید کو عنایت فرمائی ۔ درحقیقت یہ اسی تصویر کا
نتیجہ تھا جو رفتہ رفتہ اس درجے تک پہنچ گیا ۔''

(حیاتِ جاوید ، ص ۲۵۵)

کو مل گئے ۔ چھٹی فروری کی شام کو ہم پٹیالے[1] سے روانہ ہوئے

۱- پٹیالہ میں سید صاحب اور ان کے رفقا کا قیام صرف دو یوم رہا ۔ اگرچہ پٹیالہ سید صاحب چندے کی غرض سے نہیں گئے تھے ، صرف خلیفہ سید محمد حسن صاحب اور خلیفہ سید محمد حسین صاحب سے ملاقات اس سفر کی غایت تھی ، تاہم کچھ نہ کچھ چندہ یہاں بھی بغیر مانگے ہو ہی گیا جس کی مقدار دو سو چھپن روپے تھی ۔ اس میں سے دو سو روپے تو مشیرالدولہ ، ممتازالملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے تھے اور پچیس روپے سید امداد علی صاحب چیف جسٹس ریاست پٹیالہ کے ۔ باقی اکتیس روپے بعض دوسرے احباب کے ۔

چندے کے سلسلے میں یہاں ایک بہت پرلطف واقعہ پیش آیا جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ حضرت مولوی محمود حسن خاں صاحب ایک بہت عالم اور فاضل بزرگ پٹیالہ کے ایک مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ باوجود مولوی ہونے کے نہایت روشن خیال شخص تھے ۔ اس وقت جب کہ سرسید پر ہر طرف سے کفر کے فتووں کی بھرمار ہو رہی تھی ، وہ سرسید کی تعلیمی تحریک کے نہایت موید اور حامی تھے اور سرسید کو مسلمانوں کا حقیقی خیرخواہ اور ہمدرد سمجھتے تھے ۔ جب پٹیالہ میں سرسید کے آنے کی خبر مشہور ہوئی اور یہ معلوم ہؤا کہ وہ وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی کوٹھی میں ٹھیرے ہوئے ہیں تو مولوی صاحب ان سے ملنے کے لیے ان کی جاے قیام پر گئے اور اطلاع کرائی تو ملازم نے جا کر سید صاحب سے کہا کہ پرانی وضع کے ایک مولوی صاحب باہر کھڑے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں ۔ سید صاحب نے فوراً مولوی صاحب کو بلا لیا اور بہت خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے پیش آئے اور کہنے لگے : ”کیسے تشریف لانا ہؤا ؟“ مولوی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۹ پر)

کیونکہ دوسرے دن مظفر نگر میں ٹھہرنا ضرور تھا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۸)

صاحب نے فرمایا کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ اتفاق سے ہمارے شہر میں آئے ہوئے ہیں ، تو چونکہ آپ کی قومی ہمدردی کی میرے دل میں نہایت قدر ہے اور میں آپ کو مسلمانوں کا نہایت ہی خواہ اور مخلص خادم سمجھتا ہوں ، اس لیے دل چاہا کہ آپ سے ملوں ۔ یہ بھی خیال ہؤا کہ آپ بڑے آدمی ہیں اور بڑے آدمی کے مہمان ہیں اس لیے شاید مجھ غریب شخص سے ملنا گوارا نہ فرمائیں ، مگر میرا دل نہ مانا اور میں حاضر ہو ہی گیا ۔ میں ایک غریب آدمی ہوں اور بمشکل اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرتا ہوں ۔ بڑی مشکل سے میں نے روزانہ کے گھریلو اخراجات سے بچا کر کچھ رقم پس انداز کی تھی ۔ میں اس سے زیادہ بہتر مصرف اس رقم کا اور کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ حقیر رقم مسلمان بچوں کی تعلیمی ضروریات میں خرچ کی جائے ، لہذا میں وہ پیسے آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں ۔''

یہ کہہ کر مولوی محمود حسن خاں صاحب نے پانچ روپے چار آنے سید صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیے ۔ سید صاحب روپے لے کر کہنے لگے : ''جنابِ مولوی صاحب ! یہ سوا پانچ روپے کا کیا مطلب ہے ؟ پورے پانچ روپے آپ نے کیوں نہ دے دیے ؟''

مولوی صاحب نے بہت انکساری کے ساتھ جواب دیا : ''جناب سید صاحب ! میں بہت ہی غریب شخص ہوں ۔ میرا مکان بھی بہت معمولی سا ہے ۔ گھر میں نہ اعلیٰ درجے کے برتن ہیں اور نہ کچھ آرایش کا سامان ہے ۔ دل بہت چاہتا تھا کہ آپ جیسے خیرخواہِ اسلام

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۰ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹)

کی دعوت کرتا لیکن اتنا مقدور نہیں ، لہذا یہ پانچ روپے تو چندے کے ہیں اور چار آنے آپ کی دعوت کے ہیں ۔ براہِ غریب نوازی ان چار آنوں کو قبول فرمائیں جو آپ کے لیے ہیں ۔ میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پر بھی ایک دن میں چار آنے سے زیادہ خرچ نہیں کرتا ۔ اور وہی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لایا ہوں :

گر قبول افتد زہے عز و شرف''

مولوی صاحب کی یہ مخلصانہ تقریر سن کر سید صاحب فوراً کھڑے ہو گئے اور بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے : ''مولوی صاحب ! خدا کی قسم میں یہ چار آنے خاص اپنی ذات پر خرچ کروں گا اور ایک ایک پیسہ احتیاط سے خرچ کروں گا ۔ میرے نزدیک امرا کے پلاؤ اور زردے اور مزعفر اور متنجن سے بہت زیادہ قدر ان چار آنوں کی ہے ۔'' یہ کہہ کر سید صاحب نے چار آنے تو اپنی جیب میں ڈال لیے اور پانچ روپے کالج کے چندے میں جمع کرا دیے ۔ پھر دیر تک بڑی محبت کے ساتھ مولوی صاحب سے باتیں کرتے رہے اور فرمایا کہ ''ہمیں درحقیقت ایسے ہی مخلص احباب کی ضرورت ہے جیسے آپ ہیں ۔ کاش سب کے دلوں میں ایسا ہی اخلاص ہوتا جیسا آپ کے دل میں ہے ۔'' مجھ سے یہ واقعہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کے لایق اور قابل فرزند مسعود احمد صاحب بی ۔ اے ۔ دہلوی ایڈیٹر روزنامہ ''الفضل'' نے بیان کیا ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

حالات مظفر نگر

نواب محمد اسحاق خاں صاحب خلف نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر مرحوم رئیس جہانگیر آباد کئی برس سے مظفر نگر میں حسبِ قاعدۂ جدید انڈین سول سروس کے اسسٹنٹ ہو گئے ہیں ۔ اُن کے والد مرحوم سے اور سید صاحب سے نہایت دوستی اور ملاقات تھی ۔ اس سبب سے نواب محمد اسحاق خاں سید صاحب کو اپنا بزرگ اور سید صاحب ان کو اپنا عزیز سمجھتے ہیں ۔ ان کی نہایت خوشی تھی کہ پنجاب سے مراجعت کرتے وقت ایک دن سید صاحب وہاں ٹھہریں ۔ سید صاحب نے بپاسِ خاطر نواب محمد اسحاق خاں اس کو قبول کر لیا تھا ۔ جب لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو مظفر نگر کے بھی چند روشن خیال لوگوں نے قرار دیا کہ مظفر نگر میں آنے پر سید صاحب کو ایک ایڈریس دی جاوے اور مظفر نگر کے اسکول میں وہ جلسہ ہو ۔

غرض کہ ہم سب رات ہی کو مظفر نگر پہنچے ۔ اسٹیشن پر نواب محمد اسحاق خاں صاحب ، سید آفتاب حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ، سید اصغر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھہ ، سید ابوالمظفر صاحب رئیسِ منصور پور ، نواب حمیدالظفر خاں صاحب تحصیلدار ، عبدالمجید خاں صاحب رئیس نجیب آباد ، بہ طریقِ استقبال موجود

تھے ۔ وہاں سے نواب مجد اسحاق خاں کی کوٹھی میں آئے جو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے سجی ہوئی تھی ۔ تھوڑی دیر معمولی بات چیت رہی ، پھر سب سو رہے ۔

صبح کو سید حسین علی خاں بہادر رئیس جانسٹھ ، منشی علی جان صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر ، منشی احمد حسین صاحب تحصیلدار ، مجد سعید خاں صاحب منصف ، سید صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے ۔ ساڑھے گیارہ بجے سید صاحب ضلع اسکول میں تشریف لے گئے جہاں ایڈریس کا پیش ہونا قرار پایا تھا ۔ اسکول میں بہت بڑا مجمع وہاں کے معززین و عمائد کا تھا ۔ دروازے پر سید صاحب کا استقبال کیا گیا اور ان کو اسکول میں لے گئے ۔ جب سید صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو نواب مجد اسحاق خاں صاحب نے مندرجہ ذیل گفتگو کی :

تقریر مجد اسحاق خاں صاحب

''صاحبان !

مجھ کو جناب آنریبل سید احمد خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی کی نسبت ، جنھوں نے اپنی عمر قومی بھلائی کے کاموں میں صرف کی ہے ، کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ کون شخص ہے جو اُن کو نہیں جانتا ؟ اُن کے حال کے سفر پنجاب میں جو کچھ قدر و منزلت اُن کی وہاں کے لوگوں نے کی وہ اس لحاظ سے غور کے لائق ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کا اس بات پر شکر کریں کہ ہاری قوم میں بھی اب یہ جوش پیدا ہو گیا ہے کہ قومی خیر خواہ کو اس قدر عزت و شکر گزاری کا مستحق سمجھتے ہیں ۔ اتفاق سے اُن

کا تشریف لانا اس چھوٹے سے قصبے میں ہو گیا ہے جس کے باشندوں نے اپنے احسان بھرے دل سے جناب ممدوح کی خدمت میں ایڈریسوں کا دیا جانا قرار دیا ہے۔ پس میں جناب سید صاحب سے ملتجی ہوں کہ آن ایڈریسوں کو قبول فرماویں اور آن کے پڑھے جانے کی اجازت دیں۔''

دو ایڈریسیں لکھی گئی تھیں: ایک عربی میں ایک اردو میں۔ عربی ایڈریس کو مولوی محمد ضیاء الحسن صاحب رئیس کاندھلہ نے اور اردو ایڈریس کو محمد سعید خاں صاحب منصف نے پڑھا۔ سید صاحب نے دونوں ایڈریسوں کا یک شامل جواب دیا۔ وہ ایڈریسیں اور آن کا جواب ذیل میں مندرج ہے:

عربی ایڈریس

''نحمده بما انعم علینا بنعائه الاخص والاعم و نشکره علی ما علمنا ما لم نعلم و انطق السنتنا بالصلوة علی سیدنا النبی الموصوف بعظم الاخلاق والشیم و وفقنا به تبلیغ السلام علی اولاده و اصحابه الاکرم و شرفنا بخیر الامم فبعد الحمد والصلوة جاعة المسلمین من فواد القلب یشکرون السید الشریف الامجد المسمی بسید احمد صانه الله الصمد عن آفات البغض والحسد و کیف لا یشکرون المنعم المحسن الذی یصرف همته فی اعلاء کلمة الدین و اعانة المسلمین و یتحمل علی نفسه فی تلک الاعلاء والاعانة طعن الملاعن والمطاعن ولایخاف لومة لائم لما وصل حالة القوم الی حال لو لم ینظر الی اصلاحه لهلک القوم و غرقت سفینته و لم ینج من المهلکة نجاة قط فمعنی الاعانة هذه لا کما یفعله المخالفون الذین یصدق علیهم لم تقولون مالا تفعلون

کبر مقتاً عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون فھذا الفقیر الکاتب لھذہ السطور المدعو بضیاءالحسن صانہ‌اللہ عن‌الآفات والفتن ذھب فی المدرسۃ للمسلمین مرارا و اقام فی احاطۃالمدرسۃ ایاماً و لاحظ طرق الدرس والتدریس و تامل فی حال‌الطلاب و تعلیمھم و تعلمھم فلم یجد وقتاً من‌الاوقات ان یفعلوا فی ھذا الوقت امراً من امور الدنیا و یشغلوا فی لھو و لعب فھذا من حسن انتظام الاساتذۃ والمنتظم فخطر ببالی بلی سبب یسبون الطلبۃ و یطعنون المنتظمین للمدرسۃ فتفکرت غایۃالفکر و تاملت نھایۃ التامل فوجدت سبباً یکرہ القوم و ھو التغیر فی اللباس فارجو و اتمنی من السیدالمکرم والمنتظم المعظم ان یغیر لباسھم الذی یلبسونہ الطالبین للعلم و یخص ھذا اللباس بوقت مخصوص من الاوقات حین شمول الطلباء فی مجالس الامراء والگورنر ولا یلبسونہ فی عامۃالاوقات فکما یتوجہ السیدالعالی خاطرہ الشریف الی حالۃالقوم فی تھذیب امور الدنیا فلیتوجہ فی تربیۃ امور آخرتھم لیمیل القوم باجمعھم الی المدرسۃ کل المیل ۔ فاختم الکلام علی دعاء بقاءالمدرسۃ والسید الکرام الی قیام یوم القیام ۔''

اُردو ایڈریس

''جناب آنریبل سید احمد خان صاحب بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ۔

اس وقت ہم بہیئتِ مجموعی کل مسلمانانِ ضلع مظفر نگر آپ کا خیرمقدم کہنے کو جمع ہوئے ہیں اور تہِ دل سے آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ کے یہاں تشریف لانے سے نہ صرف ہم کو فخر ہی حاصل ہؤا ہے بلکہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ملی ہے ۔ ہم اپنی

خوبی قسمت پر نازاں ہیں کہ ہمیں آج آپ سے ملازمت حاصل کرنے کا ایک عمدہ موقع ملا ہے ۔ اور ہم کو آج کیسی انبساط ہے کہ ہم اپنے اس خیر خواہ قوم کو ، جس کی ہمدردی کے فیض سے جہان مالا مال ہے ، اپنی مجلس میں شریک پاتے ہیں ۔ آپ کی محنت اور جانفشانی اور ہمدردی نے ، جو آپ کو اس قوم برگشتہ بخت کے ساتھ ہے ، ہمارے دلوں پر بڑا اثر کیا ہے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں بڑا فخر ہے کہ آج تک ہماری قوم میں کوئی ایسا اولوالعزم شخص پیدا نہیں ہوا جس نے اپنی جان و مال و آرام کو اپنی قوم کی فلاح اور بہبودی کی غرض سے مثل آپ کے صرف کیا ہو اور اپنی قوم کی ترقی کے لیے ایسے سامان جمع کیے ہوں جیسے کہ آپ نے اپنی سعیِ بلیغ سے مہیا کیے ہیں اور نیز ہم کو اس بات کے کہنے میں بھی بہت بڑی خوشی ہے کہ جس قدر کامیابی آج تک آپ کے مقاصد میں حاصل ہوئی ہے یہ تنہا آپ کی ہی ہمت اور جواں مردی کا نتیجہ ہے ۔ آپ نے ایک ایسا بار عظیم تن تنہا بلا امداد غیرے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا اور باوجودیکہ بہت مشکلات وقتاً فوقتاً آپ کو پیش آئیں اور ایک کافۂ انام نے آپ کے ساتھ اختلاف کیا مگر ہرگز آپ کا قدم ہمت نہ ڈگمگایا بلکہ آپ کے استقلال نے اپنی قوم کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو اس گرداب بلا سے ، جس میں کہ اسے ٹکریں کھاتے ہوئے برسوں ہوگئے تھے ، قریب بکنارۂ نجات پہنچایا ۔ ہم کو نہایت افسوس ہے کہ آپ کی نیت اور مقاصد کو ایک مدتِ دراز تک ہماری قوم مطلق نہ سمجھی اور اس غلطی میں برسوں تک مبتلا رہی جس غلط فہمی کے سبب سے وہ اپنے بڑے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی ۔ آپ کا منشاء یہ تھا کہ آپ اپنی قومِ اسلام کو بھی مثل اور اقوام باشندگانِ ہندوستان کے

سرسبز اور موقّر و تعلیم و تربیت یافتہ دیکھیں ۔ اور یہ دیکھیں کہ وہ بھی بقدر اپنی فضیلتوں کے اپنی مہربان گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے فیضِ عام سے حصہ لے رہی ہے اور اس نے اپنے کو اس گورنمنٹ کی ایک وفادار اور مہذّب رعایا بنایا ہے ۔ اور اس تاریکی سے ، جو اس پر ایک اندھیری گھٹا کی طرح چھا رہی ہے ، باہر نکلتی آتی ہے ۔ اور جو روشنی کہ آج ہماری گورنمنٹ کے آفتابِ سلطنت کی شعاعوں نے پھیلا رکھی ہے اس سے اپنی آنکھوں اور دماغ کو روشن کر رہی ہے ۔

اے سید صاحب ! آپ کی کوششیں جو کچھ ایسے مقاصد کے حصول میں ہو رہی ہیں ، وہ فی‌الحقیقت ایسی ہیں کہ ان کا نقش ہر فردِ بشر کے دل پر منقّش ہے ۔ ہر خاص و عام آپ کی ہمّتِ دریا نوال کو دیکھ کر اس طرح صلاے عام پر نعرہ زن ہے کہ ''الصبوح الصبوح یا اصحاب'' یعنی آؤ اور وہ بے بہا چیز تھوڑا سا سرمایہ و ہمت خرچ کر کے حاصل کرو جس کا فیض ایسا متعدی ہے کہ تمھاری آیندہ نسلیں اس سے کامیاب ہوں گی اور ایک عالی ہمت کی فیض رسانی میں تم بھی شریک ہو جاؤ گے ۔ آپ کا جو کام تھا وہ آپ کر چکے ۔ یعنی آپ نے ایک ڈھانچ بنا دیا مگر اس ڈھانچ میں جان ڈالنا اور اس کو نشو و نما دینا یہ تمام قوم کی ہمت پر موقوف ہے ۔ مگر ہمیں امید ہے کہ اب ہماری قوم ضرور صرفِ ہمت کرے گی ۔ کس واسطے کہ آج کل کے حالاتِ قوم کے دیکھنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس کو کچھ اپنی فکر ہوئی ہے ۔ ایک کام کا سرانجام اس کے آغاز سے سمجھا جاتا ہے ، جیسے کہ روز روشن ہونے کی خبر سورج کی ان کرنوں سے ملتی ہے جو کہ قبل از طلوعِ آفتاب نمودار ہوتی ہیں ۔ اسی طرح اب اپنی

قوم کی ہمت سے ہمیں امید ہے کہ وہ ضرور اس ڈھانچ میں جان ڈالے گی اور ترقیات روز افزوں سے بہرہ ور ہوگی - ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ آپ کی صرفِ ہمت کا یہ نتیجہ ہؤا کہ آپ کی مردہ دل قوم کو پھر ایک جوش اپنے مدارج کی ترقی کا پیدا ہؤا اور ان کو وہ خواب ، جس کو وہ دیکھ کر بھول گئی تھی ، یاد آ گیا ـ اور اب وہ اس نومِ غریق سے چونکتی جاتی ہے اور اس کی تعبیر کے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے - ہم نے اس وقت آپ کی بہت سمع خراشی کی ہے مگر ہمیں امیدِ عفو ہے ، کس واسطے کہ یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے محض مقتضاے جوشِ دل تھا اور حقیقت میں ہماری تحریر و تقریر میں یہ قدرت کہاں تھی کہ جو آپ کی ہمتِ عالی کی داد دے سکیں ، مگر ہر کوئی شخص اپنے حوصلے کے موافق اپنے جوشِ دل کو ظاہر کرتا ہے - اس واسطے ہم نے بھی اس قطعے کے اوپر عمل کیا ہے :

قطعہ

لایق نبود قطرہ بعمّاں بردن
خار و خسِ صحرا بگلستاں بردن

لیکن چہ کنم کہ رسمِ موراں باشد
پاے ملخے پیشِ سلیماں بردن

اب اس ایڈریس کے ختم پر ہم آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی تشریف آوری سے ہم کو بڑی عزت بخشی ہے اور خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ آپ کی مساعیِ جمیلہ مشکور ہوں ـ''

دونوں اڈریسوں پر سید صاحب کا جواب

''بزرگان و حاضرینِ جلسہ !

آپ صاحبوں نے جو اپنی مہربانی سے اس وقت دو ایڈریسیں میرے سامنے پیش کیں ، جس میں سے ایک عربی میں تھی ، جو ہمارے مقدّس جزیرے اور مقدّس ملک کی زبان ہے ، جس سے نور اسلام کا نکلا اور تمام عالم کو روشن کر دیا ۔ اور دوسری ہمارے ملک کی زبان میں تھی جو مختلف ملکوں کی زبان سے پاکیزہ الفاظ چن کر بنائی گئی ہے ۔ میں ان دونوں ایڈریسوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے صوبے مغربی اور شمالی میں یہ پہلا ضلع ہے جس میں مجھ سے ناچیز کی نسبت یہ معزز کارروائی کی گئی ، جس سے مجھ کو بہت کچھ عزت حاصل ہوئی اور مجھے بہت فخر ہوا ۔ اے دوستو ! مسلمانوں کی حالت اب ایسی ہو گئی ہے جس کو سب لوگ سمجھنے لگے ہیں اور اس کے بیان کی حاجت نہیں ۔ کوئی چیز ، جو صرف عقلی یا خیالی ہوتی ہے اور جو خیال کے ذریعے سے ظاہر کی جاتی ہے اور صرف دلائل سے اس کی آیندہ حالت بتائی جاتی ہے ، وہی حالت ایسی ہوتی ہے جو تقریر کی محتاج ہو ۔ مسلمانوں کی حالت اب آنکھ سے دکھائی دیتی ہے ۔ ادبار ، ذلّت ، بدبختی ، روزانہ تنزّل ، جو اُن پر آتے جاتے ہیں ، اُن کو ہر شخص آنکھ سے دیکھتا ہے جو مسلمانوں کے حالات سے ظاہر ہوتے جاتے ہیں ۔ ہر شخص ، اعلیٰ رتبے کا رئیس ہو یا ادنیٰ درجے کا آدمی ہو ، اگر وہ سرسری طور پر بھی اُس کو دیکھنا چاہے تو وہ بہت دور نہ جائے ۔ وہ صرف اپنے باپ کی حالت اور اپنی حالت کا مقابلہ

کرے تو بغیر کسی دلیل اور بیان کے یقین کر لے گا کہ آس کی اور آس کے خاندان کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی ہے - یہ حالت کی بدتری ابھی اس درجے کو نہیں پہنچی کہ جس کو یہ کہا جائے کہ ختم ہو گئی - وہ روز بروز بدتری کی طرف چلتی جاتی ہے - جس حساب سے یہ تنزّل شروع ہؤا ہے اگر آسی اوسط سے اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی برس اس بات کو باقی ہیں کہ مسلمان سائیسی ، خانسامانی ، خدمت گاری ، گھس کھودے ہونے کے سوا اور کسی درجے میں نہ رہیں گے - اور کوئی ایسا گروہ ، جس کو دنیا میں کچھ بھی عزت حاصل ہو ، مسلمانوں کے نام سے نہ پکارا جائے گا - اے بھائیو ! ایسی حالت میں دعوے دار اسلام ہو کر ، خاندانی شرافت کا دعویٰ کرکے چپ ہو رہنا بڑی بے شرمی کی بات ہے - جو لوگ اس قسم کا دعویٰ کرتے ہوں آن کا فرض ہے کہ غور کریں اور سمجھیں کہ آیندہ آن کی اولاد اور نسلوں کی کیا حالت ہونے والی ہے - انھی تمام باتوں نے میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے میں اس حالت کو درست کرنے کی کوشش کروں - سب سے زیادہ جو مشکل کام حالت کی درستی کے واسطے تھا وہ اس بات پر غور کرنا تھا کہ مسلمانوں کی یہ حالت کیوں ہوتی جاتی ہے ، بڑا سبب یہ معلوم ہؤا کہ جو تعلیم اور تربیت اس زمانے کے مناسب درکار تھی ، جس سے قومی عزت اس زمانے میں حاصل ہو سکتی تھی ، وہ آن میں نہیں ہے (چیرز) - اس وقت میری زبان سے قومی عزت کا لفظ نکلا ہے - میرے خیال میں وہ تو بڑا وسیع لفظ ہے - مجھ سے کسی قدر غلطی ہوئی جو اس لفظ کا استعمال کیا - ہم لوگوں کی خاندانی عزت بھی ، جو تھوڑے دنوں پہلے موجود تھی ، وہ

بھی باقی نہیں رہی ۔ اے مسلمانو ! جو اس وقت موجود ہو ، جو اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرتے ہو ، خیال کرو کہ آن میں کون سی چیزیں تھیں جن پر تم کو فخر ہے ؟ بڑا فخر آن کی دنیوی شان و شوکت کا تھا ۔ عباسیہ سلطنتوں کا فخر ، مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کی عظمت اور شوکت ، آس وقت کے امرا کی ناموریاں ایسی تھیں جن پر اس وقت تک لوگ تفاخر کرتے ہیں اور صرف آن کی نسلوں میں ہونا اپنی عزت کا باعث جانتے ہیں ۔ یہ سب باتیں آن کو کیونکر حاصل ہو گئی تھیں ؟ آنھوں نے زمانے کے موافق اپنے تئیں درست کیا تھا اور آنھی کی وجہ سے اسلام ایک مجسّم عزت کے پیرایے میں نظر آنے لگا تھا (چیرز) ۔ اسلام کوئی مورت نہیں ہے جو سامنے کھڑی ہووے اور نظر آوے ۔ آس کی عزت یا ذلّت آس کے پیرووں کی حالت سے دکھائی دے گی ۔ جو مسلمانوں کی حالت ہوگی وہی حالت اسلام کی سمجھی جاوے گی ۔ جس قدر مسلمان ذلیل ہوتے جائیں گے آسی قدر غیر قوم کی نظروں میں اسلام ذلیل معلوم ہوگا ۔ جو کوشش ہندوستان کے مسلمانوں کی بہتری کی سوچی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ اگر آس میں کامیابی ہو تو اسلام کی عزت زائل نہیں ہو سکتی ۔ اسی خیال پر ایک مدرسہ بنانے کی میں نے تجویز کی ۔ مجھ کو افسوس ہے کہ قوم نے اس کی حالت پر اور اس کے اسباب پر کافی غور نہیں کیا اور اس کو ایک نئی چیز سمجھا ۔ جو چیزیں کہ اس میں مہیا کی گئی ہیں ضرور ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کو کچھ اختلاف بھی ہو ، کیونکہ جزوی امور کسی کام کے بہت کم ایسے ہو سکتے ہیں جن میں رائیں مختلف نہ ہوں (چیرز) ۔ ہمارے مخدوم مولوی صاحب نے اپنی عربی ایڈریس میں اس کا کچھ اشارہ بھی کیا ہے ۔

مگر پچھلی تاریخوں اور گزشتہ زمانے کی ہسٹری ہمارے لیے گواہ ہے کہ کوئی شخص دنیا میں آج تک ایسا نہیں گزرا جس کے کاموں پر لوگ اب گرویدہ ہیں اور اس کو عمدہ سمجھتے ہیں ، مگر ابتدا میں اس سے مخالفت نہ کی گئی ہو - ہزاروں آدمی شروع میں اس پر لعنت کرتے تھے - اور یہ لعنت کچھ دنیاوی امور پر محدود نہ تھی ، بلکہ مذہبی امور کے شمول میں ان پر یہ لعنتیں کی جاتی تھیں - کیا کوئی شخص بھول گیا ہے امام غزالی کا حال ؟ جس کو آج لوگ نہایت بزرگ اور پیشوا اور مقتدا تمام علما کا سمجھتے ہیں اور ان کی کتاب ''احیاءالعلوم'' و ''کیمیائے سعادت'' علم دین کے خزانے کی کنجی خیال کی جاتی ہے - مگر ان کی حیات میں اور کتابوں کی تحریر کے وقت ان پر لعنت ہوتی تھی ، تکفیر کے فتوے دیے جاتے تھے ، قتل کا حکم ہوتا تھا - کوئی ذلّت ، کوئی خرابی ان کے واسطے باقی نہیں رہی تھی - اور ان پر کیا ہے ، کوئی کام بھلائی کا ، جس کو لوگ نیا سمجھتے ہوں ، ایسا نہیں ہوا جس کے کرنے والے پر لعنت و ملامت نہ ہوئی ہو - پس اگر میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کیا گیا تو کون تعجب کی بات ہے ؟ مگر جو شخص سچے دل اور نیک نیتی سے اس کام کو کرتا ہے اس کو برا کہنے والوں سے غرض نہیں ہوتی ، اس کو خدا سے غرض ہوتی ہے - اور جب کہ خدا سے غرض ہے تو لوگوں کے برا کہنے سے اس کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا ، بلکہ ان لوگوں کے ساتھ اس کی محبت بڑھتی جاتی ہے اور وہ زیادہ کوشش کرنے لگتا ہے - وہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کے فائدہ پہچانے اور سمجھانے کے لیے زیادہ کوشش درکار ہے - اور جوں جوں مخالفت بڑھتی جاتی ہے اس کی کوشش بھلائی کے واسطے ترقی کرتی جاتی ہے - مجھ کو بڑی

خوشی ہے کہ عربی ایڈریس پیش کرنے والے نے ، جو ایک نہایت مشہور مقدس عالی خاندان کی اولاد میں ہے ، مدرسے میں رہ کر وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور اُن کو وہاں کے حالات پر کوئی اور موقع ایسا نہیں ملا کہ اُس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ۔ اُنھوں نے طالب علموں کے لباس کی نسبت کچھ اعتراض کیا ہے ۔ اُس کی نسبت اول مجھ کو یہ بیان کرنا ہے کہ مدرسے میں جو طالب علم رہتے ہیں اُن کے واسطے کسی خاص لباس کی قید نہیں ہے ۔ نہ کوئی حکم منتظمان مدرسہ نے ایسا دیا ہے جس سے طلبا کو اُس کی پابندی لازم ہو ۔ وہاں ہر شخص کی خوشی پر منحصر ہے ، جس قطع کا لباس شرفا میں مروج ہو اُس کا وہ استعمال کریں ۔ مدرسے کے منتظموں کے دل میں یہ بات نہیں آئی کہ کسی پر اس بات کا جبر کریں کہ وہ لوگ کسی خاص لباس کے پابند ہوں ۔ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا مدرسے کے قواعد کے متعلق تھا ۔ مگر میں اُس حد سے اب کچھ بڑھنا چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ لباس ایک جزو مذہب کا ہے اور کسی لباس سے مذہبِ اسلام جاتا رہتا ہے یا اُس میں کچھ نقص آتا ہے تو وہ بلکل غلطی پر ہیں ۔ جو لوگ مذہبِ اسلام کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی چیز نہیں ہے جو ایسی بیرونی باتوں سے رہے یا جائے ۔ وہ لباس سے مذہب کو کچھ بھی نقصان پہنچنا خیال میں نہیں لاتے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے ایک بڈھے مولوی نے اپنی کتاب ''گلستان'' میں خوب کہا ہے :

حاجت بکلاہ ترکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار

مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ کیا اسلام ایسا ہے کہ ایک چیتھڑا چیر کر آگے لٹکا لینے سے تو باقی رہے اور اگر اس میں بٹن لگا دے جائیں تو جاتا رہے ؟ میں کہوں گا کہ ایسا یقین اسلام کی سچائی کے بالکل برخلاف ہے ۔ اسلام ایک نور ہے جو دل میں ہوتا ہے اور جس سے اس نور رکھنے والے کے عقیدے مضبوط ہوتے ہیں ۔ یہ نہیں ہے کہ مولی کھانے سے اسلام مضبوط ہو اور انڈا کھانے سے وہ کمزور ہو جاوے ۔ اس کو لباس اور ان معمولی دنیوی طریقوں سے کچھ غرض نہیں ۔ وہ خدا کے ساتھ پکا عقیدہ رکھنے کی ہدایت کرتا ہے ۔ میں سوال کرتا ہوں کہ جو مسلمان اس وقت یہاں موجود ہیں آیا جن بزرگوں کی وہ پیروی کرتے ہیں ، رسول خدا ؐ ، اصحاب کرام ؓ ، اہل بیت علیہ‌السلام کا کیا یہی لباس تھا جو اس وقت ہم پہنے بیٹھے ہیں ؟ یہ تو کوئی بھی نہیں کہے گا کہ ہاں یہی تھا ۔ اور جب یہ نہ تھا اور ہم نے اس میں کئی طرح کی تبدیلیاں کی ہیں ، آتش پرستوں ، مجوسیوں ، ہندوؤں کے لباس سے مل ملا کر ہمارے لباس میں ایک ترکیب دی گئی ہے ، تو پھر کیا ایسی تبدیلی کرنے والوں کا اسلام باقی نہیں رہا ؟ یہ ایک غلط خیال ہے جو مسلمان لباس کی نسبت کرتے ہیں ۔ اسلام نے ہم کو کچھ نہیں بتایا کہ ہمارے لباس کی کیا قطع ہونی چاہیے ۔ کیا تم ان حدیثوں کو بھول گئے ہو جن میں ذکر ہے کہ عیسائیوں اور مجوسیوں نے اس قسم کے چغے ، جو ان کے ہاں کے قسیس و رہبان پہنتے تھے اور جن کو حدیثوں میں جبۂ رومیہ ، ضیق الکمین یا واسع الکمین سے تعبیر کیا گیا ہے ، آنحضرت صلعم پاس تحفے میں بھیجے اور آپ نے ان کو پہنا ۔ پس لباس کے لحاظ سے طعن کرنا نعوذباللہ اس فعل پر ناسمجھی سے طعن کرنا ہے جو آنحضرت صلعم

نے کیا ہے - اگر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ لباس کو اسلام میں کچھ دخل ہے تو یہ ایک سخت بدعت سیئہ ہے جو اعتقاد اور عمل دونوں معنوں میں صادق آتی ہے اور اس بدعت کا دور کرنا ہر ایک مسلمان پر لازم ہے - اور اس لیے سب سے اول مقدّس مولویوں ہی کو تبدیل لباس لازم ہے - پس مدرسے کے کسی طالب علم نے اگر بغیر کسی تحریک منتظمان مدرسہ کے کوئی تغیّر اپنے لباس میں کیا ، یعنی ترکی لباس پہنا ، جو ایک معزّز کثیر گروہ مسلمانوں میں رائج ہے ، تو کوئی وجہ مولویوں کو اس پر اعتراض کرنے کی نہیں ہے - یہ وہی تاریک خیالات ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو اس حال پر پہنچایا اور ذلّت میں ڈال دیا - اگر ہم ایسے ہی خیالوں کی پیروی کرنی چاہیں تو یقین کرنا چاہیے کہ ترقی کی کوششوں سے پہلے ہی دست بردار ہونا چاہیے (چیرز) - ایسے خیالات کے ساتھ جو ہمارا مقصد دنیاوی ترقی کا مع بقائے اسلام و یقین خدا و رسول کے ہے ، بالکل ساقط ہو جائے گا (چیرز) - میں اُمید کرتا ہوں کہ قوم کی بھلائی چاہنے والے ان بے اصل باتوں اور غلط خیالات کو چھوڑ کر سچے اسلام اور سچے ایمان کی روشنی میں قایم رہیں گے اور توہمّات کو اسلام یا ایمان کا یقین نہ سمجھیں گے - ہمارے دوسرے شفیق منصف صاحب نے اپنی اُردو ایڈریس میں براہ مہربانی یہ بیان کیا ہے کہ مدرسۃالعلوم میری کوشش اور سعی سے قایم ہؤا ہے - مجھے افسوس ہے کہ میں اُن کے ان عنایت آمیز الفاظ کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ مدرسہ فی‌الحقیقت اُن لوگوں کی فیاضی سے قایم ہؤا ہے جنھوں نے عمدہ مشورے دے ، اُس میں روپیہ دیا ، اُس کے کاروبار میں مدد کی - اگر وہ سب لوگ ایسی مدد نہ کرتے تو ممکن نہ تھا کہ وہ مدرسہ اپنی موجودہ حالت پر تو کیا اُسی ایک

چھوٹی اسکیل پر بھی قائم ہو سکتا ۔ پس حقیقت میں مدرسے کا بانی انھی لوگوں کو سمجھنا چاہیے جنھوں نے اس میں روپیہ اور محنت سے مدد دی ۔ ان لوگوں کے ساتھ میں خاص کر اپنے ہندو بھائیوں کا احسان نہیں بھولتا جنھوں نے قوم اور اپنے بھائیوں کو تباہ حالت میں دیکھ کر ان کی بہتری کے لیے ہزاروں روپیہ چندے میں دیا ۔ ان کا شکریہ سب سے زیادہ لازم اور مقدّم ہے ۔ انھی نے اصل میں انسانیت اور خیرات کا کام کیا ہے ۔ ان کے احسانات مدرسے کے در و دیوار سے ہمیشہ ظاہر رہیں گے ۔ ان کے احسانات ایسے زیادہ ہوتے جاتے ہیں جن کو اب حد سے بڑھا ہؤا کہنا چاہیے ۔ اے مسلمانو ! ایک واقعہ حال کا میں بیان کرتا ہوں جس کو سن کو اگر مسلمانوں میں کچھ بھی غیرت باقی ہے تو یقین ہے کہ کوئی بھی اس ہال سے زندہ باہر نہ جائے گا ۔ مسلمانوں کی حالت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے ہمسائے ان کے حال پر روتے ہیں ۔ پرسوں مدراس سے کچھ کاغذات میرے پاس آئے ہیں جس سے معلوم ہؤا کہ اس ملک کے ہندوؤں نے اس بات کا خیال کرکے ، کہ مسلمان روز بروز تباہ ہوتے جاتے ہیں ، ایک کمیٹی ان کی تعلیم میں کوشش کرنے کے واسطے قایم کی ہے ۔ اس میں سوائے ایک کے کوئی مسلمان شریک نہیں ۔ ہمارے بھائی خدا ترس ہندوؤں نے ہماری بہتری کے لیے چندہ شروع کیا ہے جس کے چندہ دینے والوں میں صرف ایک مسلمان کا نام ہے جو شاید اتفاقیہ شریک ہو گیا ، کل ہندو شریک ہیں ۔ اب بھی مسلمانوں کو خیال نہیں آتا کہ ہندو بھائیوں نے ان کو سسکتا دیکھ کر مدد کی طرف توجہ کی اور ان کی بہتری کے واسطے چندہ کیا ۔ اس سے زیادہ بے غیرتی مسلمانوں کے لیے اور کیا ہو گی ؟ دیکھنا چاہیے کون کون لوگ ان کے حال پر رحم کرتے ہیں ۔ وہ بے چارے ہندو در بدر مسلمانوں کے لیے بھیک

مانگتے ہیں ۔ دور دور ملکوں میں چٹھیاں بھیجتے ہیں مگر ہمارے ملک کے دولتمند ، آسودہ اور متوسط درجے کے مسلمانوں کو اس سے بھی غیرت نہیں آتی ۔ اب اور کون سی باتیں ہوں گی جو ان کی بے غیرتی کی نظر آویں گی ۔ اردو ایڈریس میں جو سب سے زیادہ سچی بات لکھی گئی ہے اور جس نے میرے دل پر اثر بھی کیا ہے اور اس سے مجھے خوشی بھی ہوئی ہے ، وہ یہ ہے کہ جو مدرسہ اس وقت قایم ہؤا ہے وہ ایک ڈھانچا ہے اور اس میں جان ڈال دینا قوم کا کام ہے ۔ بے شک یہ سچ ہے کہ باوجودیکہ مدرسۃالعلوم ایسی حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اپنا نظیر ہندوستان میں نہیں رکھتا مگر میں کہتا ہوں کہ وہ اب تک بے جان ہے ، جب تک وہ پورا تکمیل کو نہ پہنچ جائے ۔ اور یہ کام کسی ایک شخص کے کرنے سے نہیں ہو سکتا ۔ یہ کل قوم کا کام ہے ۔ جب تک سب اتفاق نہ کریں گے اس میں جان پڑنا مشکل ہے ۔ اردو ایڈریس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قوم کچھ ہوشیار ہو چلی ہے ۔ بے شک میں نے اس کا کچھ نمونہ بھی دیکھا اور اخباروں میں بھی ایسے مضامین پڑھے کہ مسلمانوں کو ذلّت سے نکلنا اور اپنی حالت درست کرنا چاہیے ۔ بعض بعض جگہ لوگوں کو کوشش کرتے بھی پایا ۔ حقیقت میں اگر کچھ تحریک ہوئی ہے تو امید ہے کہ یہ تحریک زیادہ ہو جاوے گی ۔ دنیا میں کسی قوم کی ترقی کے یہی دو نشان ہیں : ایک یہ کہ وہ سمجھنے لگیں کہ وہ ذلّت اور خرابی میں مبتلا ہیں اور دوسرا نشان یہ ہے کہ اس ذلّت سے نکلنے کی کچھ کوشش شروع کر دیں ۔ اگر حقیقت میں یہ دونوں باتیں ہماری قوم میں پیدا ہو گئی ہیں تو نہایت خوشی کی بات ہے اور خداوند تعالیٰ سے ، جو بڑا رحیم ہے ، امید رکھنی چاہیے کہ ہماری قوم بھی ترقی کرے گی ۔'' (چیرز زور سے) ۔

جلسے کے برخاست ہونے کے بعد ہم سب لوگ پھر نواب محمد اسحاق خاں کے درِ دولت پر حاضر ہوئے - وہاں کھانا تیار تھا اور نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی اور خوبصورتی سے میز آراستہ تھی - انواع و اقسام کا کھانا اس قدر کثرت سے تھا جو فضولی میں داخل ہو سکتا ہے - تعدّدِ انواع اس کثرت سے تھا کہ ایک ایک لقمہ کھانے پر بھی تمام کھانے چکھ بھی نہ سکے -

میز پر علاوہ میزبانِ عزیز اور سید صاحب اور ان کی پارٹی کے سید حسن علی خاں صاحب رئیسِ جانسٹھہ ؛ سید اصغر علی خاں صاحب ، سید آفتاب حسین صاحب ، میر نثار حسین خاں صاحب ، نواب عبدالمجید خاں صاحب ، منشی علی جان صاحب ، منشی احمد حسین صاحب ، محمد سعید خاں صاحب شریک تھے - شمال مغربی اضلاع میں نواب محمد اسحاق خاں صاحب پہلے مسلمان ہیں جو ملکی سول سروس کے قاعدے سے سویلین ہوئے ہیں - ہم دیکھ کر ان کو نہایت خوش ہوئے اور خدا سے ان کی کامیابی کی دعا کی -

کھانے کے بعد آپس میں دوستوں کا جلسہ رہا اور ہر قسم کی بات چیت ہوتی رہی - اس میں ایک بات کا تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا - ایک صاحب نے سید صاحب سے کہا کہ سول سروس کے لیے جو آپ فنڈ جمع کرتے ہیں ، اس امتحان کی کامیابی میں بہت سے موانع ہیں - اُنیس برس کی عمر میں کسی ہندوستانی کو کامیابی نہیں ہو سکتی ، اس میں کوشش بے فائدہ معلوم ہوتی ہے -

سید صاحب نے کہا کہ جو کچھ مشکلات ہوں ہوں ،

ہم کو ان کا مقابلہ کرنا چاہیے ۔ عمر گھٹا دینے کی شکایت واجبی ہے ۔ اس کو رفع کرنے میں کوشش کرنی دوسری بات ہے لیکن اگر عمر کی حد کا اضافہ نہ ہو تو بھی مایوسی کی حالت اختیار کرنی نہیں چاہیے ۔ اب میں بطور معارضے کے کہتا ہوں کہ عمر کی حد گھٹا دینے سے نتیجۂ امتحان میں ہندوستانیوں کا کیا نقصان ہے ؟ اُنیس برس کی عمر تک جس طرح ہندوستانیوں کے علم کو کامل ترقی نہیں ہوتی اُسی طرح یوروپین کے علم کو بھی ترقی نہیں ہوتی ۔ اکیس برس کی عمر تک جس قدر علم کی ترقی ہندوستانیوں کو ہوگی اُسی نسبت سے یوروپین کو بھی ترقی ہوگی ۔ اور ہر حال میں جو نسبت ہندوستانیوں اور یوروپین کو بلحاظِ امتحان انیس برس کی عمر میں ہے وہی نسبت اکیس برس کی عمر میں بھی ہے ۔ پس انیس برس کی عمر سے ڈرنا اور مایوس ہو جانا اور ہمت و کوشش کو چھوڑ دینا محض ناواجب ہے ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ سول سروس کے امتحان میں پاس ہونے کے لیے عربی زبان اختیار کریں ۔ وہ مسلمانوں کے لیے ایسی ہے جیسے یوروپین کے لیے لیٹن یا گریک ۔ یقیناً مسلمان یوروپین کے برابر رہیں گے ۔ میتھی میٹکس ایک ایسی چیز ہے کہ جب اس کے قواعد یاد ہو جاویں اور مشق ہو جاوے تو ہندوستانی اور یوروپین دونوں برابر ہیں ۔ انگلش گریمر ہندوستانی بہ نسبت یوروپین کے زیادہ یاد کر لیتے ہیں ۔ انگلش میں کسی قدر وہ پیچھے رہیں گے ، مگر نہ اس قدر جس سے نا امیدی ہی ہو ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم کوشش نہ کریں اور ہمت ہار بیٹھیں ؟''

مظفر نگر میں بھی لوگوں نے مدرسۃ العلوم کے لیے کچھ چندہ دیا جس کی مقدار ایک سو چھیانوے روپے ہو گئی ۔

اسی قسم کی باتوں میں دن ختم ہو گیا ، شام قریب ہوئی ، ریل کا وقت آیا ، مسافروں نے اپنا اسباب باندھا ، ریل پر پہنچے ۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب ہمارے ساتھ تھے ۔ ریل کے اسٹیشن پر منشی علی جان صاحب ، محمد سعید خاں صاحب ، سید حسین علی خاں صاحب ، نواب حمید الظفر خاں صاحب اور آور دو ایک صاحب تشریف لائے ۔ ریل نے کوچ کی سیٹی بجائی ۔ جرس نے فریاد کی کہ ''بربندید محمل ہا'' ۔ ہم سب نے دوستوں کو خدا حافظ کہا اور روانہ ہوئے ۔

غازی آباد کے اسٹیشن سے محمد اکرام اللہ خاں دہلی چلے گئے ۔ میں اور سید صاحب اور سید محمد علی آسی رات علی گڑھ پہنچے ۔ دوسرے دن میں علی گڑھ میں رہا ۔ شام کو فیض آباد روانہ ہؤا اور پنجاب کے سفر کی کہانی ختم ہوئی ۔

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ب	۱۶	ٹاؤن	ٹون
د	۹	ٹاؤن	ٹون
۲	۱۰	خوش	جوش
۲	۱۹	ہمدرد	ہمدردی
۲	۲۰	پنجابی	پنجاب
۳	۱۰	لدھیانہ	لودھیانہ
۱۱	۶	دیا ہے	دیا
۱۱	۱۱	۔ تھا	تھا ۔
۱۲	۱۵	شعائیں	شعاعیں
۱۳	۱۱	واتقو	واتقوا
۱۷	۱۹	شہنشاہ	شاہنشاہ
۱۷	۲۰	,,	,,
۲۰	۲۲	کے دونوں	دونوں
۲۰	۲۳	دوستو	دوستوں
۲۱	۲۱	بغرض	بعوض
۲۲	۶	بھائیو	بھائیوں
۲۳	۶	کے امتحانوں	امتحانوں
۲۳	۱۰	دوستو	دوستوں
۲۳	۱۷	برادارن	برادران
۲۶	۵	بھائیو	بھائیوں
۲۶	۶	روپے	روپیہ
۲۶	۱۰	بھائیو	بھائیوں

موجودہ نسخے کا لفظ ''لیکچر'' طبع اول میں ہر جگہ ''لکچر'' ہے ۔
اسی طرح ''پہنچا'' کا املا اصل نسخے میں ''پہونچا'' ہے ، وقس علیٰ ہذا۔
اس قسم کی تحریفات غلطنامے سے حذف کی گئیں ۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷	۵	لوکو	لوکوں
۲۹	۱	کی	کے
۲۹	۳	عہدے دار	عہدہ دار غیرعہدہ دار
۲۹	۱۱	پانچ سو	پانسو
۳۱	۱۲	گئیں	گئی
۳۱	۱۷	منگوائی	منگائی
۳۲	۷	مدسة	مدوسة
۳۴	۱۰	)	,,
۳۴	۱۱	(	“
۳۶	۱۳	لدھیانہ	لودھیانہ
۴۰	۸	مہربانی	میزبانی
۴۰	۱۰	سے	کے
۴۱	۲	دے - آمین !	ہو -
۴۱	۱۷	کہ جو	جو
۴۴	۱	، ہیں	ہیں ،
۴۶	۱۷	، ہے	ہے ،
۴۷	۳	جو	جو کچھ
۴۷	۳	کی	کو
۴۷	۲۱	مسلمان	مسلمانان
۴۸	۱۹	نہ ہو	نہ ہوگا
۵۲	۳	تمام	اور تمام
۷۰	۵	- ہیں	ہیں -
۷۰	۱۲	بھائیو	بھائیوں
۷۱	۱۲	کر -	کر
۷۱	۱۹	دوستو	دوستوں
۷۲	۱۴	,,	,,
۷۳	۹	نہیں -	نہیں ہے -
۷۳	۲	بھائیو	بھائیوں
۷۴	۱۰	,,	,,
۷۵	۳	,,	,,
۷۵	۱۶	دوستو	دوستوں
۷۹	۲۰	لدھیانہ	لودھیانہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۲۱	لدھیانہ	لودھیانہ
۸۰	۵	لکھا تھا	لکھا
۸۰	۱۸	روپے	روپیہ
۸۱	۸	پرائیویٹ	پریوٹ
۸۲	۲	ہیں	ہیں کہ
۸۷	۵	دکھائی	دکھلائی
۸۸	۴	سے	پر
۸۸	۱۳	لوگو	لوگوں
۸۸	۱۵	نہ کر سکے	کر سکے
۹۴	۲	تقریب	تقویت
۹۴	۲۱	کرنے	کرنے کا
۹۷	۱۰	نہادر	بہادر
۱۰۲	۱۸	کیا ۔	کیا ہے ۔
۱۰۴	۲۲	۱۳۰۱ھ	۱۳۰۱
۱۰۶	۱۷	ہم	ہم لوگ
۱۱۰	۴	آئی را عطا	آئی ۔ عطا
۱۱۴	۱۰	پولیس	پولس
۱۱۶	۴	دھکیلنے	ڈھکیلنے
۱۱۶	۱۲	کی	کی آیندہ
۱۱۸	۱۱	، ہے	ہے ،
۱۱۹	۵	گا	گا کہ
۱۱۹	۱۲	سمجھ کو	سمجھ کر
۱۲۷	۱۱	دوستو	دوستوں
۱۲۷	۲۴	,,	,,
۱۳۰	۵	,,	,,
۱۳۲	۱۷	مسلمانو	مسلمانوں
۱۴۱	۲۰	بہنو	بہنوں
۱۵۲	۱۱	حال	ہال
۱۵۲	۱۶	,,	,,
۱۵۲	۱۷	,,	,,
۱۵۳	۳	,,	,,
۱۵۳	۴	,,	,,

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۳	۱۲	ٹاؤن حال	ٹون ہال
۱۵۵	۹	صاحبو	صاحبوں
۱۶۲	۶	,,	,,
۱۶۲	۱۳	,,	,,
۱۶۵	۱۱	الے	ملے
۱۶۵	۱۲	مسکول	اسکول
۱۶۹	۱	ایشیٹک	ایشیاٹک
۱۶۹	۱	سوسائٹی	سوسئیٹی
۱۶۹	۴	،	اور
۱۹۶	۱۷	میرے	میری
۲۰۷	۵	نمیں	میں
۲۰۹	۲	مفقورة	مفقودة
۲۰۹	۲۱	علیگر ہ	علیگڈھ
۲۱۰	۹	هذہ المخدوم	هذا المخدوم
۲۲۰	۲۳	dissension	dissensions
۲۴۹	۳	دوستو	دوستوں
۲۶۴	۱۸	بھائیو	بھائیوں
۲۶۵	۱۶	سوسائٹی	سوسئیٹی
۲۸۵	۱۳	دوستو	دوستوں
۲۹۰	۱۷	پہنچاتے ہیں	پہنچاتا ہے
۲۹۱	۲۴	بھائیو	بھائیوں
۳۰۷	۸	شعاؤں	شعاعوں
۳۱۲	۱۶	سلام	اسلام
۳۱۷	۳	سمت	سمعت
۳۲۲	۱۳	حدالتکلیف	حدالتکلیف (تفسیر کبیر)
۳۲۶	۱۲	ذی	زی
۳۴۷	۱۳	دوستو	دوستوں
۳۴۸	۱۱	سائینٹفک سوسائٹی	سینٹیفک سوسئیٹی
۳۸۴	۷	بلی	بای
۳۹۵	۱	بھی	بھی نہ